پس نوشت

غدر! میرا سب سے پہلا ناول ہے جو غالباً ۱۹۵۸ء یا ۱۹۶۰ء میں پہلی بار دلّی میں شائع ہوا تھا اس کے بعد اس کے دو تین ایڈیشن اور نکلے جو قانونی تھے مگر جن لوگوں نے قدر افزائی فرما کر چھاپ لیے بے اجازت بے اطلاع اور بے حیثیت کہہ گئے اس کی خبر بھی ملی مگر اس کی تصویت کا یہ حال رہا کہ کبھی کوئی کاپی مل سکی جو چھپا جس نے چھپایا ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ طبع ثانی کے دیباچے میں میں نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے کے رنگ کے ساتھ ادب کا رنگ بھی بدل گیا ہے لیکن اس سیدھے سادے عام فہم اور دل کو لبھانے والے رومان، ایک بہترین قصے کی سچی زندگی اور ساتھ ہی آزادی کی لگن، قومی یکجہتی کا جذبہ، قربانی اور ایثار کی حد و جہد جو اس کے ہیرو ہیروئن کی جان تھے وہ آج بھی قابلِ تقلید ہیں اور پسند کیے جاتے ہیں آج بھی لوگ اس کے کرداروں اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کو اخلاق و صفات سمجھتے ہیں کہ ہاں دنیا میں ایسا ہوتا ہے یا ہوتا تھا اب برسوں سے یہ کتاب (غدر!) آؤٹ آف پرنٹ ہے مگر میرے قدردان یا میرے ناولوں کے اب بھی یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ 'غدر!' میرا بہترین ناول ہے (میں اس سے متفق نہیں) مگر کتاب تو پڑھنے والوں کے لیے ہوتی ہے۔ لکھنے والا تو لکھنے کے بعد ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے مٹی یا بنانے والا کہ اب یہ اسی پر منحصر ہے کہ وہ لوگوں کو پسند آتی ہے یا کتنی پسند آتی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ میرا یہ پہلا اور محبوب ناول (ہر فن کار کو اپنی پہلی تحریر ایسی ہی محبوب ہوتی ہے جیسی پہلی اولاد اور میری تو کتابیں ہی میری اولاد بھی ہیں میں بھی اور محبوب بھی) پھر سے شائع کیا جا رہا ہے۔ میں پریم گوپال متل صاحب کی ممنون ہوں۔ خدا کرے ان کی کوشش کامیاب ہو اور 'غدر!' پھر اسی شان اور آن سے اردو کے حلقے میں قدم رکھے جیسے سالہا سال پہلے رکھا تھا۔

—— صالحہ عابد حسین

۲۴ جون ۱۹۸۷ء

آگے بڑھی مگر وہ قوتِ ارادی جس سے کام لے کر آج تک اُس نے
اپنے کو قابو میں رکھا تھا اور سب کچھ حوصلے، استقلال اور جوانمردی
کے ساتھ سہا تھا، اس وقت اس کا ساتھ چھوڑتی معلوم ہوئی۔ انصار
کو سامنے کھڑا دیکھ کر اُس کی قوتِ برداشت ختم ہو گئی۔ اس کے قدم
ڈگمگانے لگے ــــ انصار نے لپک کر عذرا کو اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا
ریاض نے بڑھ کر دیکھا تو وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

عذرا کو ہوش میں آتا دیکھ کر ریاض کے اشارے پر سب لوگ
کمرے سے باہر چلے گئے۔

عذرا نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اس کا چہیتا شوہر اس کا سر
اپنے زانو پر رکھے جھکا ہوا فکرمند نظروں سے اُسے دیکھ رہا ہے عذرا
کی آنکھیں خوشی مسرت سے آنگوں ہو گئیں اور اس نے دونوں باہیں
انصار کی گردن میں ڈال دیں ــــ ایک کے منہ سے نکلا۔ "انصار"
اور دوسرے کے "عذرا میری جان" ایک لمحے بعد دونوں کی نظریں
جھولے کی طرف اُٹھیں جہاں ان کی تمناؤں کا مرکز پڑا سو رہا تھا۔
عذرا اور انصار کے چہروں پر دلفریب مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

انصار۔ یہ دس پندرہ منٹ اس سے زیادہ کٹھن ہیں۔
ریاض اوپر کی طرف مڑے اُدھر سے ناجرہ یہ دیکھنے آرہی تھی کہ کون آیا ہے انصار پر اس کی نظر پڑی تو سیڑھی سے گرتے گرتے بچی انصار لپک کے آگے بڑھے اور ناجرہ کو گلے سے لگا کر آب دیدہ ہو گئے۔
ریاض اوپر گئے تو دیکھا عذرا پریشان بیٹھی ہے۔ ریاض کو دیکھ کر بولی "بھائی جان بڑی دیر لگائی۔ کون آیا ہے؟ اصغر؟"
ریاض۔ نہیں اصغر نہیں آئے۔ بلکہ لکھنؤ سے ایک صاحب آئے ہیں وہ یہ خبر لائے ہیں کہ
عذرا۔ (گھبرا کر بات کاٹتی ہے) کیا خبر لائے ہیں۔
ریاض۔ گھبراؤ نہیں۔ خوش خبری ہے۔ مٹھائی کھلاؤ گی تو سناؤں گا۔
عذرا۔ (وحشت کے عالم میں) بھائی جان مٹھائی کیا آپ کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ اب وہ خبر تو سنا دیجیے۔
ریاض۔ وہ کہتے ہیں کہ آج کل ہر جگہ سیاسی قیدیوں کی رہائی ہو رہی ہے۔
عذرا۔ کون سی نئی بات ہے یہ سلسلہ تو مہینوں سے چل رہا ہے مگر ہیں کیا۔
ریاض۔ ان کا خیال ہے کہ انصار بھی عنقریب چھوڑ دئیے جائیں گے۔
عذرا۔ (خوشی، حیرت، گھبراہٹ کے ملے جلے لہجے میں) بھائی جان کیا سچ مچ
ریاض۔ ہاں ہاں بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ممکن ہے انصار چھوٹ چکے ہوں ۔۔
اسی وقت انصار کمرے میں داخل ہوئے۔ عذرا نے مڑ کر ادھر دیکھا اور ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کا سارا جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ بھائی صاحب کی موجودگی کو بھول گئی اور جھپٹ کر انصار سے ملنے کیلئے

اپنے آنے کی اطلاع کر دوں مگر دل نہ مانا کہ ایک دن کی دیر کروں اس لئے سیدھا چلا آیا۔

ریاض۔ بہت اچھا کیا۔ خدا کا شکر ہے۔ مگر مجھے خوف یہ ہے کہ اس اچانک خوشی کا عذرا کے اوپر بُرا اثر نہ پڑے۔

انصار۔ (گھبرا کر) کیوں کیا بات ہے عذرا کیسی ہیں کہاں ہیں؟

ریاض۔ تو کیا تمہیں میرا خط نہیں ملا۔

انصار۔ جی نہیں۔ آخر بات کیا ہے کہئے ما میری طبیعت گھبرا رہی ہے

ریاض۔ (مسکرا کر) گھبرانے کی ضرورت نہیں عذرا ماشاء اللہ اچھی ہے اوپر کے کمرے میں ہے۔ البتہ ابھی کمزور ہے۔

انصار۔ کیوں؟

ستارہ۔ پہلے مٹھائی کھلائیے پھر بتائیں گے۔

ریاض۔ ارے بھائی آپ اب بیٹے کے باپ ہیں بیٹے کے باپ۔

انصار کا چہرہ بشاش ہو گیا، آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اور وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکے۔

ستارہ میں جا کر بھائی دلہن اور باجی کو تو خوش خبری سنا دوں

ریاض۔ نہیں تم نہیں ٹھیرو میں جاتا ہوں تم جا کر پھٹ سے کہہ دو گی اور اچانک اتنی بڑی خوش خبری سن کر اس پر بُرا اثر پڑے گا۔ انصار میاں تم میرے جانے کے پندرہ منٹ بعد آنا

انصار۔ یعنی اس وقت اتنی دیر ٹھیرنا مشکل ہے۔ یہ پندرہ منٹ پندرہ سال کے برابر ہیں۔

ریاض۔ جہاں دس مہینے کی جدائی برداشت کی وہاں یہ پندرہ منٹ اور سہی

عذرا نے کہا "یہ پیچھے کیسا شور ہو رہا ہے۔"
ہاجرہ۔ شاہد ہو گا — اس قدر شیطان ہو گیا ہے جس کی حد نہیں
ہر وقت کوئی نہ کوئی شرارت کرتا رہتا ہے۔
سیدہ۔ (پیچھے سے چیخ کر) بھائی جان جلدی آئیے۔ دیکھئے
تو سہی کون آیا ہے۔
عذرا۔ (تعجب سے) کیا اصغر آ گئے؟ سیدہ بہت خوش ہو کر بھائی جان
کو بلا رہی ہے۔
ریاض۔ دیکھتا ہوں کون ہے۔
ریاض تیزی سے پیچھے اُترے تو دُور سے دیکھا کہ ڈیوڑھی کے
دروازے کے پاس رحمو کسی شخص سے گلے مل رہا ہے — اور آگے
بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں — بڑھی ہوئی داڑھی، پریشان بال،
کھدر کا میلا کرتا پاجامہ پہنے — انصار چلے آ رہے ہیں۔ تعجب
اور مسرت کی ایک چیخ ریاض کے منہ سے نکلی اور دونوں جھپٹ کر
ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔ درخ اور سیدہ جو دروازے
کے پاس سگے پاؤں خوشی سے بدحواس کھڑی ہوئی تھیں ریاض
کے ہٹتے ہی انصار سے لپٹ گئیں۔ نوکر چاکر بچے وچے سب
آ کر چاروں طرف جمع ہو گئے۔
ریاض۔ بھئی کمال کیا یہ تم ٹپک کہاں سے پڑے؟
انصار۔ آج کل بہت سے سیاسی قیدی بلا کسی شرط کے چھوڑے
جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ کل اچانک بے اطلاع
مجھے رہا کر دیا گیا۔ پہلے میں نے سوچا کہ ایک دن رک کر پہلے تار سے

عـذرا۔ جی نہیں۔ معمول کے مطابق ہر پندرھویں دن جو خط ان کا آتا ہے اس مرتبہ وہ بھی نہیں آیا۔ اس کی وجہ سے کئی دن سے میری طبیعت پریشان ہے۔ وہ تو کبھی خط لکھنے میں دیر نہیں کرتے کہیں طبیعت نہ کچھ خراب ہو گئی ہو۔

ریاض۔ طبیعت تو اچھی ہوگی۔ شاید کسی دوسری جگہ منتقل کر دیئے گئے ہوں اور اس کی وجہ سے خطوں میں گڑبڑ ہو گئی ہو۔ میں آج ہی جیلر کو لکھ کر دریافت کرتا ہوں۔

عـذرا۔ ضرور آج لکھ دیجئے گا۔

ہاجرہ کمرے میں دودھ کی بوتل لئے ہوئے آئی اور بچے کو گود میں لے کر بوتل اس کے منہ سے لگا دی۔ کمزوری کی وجہ سے عذرا کے بالکل دودھ نہیں تھا اس لئے مجبوراً بچے کو اوپر کا دودھ پلانا پڑتا تھا۔

ہاجـرہ۔ (ریاض کی طرف دیکھ کر) دیکھئے تو سہی کیسا ٹکر ٹکر میرا منہ تک رہا ہے۔

ریاض۔ (پاس آ کر) دیکھو مسکرا رہا ہے۔

ہاجرہ۔ بچے کے مسکرانے کو ٹوٹکا نہیں کرتے۔

ریاض۔ اوہ رے بڑی بی۔

ہاجرہ۔ بتائیے ناصر کس کی صورت ہے۔ میں کہتی ہوں عذرا کو پڑا ہے اور عذرا کہتی ہے کہ انصار بھائی کی صورت ہے۔

ریاضؔ۔ (عذرا اور بچے کی طرف دیکھ کر) عذرا سے بھی ملتا ہے اور انصار سے بھی۔ مگر انصار کی مشابہت زیادہ ہے۔

نیچے کی سرل سے کچھ شور و غل اور گڑبڑ کی آوازیں آئیں تو

تھوڑا بہت چل بھی لیتی ہوں۔
ریاض ۔ اب انشاء اللہ جلد یہ کمزوری بھی دور ہو جائے گی۔
عذرا ۔ ہاں کسی طرح یہ جھگڑا ختم ہو تو میں اپنا کام شروع کروں سارا کام رُکا پڑا ہے۔ ابھی تو اخبار بھی دیکھتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔
ریاض ۔ میں ابھی "آزادی" کے دفتر ہی سے آرہا ہوں۔ مدیر علی صاحب سب کام ٹھیک کر رہے ہیں تم بالکل فکر نہ کرو۔
عذرا ۔ بھائی جان اگلے ہفتہ میں دفتر جا سکوں گی نا؟
ریاض ۔ نہیں ابھی پندرہ بیس دن تک ہم تمہیں کوئی کام نہیں کرنے دیں گے۔
عذرا ۔ یہ تو بڑی مشکل ہے۔
ریاض ۔ (مسکرا کر) تم جیسی نہ سہی مگر تھوڑی بہت قابلیت اور صلاحیت تو مجھ میں بھی ہے۔ میں برابر "آزادی" کے کام کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہوں مگر تمہیں اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں۔
عذرا ۔ (شرمندہ ہو کر) بھائی جان آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں میں بھلا آپکا کیا مقابلہ کر سکتی ہوں۔ مگر مجھے تو یہ فکر ہے کہ آپ کو ایک تو اپنا کام ہی اتنا زیادہ ہے اوپر سے یہ بھی کرنا پڑتا ہے دُہری محنت ہو گئی نا۔
ریاض ۔ مہربانی کر کے تم ہر قسم کی فکریں اپنے دل سے نکال دو۔ اطمینان اور بے فکری سے اپنی طاقت کو بحال کرنے کی کوشش کرو۔
عذرا ۔ (مسکرا کر) بہت خوب ڈاکٹر صاحب۔
ریاض ۔ میں نے انصار کو بچے کی پیدائش کی اطلاع دی مگر اب تک اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ کیا تمہارے پاس کوئی خط آیا ہے؟

دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ننھا ناصر العصار کی ننی سی تصویر معلوم ہو رہا تھا وہ کتنی دیر تک ٹکٹکی لگائے بچے کی صورت تکتی رہی اور اس کی آنکھوں سے گول گول شفاف موتی بچے کے سر پر نچھاور ہوتے رہے۔ بچہ جاگ اٹھا اور وہی گول گول سیاہ آنکھوں سے ماں کو دیکھنے لگا۔ عذرا کو اس کی آنکھوں میں تعجب حیرت، محبت اور ہمدردی، حوصلہ اور ہمت کا پیام نظر آیا جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے بچے کو جھولے سے اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور دیوانہ وار اس کا منھ چومنے لگی۔ بار بار اس کے منھ سے یہ جملہ نکل رہا تھا "العصار — العصار — تمہاری عذرا اور تمہارا بچہ تمہارے منتظر ہیں۔ وہ کیسے اور سوا برس کی جدائی سہیں گے؟"

بیماری اور کمزوری نے عذرا کی برداشت کی قوت ختم کر دی تھی اب اس میں وہ پہلا سا ضبط نہ رہا تھا کہ تنہائی میں بھی آنکھ سے آنسو نکلنے دے۔ ہاں دوسروں کے سامنے اب بھی وہ اسی طرح ہنس ہنس کر اور بے پروائی سے باتیں کرتی تھی۔

ریاض کمرے میں داخل ہوئے۔ عذرا نے جلدی سے بچے کو پنگوڑے میں لٹا دیا اور مجوب سی ہو گئی۔ ریاض نے عذرا کے اور بچے کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات دیکھ لئے۔ وہ پہلے بھانجے کے پاس گئے اور پیار سے اس کا گال انگلی سے چھو کر بہن کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

ریاض۔ عذرا۔ آج طبیعت کیسی ہے۔ اب کمزوری پہلے سے کم معلوم ہوتی ہے یا نہیں۔

عذرا۔ جی ہاں اب تو بہت بہتر ہوں۔ چکر بھی زیادہ نہیں آتے

اس کے پلنگ کے برابر ایک چھوٹا سا پنگوڑا رکھا ہوا ہے جس پر جالی کی مچھر دانی پڑی ہے۔ پاس بیٹھی ایک عورت اونگھ رہی ہے۔

دو مہینے ہوئے عذرا ایک بچے کی ماں بنی ہے۔ فرح اور ستیدہ بہن کا چلہ کرنے آئی ہوئی ہیں۔ ریاض کو عذرا کی کمزوری کی وجہ سے اس کی اور بچے کی طرف سے بہت فکر تھی مگر خلاف توقع ولادت آسانی سے ہو گئی۔ مگر بعد میں بہت دن تک طبیعت خراب رہی اور کمزوری اب تک نہیں گئی ہے۔ اب تھوڑا تھوڑا چلنے پھرنے لگی ہے بچے کی ولادت سے کچھ دن پہلے سے عذرا نے دفتر جانا چھوڑ دیا تھا اور اخبار کا کام گھر پر ہی کر لیا کرتی تھی۔ ریاض روز ایک چکر لگا کر دفتر کی نگرانی کرتے رہتے تھے باقی کام نذیر علی کرتے رہے۔

اس وقت عذرا "آزادی" کا آج کا پرچہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھی۔ اس نے ایک سرسری نظر اخبار پر ڈالی اور پھر اسے ایک طرف ڈال کر آرام کرسی پر ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ ماتھے سے پسینے کے قطرے پونچھے۔ اور آہستہ سے اٹھ کر پنگوڑے کے پاس گئی۔ پردا چھت پر اُلٹ دیا اور جھک کر بچے کو دیکھنے لگی۔ ننھا سا سُرخ سُرخ گول مٹول بچہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سر کے برابر کئے پڑا سو رہا تھا اور اس کا چھوٹا سا منھ سوتے میں بھی اس طرح چل رہا تھا جیسے دودھ پی رہا ہو۔ اس کا رنگ سُرخی مائل سانولا تھا، بڑی پیشانی، چھوٹا سا دہن سا اور اونچی ناک بالکل انصار کی سی تھی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، گھنی پلکیں اور گھونگھروالے بال عذرا سے ملتے تھے۔ عذرا جھکی ہوئی بچے کو

پینتیسواں باب

مارچ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ موسم ابھی تک خوش گوار ہے۔ صبح اور رات کے وقت خاصی خنکی ہو جاتی ہے البتہ دوپہر کو ہوا میں خفیف سی گرمی آ جاتی ہے۔

عذرا اپنے کمرے میں چوڑے زرد کنارے کی سفید کھدر کی ساڑی اور زرد بلاؤز پہنے آرام کرسی پر نیم دراز ہے۔ اس کے چہرے سے نقاہت برس رہی تھی اور اس کے رنگ کی زردی ساڑی کے کنارے سے میل کھا رہی ہے۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے بندے ہاتھوں میں سونے کی دو دو چوڑیاں اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں منگنی کی انگوٹھی کے سوا اور کوئی زیور اس کے بدن پر نہیں۔ اور اسے دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ وہ سوا سال کی بیاہی دلھن ہے

گڑبڑ کے بعد "آزادی" کا دفتر دہلی میں جم گیا۔

عذرا روز صبح کو آٹھ بجے بھائی کے ساتھ "آزادی" کے دفتر میں پہنچ جاتی۔ ریاض اپنے مطب میں چلے جاتے۔ ساڑھے بارہ بجے تک دونوں بہن بھائی اپنے اپنے دفتر میں کام کرتے ساڑھے بارہ بجے ریاض عذرا کے پاس آجاتے اور آدھ پون گھنٹہ تک یہاں کا کام دیکھتے ایک بجے کے بعد دونوں گھر واپس آجاتے۔

دو ایک مرتبہ عذرا اور ریاض، انصار سے ملنے لکھنؤ گئے۔ وہاں عذرا نے جیل کی زندگی کی ایک جھلک دیکھی اور اسے معلوم ہوا کہ انصار کیسی بے آرام اور کٹھن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس دن سے عذرا نے خود بھی کھانے پینے رہنے سہنے میں حد درجہ کی سادگی اختیار کر لی۔

سا کی ملاقات کرائی۔ مدیر علی نے ان کے سامنے اس بات کا اعتراف
لیا کہ بیگم انصار بہت خوبی سے "آزادی" کا کام کر رہی ہیں اور آئندہ
فرہ ہو جانے پر اور زیادہ کامیابی سے اس کام کو انجام دے سکیں گی۔
محمد احسان نے یہ بھی دیکھا کہ عذرا برقعہ پوش دفتر جاتی ہے۔ تمام
کا مدات وغیرہ ایک چھوکرا اس کے پاس لاتا اور لے جاتا ہے۔ علے
الوں اور دوسرے لوگوں سے جو کچھ بات چیت کرنی ہوتی ہے وہ حق
ر کھ سر کرتی ہے۔ یہ سب دیکھ کر محمد احسان اس پر راضی ہوئے
لوجہیر عذرا "آزادی" کی نگرانی کرتی رہے۔ لیکن اسے اکیلے الہ آباد چھوڑنا
تو محمد احسان مناسب سمجھتے تھے اور نہ ریاض۔ انھوں نے تجویز کیا
ل اخبار کو الہ آباد سے دہلی منتقل کرا لیا جائے۔ عذرا نے یہ بات انصار سے
! ۔ کی تو انھوں نے بھی اسے پسند کیا چاہیے یہ طے پایا کہ "آزادی"
ہا سے نکلے اور عذرا بدستور اس کی اڈیٹر رہے۔
محمد احسان اپنی نوکری پر چلے گئے۔ ریاض نے دہلی جا کر مجسٹریٹ
ر' س اخبار کی منتقلی کی درخواست دے دی اور کچھ دن بعد اس بنا پر
ل اخبار کی ادارت ایک خاتون کر رہی ہیں۔ اخبار منتقل کرنے کی اجازت
ل گئی۔ ریاض نے اپنے مطب کے قریب ہی "آزادی" کے لئے ایک
یر تلاش کر لیا۔ انصار الہ آباد سے لکھنو جیل میں منتقل کر دیئے گئے
احب تک اجازت ملی الہ آباد سے "آزادی" نکالتی رہی۔ اور
جازت ملنے کے بعد لکھنؤ ہوتی ہوئی انصار سے مل کر دہلی آ گئی۔
امں نے خود اپنی نگرانی میں "آزادی" کا دفتر منتقل کرایا۔ مدیر علی اور کئی
در کارکن الہ آباد سے دہلی آ گئے۔ بعض یہاں رکھ لئے گئے۔ بیٹے گھر کی

بہن کو سمجھانے کی کوشش کی۔ عذرا نے کہا "بھائی جان آپ کے اور
چچا جان کے حکم کے خلاف کام کرتے ہوئے مجھے بہت رنج اور شرمندگی
ہوتی ہے مگر میں اس بات کا فیصلہ کر چکی ہوں کہ ان کی خواہش کے
مطابق میں یہ کام ضرور کروں گی۔ اور میں اس فیصلے کو بدل نہیں سکتی۔"
ریاض۔ لیکن بی بی یہ تو سوچو کہ تم یہاں غیر شہر میں اکیلی کس طرح رہو گی
اور تنہا اتنے بڑے کام کو کیسے انجام دو گی۔

عذرا۔ بھائی جان چاہے کچھ ہو یہ کام تو اب مجھے کرنا ہی ہے اور اب
تو اتنے دن میں مجھے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہے کہ میں اس کو اچھی طرح
کر لوں گی۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ آپ اور چچا جان بغیر
ناراضگی کے مجھے اجازت دے دیجئے۔ "ان" کے کام میں لگ کر
شاید ــــــ میں ــــــ ان کی جدائی کو سہہ لوں ورنہ میری
جان پر بن جائے گی۔

عذرا ہمیشہ سے بھائی کا ادب کرتی اور ان کا حکم بے چون و چرا
مانتی تھی۔ یوں بھی بھائی کا بہت لحاظ اور شرم کرتی تھی آج تک اس
نے ریاض کے سامنے اصرار کا نام بھی نہ لیا تھا اس وقت بہن کے
منہ سے یہ الفاظ سن کر انہیں اس کے دل کی حالت کا پورا اندازہ ہوا
وہ خاموش ہو گئے کوئی جواب نہ دیا مگر چچا کو سمجھایا کہ عذرا کو اس کی
مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ وہ کسی طرح اس بات پر راضی
نہیں ہوتے تھے کہ عذرا اخبار کا کام کرے ریاض نے انہیں لے جا کر
"آزادی" کا دفتر دکھایا۔ نذیر علی "آزادی" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر سے ملوایا
جو ایک بوڑھے تجربہ کار اور بہت شریف آدمی تھے باقی سارے عملے سے

نامنظور کردیا اور میاں انصار منتخب کئے گئے اب سرکہاں کردرہے ہوں گے۔ عدرا
جانے عدرا کا کیا حال ہوگا" انھوں نے اسی دن بھتیجی کو تسلی تشفی کا خط لکھا
لیکن کچھ دن بعد جب انھوں نے "آزادی" پر اڈیٹر کے نام کی جگہ عدرا انصار
لکھا دیکھا اور یہ معلوم ہوا کہ بی عدرا "آزادی" کی ادارت فرما رہی ہیں تو وہ
بہت برہم ہوئے۔ انھوں نے ریاض کو خط لکھ کر حالات دریافت کئے
اور اس کا جواب آنے پر جو الہ آباد روانہ ہوگئے۔ انصار کا مقدمہ اور سزا
کا حکم ہو چکا تھا۔ ریاض ابھی الہ آباد میں موجود تھے۔
محمد احسان کہاں تو غصّے میں بھرے ہوئے تھے کہاں بھتیجی کا اُترا ہوا
چہرہ دیکھ کر پگھل گئے۔ ان کے دل پر چوٹ لگی اور بھتیجی کو گلے سے لگا کر
آبدیدہ ہوگئے۔ عدرا گزشتہ مہینہ بھر میں ایک مرتبہ بھی نہیں روئی تھی
درد فراق کی آگ اندر ہی اندر اسے جلا رہی تھی۔ بعض وقت اسے معلوم
ہوا تھا کہ کلیجہ پھٹ جائے گا مگر آنکھ سے آنسو نہیں نکلتے تھے۔ شفیق
چچا کے گلے سے لپٹ کر بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش
ہونے لگی اور اسے روتا دیکھ کر سارا گھر رونے لگا۔
محمد احسان نے ریاض سے گفتگو کی اور کہا کہ عدرا کو لے جا کر دہلی
میں اپنے پاس رکھو۔ ریاض پہلے ہی بہن سے کہہ چکے تھے مگر وہ اسی پر
اڑی ہوئی تھی کہ میں یہیں رہ کر "آزادی" نکالوں گی۔ گزشتہ تین ہفتے
سے "آزادی" کی ادارت کا کام وہ کر رہی تھی اور اخبار کی مقبولیت میں
کوئی فرق نہیں آیا تھا بلکہ اس کی مانگ پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔
ریاض بہن کی طبیعت سے واقف تھے کہ ارادے کی پکی اور ہٹ کی
پوری ہے۔ کسی کا کہا نہیں مانے گی۔ مگر چچا کے کہنے سے ایک مرتبہ اور

وقت ریاض۔ اور برقعہ پوش عذرا بھی موجود تھی۔ عذرا سمجھتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ چھ مہینے کی سزا ہوگی۔ لیکن جب اس نے مجسٹریٹ کے منہ سے دو سال قید سخت کا حکم سنا تو اسے سخت دھچکا لگا ــــ اس کا سر چکرایا اور ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا کہ نہ پاؤں کے نیچے زمین ہے نہ سر پہ آسمان لیکن چند منٹ بعد اس نے اپنی طبیعت کو سنبھال لیا۔ یہ کیا؟ آزادی کی خاطر دو سال کیا دس سال کی بھی قید ہو تو اسے خوشی سے سہنا چاہیئے۔ اسی حوصلہ پہ میں اسے کو بڑا بہادر سمجھ رہی تھی؟ ــــ میری اس وقت کی بے قراری اگر انصار نے دیکھ لی تو ان کے دل پر کیا بیتے گی؟

عذرا کے دل پر جو گزری سو گزری مگر اس نے بظاہر بڑے حوصلے سے انصار کی قید کا حکم سنا۔ ریاض اور انصار عذرا کی ہمت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

انصار کی گرفتاری کے ہفتے بھر بعد ہی سے عذرا نے آزادی کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور پوری مستعدی اور تندہی سے اُسے انجام دے رہی تھی ریاض سے اُس نے کہہ دیا تھا کہ میں آزادی کی ادارت کا کام نہیں رہ کر دوں گی مجھے کوئی اس سے روکے نہیں ورنہ سخت صدمہ ہوگا۔

جب محمد احسان نے انصار کی گرفتاری کی خبر سُنی تو انھیں بہت غصہ آیا" اس نالائق لڑکے کو کتنا سمجھایا کہ یہ زمانہ ٹھیک نہیں اپنا ذاتی اخبار نہ نکالو۔ اور اگر اخبار ہی میں کام کرنا ہے تو کسی انگریزی اخبار کے دفتر میں نوکری کر لو مگر ضد تھی تو یہی کہ نہیں اپنا اخبار نکالوں گا پھر بار بار لکھتا رہا کہ سوچ سمجھ کر کام کرنا ورنہ جیل جانے کی ہوا کھانی پڑے گی لیکن اس کی بھی پرواہ کی۔ اب پڑے دو سال تک قید میں سڑیں گے ریاض نے غریب لڑکی کی زندگی برباد کر دی۔ مگر جب کیسا اچھا لڑکا تھا اس کا پیام

فرخ۔ (میاں سے) صدمہ سے اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں، پھر میں کیسے اسے اکیلا چھوڑ سکتی ہوں۔ تم جاؤ جا کر بچوں کو اور میرا سامان یہاں بھیج دو۔ جب تک بھائی جان آئیں میں اس کے پاس رہوں گی۔

عذرا۔ (خشک ہنسی ہنس کر) میرا دماغی توازن کبھی اتنا ٹھیک نہ تھا جتنا آج ہے بلکہ مجھے تو

یہ کہہ کر عذرا خاموش ہو گئی۔ نسیم یہ کہہ کر کہ "میں جاتا ہوں ریاض بھائی کو تار دوں گا۔ دفتر کا وقت بھی ہو رہا ہے" موٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے یہاں زیادہ دیر ٹھیرنا انھیں خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

تار ملتے ہی ریاض اور ہاجرہ الہ آباد روانہ ہو گئے۔ ریاض نے بہن کو اکیلے گھر میں بیٹھے دیکھا تو ان کے دل پر چوٹ لگی۔ عذرا کو گلے سے لگا کر وہ آبدیدہ ہو گئے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ عذرا کی آنکھیں خشک ہیں اور لبوں پر مسکراہٹ تو انھوں نے بھی اپنی طبیعت کو سنبھالا اور بہن سے سب حالات مفصل دریافت کئے۔ عذرا نے انھیں سب مفصل سنایا اور یہ بتایا کہ وہ منع کر گئے ہیں کہ وکیل کرنے کی یا ضمانت کرانے کی کوشش نہ کی جائے۔ فرخ نے الگ بھائی کو وہ سب باتیں سنائیں جو اس میں اور عذرا میں ہوئی تھیں ریاض بہن کی جوانمردی کا حال سن کر عش عش کر اٹھے۔

بیس دن بعد انصار کا مقدمہ ہوا انصار نے نہ تو معافی مانگی نہ صفائی پیش کی۔ ہاں ایک بیان ضرور دیا جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ اس نے جو کچھ لکھا حق کی خاطر اور بالکل ٹھیک لکھا تھا۔ اور اس کے لئے وہ ہر سزا اٹھانے کو تیار ہے۔ انصار کو دو سال کی قید سخت کا حکم سنایا گیا۔ مقدمہ کے

فرخ۔ عذرا تجھے کیا ہوگیا ہے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے تم جاؤ جی
ابھی کوئی وکیل ٹھیک کرلو۔

عذرا۔ (ناراضگی سے) جی نہیں۔ وہ اس پر بہت ناراض ہوں گے
آپ خواہ مخواہ دوسروں کے معاملے میں دخل مت دیجئے۔

فرخ (عذرا کا منھ دیکھ کر چپ ہو جاتی ہے پھر مڑ کر میاں سے) تم
جا کر بھائی جان کو تار دے دو۔ وہی آکر اسے سمجھا سکتے ہیں۔ یہ ہمارے
بس کی نہیں ہے۔

نسیم۔ اچھا۔

فرخ۔ (بہن کو گلے سے لگا کر) عذرا، میری بہن تو روتی کیوں نہیں
تیرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

عذرا۔ میرا کلیجہ اتنا کمزور نہیں۔

فرخ۔ اچھا چل میرے ساتھ چل وہاں بچے یاد کر رہے ہیں۔

عذرا۔ آپا جی میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہیں رہوں گی۔

فرخ۔ (آنکھیں پھیلا کر) یہیں رہو گی؟ اکیلی؟

عذرا۔ جب قسمت میں اکیلے رہنا لکھا ہے تو اکیلی ہی رہوں گی۔

فرخ۔ کیا بک رہی ہو؟ غیر شہر، اجنبی لوگوں میں اکیلے کیسے رہ سکتی ہو۔

عذرا۔ جیسے بھی ہو میں یہیں رہوں گی۔ کہیں نہیں جاؤں گی۔ ابھی تو
ان کا مقدمہ ہوگا۔ پھر نہ جانے وہ کہاں بھیج دیئے جائیں۔ پھر بھی
مجھے یہیں رہنا ہے۔

فرخ۔ آخر یہاں رہ کر کرو گی کیا؟ فائدہ؟

عذرا۔ یہ تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔

رہا کرالیں گے۔

عذرا۔ دولھا بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مگراں کے لئے کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔

نسیم۔ (حیراں ہوکر) بغیر وکیل کے کیسے کام چلے گا؟

عذرا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ نہ مقدمہ کی پیروی کرتے ہیں نہ صفائی پیش کرتے ہیں۔

فرخ۔ لیکن انصار کے لئے ایسا نہ ہوگا۔ اس کے لئے وکیل ضرور کیا جائے گا۔ خدا ان پولیس والوں کو غارت کرے کہ ایسے نیک اور شریف لوگوں کو بھی قید کرلیتے ہیں۔ ہائے کیسی شرم کی بات ہے کہ ہمارا بھائی جیل میں جائے!!

عذرا۔ (تلخی سے) باجی یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ یہ شرم کی نہیں فخر کی بات ہے وہ کوئی چوری ڈکیتی یا قتل غارت کے جرم میں جیل نہیں گئے۔ ملک کی خدمت کرتے ہوئے آزادی کی خاطر گئے ہیں یہ تو ہمارے آپ کے سب کے لئے فخر کی بات ہے نہ کہ شرم کی اور رونے دھونے کی۔

نسیم۔ بہرحال انصار کے لئے وکیل تو کرنا ہی ہوگا۔ میں تو اس معاملہ میں زیادہ دخل نہیں دے سکتا۔ ریاض بھائی آجائیں تو ضمانت کی کوشش کی جائے۔

عذرا۔ (مضبوطی سے) دولھا بھائی آپ فکر نہ کریں اور اطمینان سے گھر واپس جائیں۔ اس کے لئے نہ وکیل کرنے کی ضرورت ہے نہ ضمانت داخل کرنے کی اور نہ بھائی جان کو تار دینے کی۔ اخبار میں پڑھ کر سب سمجھیں گے تو وہ خود ہی آجائیں گے۔

ابا بھائی پیارا ہے اگر مجھے چاہتے ہو تو خواہ کچھ بھی ہو انصار کو رہا کراؤ۔ نسیم بیچارے سرکاری نوکر۔ سرکار انگریزی کے وہ بہی خیرخواہ۔ اس زمانے میں یونہی اپنی نوکری اور عزت کی خیر مناتے رہتے تھے۔ اب کیا کریں؟ ایک طرف افسران کی خوشنودی اور نوکری کا خیال، دوسری طرف عزیزداری، بیوی کی ضد، اور عذرا کی محبت جسے وہ اپنی بہن سے زیادہ چاہتے تھے ہرحال مجبوراً انھوں نے موٹر نکلوائی اور بیوی کو تسلی دلاسا دے کر اس میں بٹھا کر عذرا کے گھر روانہ ہوئے۔

فرح کو اُترتے دیکھ کر حمو اور بڑی بی نے زور زور سے رونا شروع کر دیا فرح بہن کو ڈھونڈھتی ہوئی اس کے سونے کے کمرے کی طرف آئی۔ دیکھا عذرا ہاتھ میں قرآن مجید لئے بیٹھی تلاوت کر رہی ہے فرح جا کر بہن سے لپٹ گئی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ عذرا نے ہاتھ بڑھا کر کلام مجید میز پر رکھ دیا اور پھر اُسی طرح چپ چاپ بیٹھ گئی اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

فرح۔ ہائے میرا بھائی اور جیل جانے ہیں۔ ارے میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے عذرا تم ایسا جی بھاری نہ کرو۔ اللہ نے چاہا انصار دو چار دن میں تمہارے پاس ہوں گے۔

عذرا۔ (آہستہ آواز سے) ناحق کیوں رو رو کر ہلکان ہوتی ہو۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔

فرح۔ (حیرت سے بہن کو دیکھ کر) عذرا تو باؤلی تو نہیں ہو گئی۔ یہ خوشی کی بات ہے؟

نسیم۔ عذرا بہن تم ذرا پریشان نہ ہو۔ میں ابھی ریاض بھائی کو تار دیتا ہوں۔ ہم انصار کے لئے بہترین وکیل کریں گے اور ضمانت پر

چونتیسواں باب

فرخ نے جیسے ہی یہ خبر سنی کہ انصار گرفتار کر لئے گئے ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ خوب روئی۔ بچوں نے آ کر کچھ کہا تو انھیں پیٹ ڈالا میاں سامنے آئے تو رو رو کر ان سے اصرار کرنا شروع کیا کہ تم فوراً دوڑ دھوپ شروع کر دو اور کسی نہ کسی طرح انصار کو رہا کراؤ۔ ہائے میری بہن کا کیا حال ہوگا۔ رو رو کر اس نے اپنی جان ہلکان کر رکھی ہوگی تم مجھے ابھی وہاں لے کر چلو۔

نسیم جب سے الٰہ آباد بدل کر آئے تھے یوں ہی ڈرتے رہتے تھے کہ سرکار کو یہ معلوم ہو گیا کہ "آزادی" کا اڈیٹر میرا عزیز ہے تو کیا ہوگا۔ اب انصار کی گرفتاری کی خبر سنی تو بہت پریشان ہوئے۔ دوسرے آئے حواس بیوی نے گم کر دئے نسیم کو لیت و لعل کرتے دیکھ کر فرخ کو اور بھی غصہ آیا۔ اور اس نے میاں کو یہ طعنہ بھی دے دیا کہ تمہیں اپنی نوکری پیاری ہوگی مگر مجھے

آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ چند لمحے تک عذرا انصار کے دھڑکتے ہوئے دل پر اپنا سر رکھے کھڑی رہی۔ پھر انصار نے اس کا چہرہ اپنی طرف اٹھایا اس کے کندھوں پر دونوں ہاتھوں سے زور دے کر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: "تمہیں ہماری قسم ـــ رونا نہیں۔"

عذرا کی آنکھیں دو بھرے ہوئے جام تھے جو چھلکے پڑتے تھے اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد جواب دیا: "نہیں روؤں گی نہیں ـ یہ میرے لئے رونے کی نہیں فخر کی بات ہے۔"

انصار باہر آئے۔ آہستہ آہستہ مجمع بڑھ رہا تھا۔ انھوں نے ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر مختصر سی تقریر کی جس میں لوگوں کی محبت اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کر کے ان سے پُرامن رہنے کی درخواست کی۔ انسپکٹر گھبرا رہا تھا۔ انصار نے دونوں ہاتھوں سے مجمع کو سلام کیا۔ بڑی بی، رحمو اور جالسا ماں کو جو باہر کھڑے زار و قطار رو رہے تھے تسلی دی۔ موٹر میں بیٹھ کر انھوں نے جھک کر ایک نظر کمرے کے دروازے پر ڈالی جہاں چق کے پیچھے عذرا بے حس و حرکت اور تنہا کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ انصار نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ سلام کے لئے اٹھایا۔ موٹر مجمع کو چیرتی ہوئی تیزی سے روانہ ہوگئی۔

میر پوش پر گرگئی۔ توس پر مکھن لگا کر انصار کو دیا۔
انصار۔ تم نے اپنی چائے کیوں نہیں بنائی۔
عذرا۔ میں بعد میں پی لوں گی۔
انصار۔ جی ہاں۔ بعد میں تو تم ضرور ناشتہ کرو گی (اپنی پیالی اس کے ہونٹوں سے لگا کر) لو اسی میں سے پیتی جاؤ (پھر توس کا ایک ٹکڑا منہ کے قریب لا کر) لو یہ بھی تو کھاؤ۔
عذرا۔ (بمشکل) اس وقت میرے گلے سے کوئی چیز نہیں اترتی۔
انصار۔ عذرا پھر جانے کب یہ موقع نصیب ہو کہ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں
عذرا نے انصار کی طرف دیکھا اور چائے کے گھونٹ کے ساتھ آنسوؤں کو بھی پی گئی۔
انصار۔ ریاض بھائی کو تار دے کر بلا لیا۔ دیکھو میرے لئے وکیل کرنے یا ضمانت داخل کرنے کی کوئی کوشش نہ کرے۔
عذرا۔ نہیں ایسا نہ ہوگا۔
انصار کی گرفتاری کی خبر پھیلی تو کوٹھی کے احاطے کے اندر اور سڑک پر لوگوں کا مجمع اکٹھا ہونا شروع ہو گیا۔ وہ اس تھوڑے ہی عرصے میں عوام میں مقبول ہو گئے تھے۔
انصار نے ناشتہ ختم کیا اور ہاتھ دھو کر عذرا کے پاس رخصت کے لئے آئے۔ عذرا کے لب کانپ رہے تھے اور ساتھ ہی سارا جسم بھی لیکن اس کے چہرے پر استقلال اور آنکھوں سے آہنی عزم برس رہا تھا۔ عذرا نے آگے بڑھ کر انصار کے دونوں ہاتھ اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں میں پکڑ لئے۔ انصار نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کی

بغیر کسی کی محتاجی کے خود پیدا کرلو گی۔ بولو منظور ہے ؟
عذرا خاموش کھڑی انصار کی باتیں سُن رہی تھی اور سوچ رہی تھی اسے اپنے اپنا سیر الفضار کے سائے پر رکھ دیا اور کا میں آواز میں بولی اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو یہی سہی ۔ میں اس کام کو کرنے کی کوشش کروں گی ۔ عذرا تیری مدد کرے اور تمہاری توقعات پوری ہوں اگر نہ ہوسکا تو مجھے الزام نہ دینا ۔ نہ جانے تمہاری اس مرتبہ کی جدائی میرے دل و دماغ کو صحیح رہنے بھی دے گی یا نہیں ۔ بہر حال تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں وہی مجھے طاقت دینے والا ہے اور وہی دوبارہ ہمیں ملائے گا ۔" عذرا کی آواز گلوگیر ہو گئی ۔ انصار کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اس نے آنسوؤں کو پی کر بے پروائی کے طرز میں کہا عذرا اٹھو جلدی سے میرا سامان تو رکھ دو ۔ انسپکٹر باہر کھڑا پیچ و تاب کھا رہا ہو گا ۔"
عذرا جلدی جلدی الماریوں اور ٹرنکوں میں سے انصار کے کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں اور کتابیں وغیرہ نکالنے لگی گھبراہٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے انصار وہ سامان لے لے کر اپنے سوٹ کیس میں بھرنے لگے ۔ باہر سے رحمو نے آکر کہا "میاں وہ کم بخت داروغہ جلدی مچا رہا ہے ۔" انصار نے کہا "ہاں ہاں ٹھیک تو ہے بہت دیر ہو گئی ۔"
عذرا ۔ تھوڑا سا ناشتہ تو کرلو ۔
انصار ۔ بہت دیر ہو جائے گی اس وقت رہنے دو ۔
عذرا ۔ بغیر منہ تو میں ہرگز نہ جانے دوں گی ۔ جاؤ رحمو انسپکٹر سے میری طرف سے کہہ دو کہ آپ پانچ منٹ اور انتظار کرلیں تو مہربانی ہو گی ۔ رحمو باہر چلا گیا ۔ عذرا نے کانپتے ہاتھوں سے چائے بنائی ۔ بہت سی چائے

عذرا کا سر جھک گیا اور وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئی۔ الصار نے محبت بھرے لہجے میں کہنا شروع کیا "جیل جانے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت میرا کام سنبھال لو۔ خدا جانے مجھے کتنے عرصے جیل میں رہنا پڑے۔ اس عرصے میں اگر "آزادی" بند ہو گیا تو دوبارہ اُسے نئے سرے سے جاری کرنا ہو گا اور نہیں کہا جا سکتا کہ پھر اسے وہ مقبولیت حاصل ہو سکے گی یا نہیں جواب ہے ــــ میری خواہش یہ ہے کہ تم "آزادی" کی ادارت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لو۔ "آزادی" کا سارا عملہ شریف اور دیانت دار ہے اور تم اس پر پورا اعتماد کر سکتی ہو۔ البتہ صرف اس کی ضرورت ہو گی کہ کوئی چیف اڈیٹر کے فرائض سنبھال لے باقی کام وہ لوگ خود کر لیں گے۔ میں اس کے متعلق اسسٹنٹ سے بات بھی کر چکا ہوں ــــ اس طرح تم اپنے ملک اور اپنی قوم کی خدمت بھی کر سکو گی اور میری بھی ــــ اور جدائی کا یہ زمانہ ایک مقصد کے تحت کام کرنے سے نسبتاً کم کٹھن معلوم ہو گا۔"

عذرا الصار میں اتنے بڑے کام کی ذمہ داری کے قابل نہیں۔

الصار۔ عذرا پیاری مجھے یقین ہے کہ تم اس کام کو پوری ذمہ داری اور خوبی سے کر سکو گی۔ اگر میں تم میں اس کی صلاحیت نہ دیکھتا تو تم سے کہتا ہی کیوں؟ مجھے کتنی خوشی ہو گی کہ میری بیوی نے میرے بعد میرے کام کو سنبھالا۔ کتنا فخر ہو گا کہ میری عذرا اتنے بڑے اخبار کی ادارت کر رہی ہے۔ یہ میرے لئے ہی نہیں تمہارے سارے جاہل ملک کی مسلمان عورتوں کے لئے باعث فخر ہو گا۔ اس ذریعہ سے نہ صرف تم اپنے ملک اور قوم کی خدمت کر سکو گی بلکہ اپنی ذرّی بھی

عذرا۔ کیا کہہ رہی ہوں؟ وہی جو مجھے کہنا چاہئے۔ جو میرا فرض ہے۔ کیا تمہارے نزدیک مادرِ وطن کی خدمت اور اس کی آزادی کے لئے قربانی کرنے کا حق صرف مردوں ہی کو حاصل ہے۔ ہم اس حق سے بھی محروم ہیں؟ تم تو عورتوں کی آزادی اور مساوات کے بڑے حامی بنتے ہو۔ پھر جس راستے کو تم خود سچا اور سیدھا سمجھتے ہو اس پہ چلنے سے مجھے کیوں روکو؟ میں نے اب تک اپنے دل کی حالت چھپائی اور ایسے جذبات کو کچلا لیکن اب ۔۔ اب ۔۔ جب تم ۔۔ میرے سرتاج ۔۔ میرے رفیق ۔۔ میری جان ۔۔۔ خود مجھے چھوڑ کر چلے جا رہے ہو تو اب مجھے کسی کی پروا نہیں ۔۔۔ میں ان سب بندھنوں کو توڑ ڈالوں گی۔ میرا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔

جوش سے عذرا کا چہرہ تمتا رہا تھا۔ انصار نے اس کو کرسی پر بٹھایا اور مسکرا کر اس کا جوش دھیما کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا" اس قدر جوش میں نہ آؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکتا۔ نہ تمہاری آزادی میں مخل ہوتا ہے مگر ذرا میری بات بھی تو سنو۔ میں تم پہ جبر کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ تمہارا سیاسیات میں پڑنا اور جیل جانا کسی طرح ٹھیک نہیں"

عذرا۔ آخر کیوں؟

انصار۔ دروازہ پر سواری تیار کھڑی ہے بحث مباحثہ کا وقت نہیں لیکن میں صاف صاف اپنی رائے تمہیں بتائے دے رہا ہوں کہ میں ہرگز تمہارے لئے یہ بات مناسب نہیں سمجھتا۔ خاص طور پر اس لئے کہ تم آج کل دوسرے حال سے ہو۔ تمہیں میری اور ۔۔۔ ہونے والے بچے کی خاطر اس ارادے سے باز آجانا چاہئے۔

سنائی ہوئی ہے۔ وہ جیل چلے گئے تو اس کی بہو کے دل پر کیا بیتے گی
خدایہ تو سوچ در وعہ جی ؟
رحمو کا آخری حملہ سن کر انسپکٹر کا درشت چہرہ نرم پڑ گیا اس نے
رحمو کو ہٹا کر نرمی سے کہا" بڑے میاں ہم مجبور ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔
مسٹر الصار سیاسی قیدی ہیں۔"
عذرا میز کا سہارا لئے ساکت کھڑی تھی۔ آنکھیں معمول سے زیادہ پھیلی
ہوئی اور رنگ زرد۔ الصار نے جا کر محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا "میری جان ذرا
ہمت باندھو۔ دیکھو انسپکٹر جلدی کر رہا ہے میرے کپڑے دوپٹے تو رکھ دو۔"
عذرا۔ تم چلے جاؤ گے مجھے چھوڑ کر۔ کیا یہ مصیبت کسی طرح نہیں ٹل سکتی۔
الصار۔ یہ مصیبت صرف اس طرح ٹل سکتی ہے کہ میں معافی مانگ کر
ضمانت داخل کردوں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے اپنی زبان بند کرلوں اپنے ضمیر
کو اور اپنے اخبار کی آزادی کو فروخت کردوں۔ کیا تم پسند کرتی ہو کہ تمہارا
الصار ایسی ذلیل حرکت کرے اور اپنے ہم چشموں کے سامنے، خدا کے
سامنے اور خود اپنے ضمیر کے سامنے ذلیل ہو ۔ ؟
عذرا۔ (کانپتے لہجے میں) نہیں نہیں۔ میں پریشانی میں نہ جانے کیا بک گئی
میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ کہ تم ضمانت دے کر یا معافی مانگ کر قید کی
مصیبت سے چھوٹ جاؤ۔ یہ تو بہت بڑا اعزاز ہے۔ جسے خدا نے
خدمت کا اور قربانی کرنے کا موقع دیا وہ کیوں نہ کرے۔ تم جیل جاتے
ہو۔ بڑی خوشی سے سدھارو۔ مگر اس کی اجازت دیتے جاؤ کہ تمہاری
عذرا بھی تمہارے پیچھے پیچھے وہاں آجائے
الصار۔ عذرا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو ؟

سپاہی کی بیوی کو بہادر ہونا چاہئیے۔ میں انسپکٹر سے مل کر ابھی آیا۔"
باہر برامدے میں انسپکٹر پولیس اور کئی سپاہی سنگینیں چڑھائے تیوری
پر بل ڈالے کھڑے ہوئے تھے۔ برساتی میں پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔
انصار کو دیکھ کر انسپکٹر نے تیزی سے کہا "مسٹر انصار میں آپ کو گرفتار کرتا
ہوں۔ یہ آپ کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔"
انصار۔ (ملائمت سے) کس بناپر۔
انسپکٹر۔ آج کے "آزادی" کے آرٹیکل کی بنا پر۔
انصار۔ آپ چند منٹ بیٹھئے میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔
انسپکٹر۔ ذرا جلدی کیجئے مجھے اور بھی کام ہیں۔
انصار۔ میں اپنا ضروری سامان رکھ لوں اور اپنی بیوی سے رخصت
ہو لوں ابھی دس منٹ میں آجاؤں گا۔
انصار اندر چلے گئے رحمو روتا ہوا آیا اور انسپکٹر کے پاؤں پکڑ لئے
بڈھا سا ماں ایک طرف چپ چاپ کھڑا تھا۔
انسپکٹر نے ترشی سے کہا "کیا کرتا ہے؟"
رحمو۔ بڑے صاحب اللہ تمہیں اور زیادہ درجے دے میرے میاں کو چھوڑ دو
تم جو کہو ہم تمہاری خدمت کرنے کو تیار ہیں۔ سوا دو سو تین سو جتنے روپے کہو
ابھی لادوں۔ پر میرے میاں کو نہ پکڑو۔
انسپکٹر۔ بڈھے کیا بکتا ہے۔ ہمیں رشوت دیا چاہتا ہے؟
رحمو۔ (ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے) تھالے دار جی حضور میں نے مالک کو
بیٹے کی طرح پالا ہے۔ وہ قید میں چلے گئے تو میں سر پھوڑ کر مر جاؤں گا۔
تم رحم دل آدمی ہو کچھ تو ترس کھاؤ۔ ابھی چھ مہینے ہوئے ان کی

فوراً اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اب [illegible]

ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ اٹھا یا [illegible]

کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں [illegible]

"بھوچی وہ ڈرا آئی ہے" یہ کہتے کہتے وہ [illegible]

صدرا کا دل ایک بار کی لرزنے لگا [illegible] اسے محسوس ہوا کہ

اب ہمیشہ سے سد ہو جائے گا۔ اس نے کرسی سے اٹھنا چاہا تو ایسا لگا کہ

جسم میں سکت نہیں رہی اسی وقت انصار مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل

ہوئے مگر صدرا کی حالت اور رحمو کو روتا دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

انصار۔ کیوں رحمو کیا بات ہے ؟

رحمو ۔ میاں ۔ میاں۔ (ہچکیاں لینے لگا)

انصار (تیز لہجے میں) بکتے کیوں نہیں کیا ہے میاں میاں کیا لگا رکھی ہے۔

رحمو ۔ میاں ۔ پولس والے تمہیں پکڑنے آئے ہیں۔

[illegible] کر نظر

مسعید چہرے اور وحشت زدہ آنکھوں پر مٹی

اوہ ۔۔۔ میری صدرا ۔ میری جان ۔

جائے گی ۔ سال دو سال سے کم

ان کو سمجھ بھی سکے گی ؟ میں جیل سے

گا ؟

کر

مگر اس قسم کے

آئے گئے۔

ہاؤ ان لوگوں سے

صدرا کی طرف دیکھا

ا ہمت سے کام لو۔

الصار۔ کیوں طبیعت کیسی ہے ؟
عذرا۔ ہاں کیسی ہو رہی ہے۔ تم نے مجھے آرٹیکل دکھایا کیوں نہیں بہت سخت تو نہیں لکھا ؟
الصار۔ (ہنس کر) اچھا یہ بات ہے میں بھی سوچ رہا تھا کہ آج عذرا کو مجھ پر اس قدر محبت کیوں آرہی ہے۔ میری جان تم بالکل فکر نہ کرو میں نے جو کچھ لکھا نرم الفاظ میں اور پہلو بچا کر لکھا ہے۔
عذرا۔ مجھے یقین نہیں۔ تم جوش میں بہک جاتے ہو۔ پھر کسانوں کے بارے میں جو بات بھی کہی جائے، خواہ کیسے ہی نرم الفاظ میں ہو، حکومت اس سے بھڑک جاتی ہے
الصار۔ میری عذرا اور ایسی ڈرپوک چھوڑو اس فکر کو آؤ سونے چلیں۔
عذرا نے اپنا ایک ہاتھ الصار کے کندھے پر رکھا تو الصار نے محسوس کیا کہ اس میں رعشہ ہے۔ اس نے عذرا کا ہاتھ دبایا اور دونوں پہلو بہ پہلو آہستہ خرامی کے ساتھ باغ سے اوپر چھت پر چلے گئے جہاں ان کے بستر بچھے تھے
حسب عادت عذرا صبح بہت سویرے بیدار ہوئی معمولات سے فارغ ہو کر اس نے ناشتہ تیار کرایا اور الصار کو بلانے آئی تو دیکھا وہ ابھی تک پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ عذرا نے مشکل سے اسے سوتے سے جگایا الصار نے آنکھیں ملتے ہوئے عذرا سے کہا تم چلو میں ابھی پانچ منٹ میں منہ دھو کر آتا ہوں۔
عذرا کھانے کے کمرے میں میز پر ناشتہ لگائے "آزادی" کا آج کا پرچہ لئے بیٹھی تھی اور الصار کا مضمون پڑھ رہی تھی کہ بڑے دروازے کار کے ہارن کی اور ساتھ ہی بھاری قدموں کی آواز اس کے کان میں آئی۔

دفعتاً اس کے دل میں خیال آیا کہ پولیس انصار کو گرفتار کرنے آئی ہے۔ اخبار ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی کہ سامنے سے رحمو آتا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُس نے آکر کانپتی ہوئی آواز میں کہا "بھوجی دوڑ آئی ہے" یہ کہتے کہتے وہ رو پڑا۔

عذرا کا دل یک بارگی اتنے زور سے دھڑکنے لگا کہ اسے محسوس ہوا کہ اب پھٹ سے بند ہو جائے گا۔ اس نے کرسی سے اٹھنا چاہا تو ایسا لگا کہ جسم میں سکت نہیں رہی اسی وقت انصار مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے مگر عذرا کی حالت اور رحمو کو روتا دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

انصار۔ کیوں رحمو کیا بات ہے ؟

رحمو۔ میاں۔ میاں (ہچکیاں لینے لگا)

انصار (تیز لہجے میں) کہتے کیوں نہیں کیا ہے میاں میاں کیا بک رہے ہو۔

رحمو۔ میاں۔ پولس والے تمہیں پکڑنے آئے ہیں۔

انصار کی نظر عذرا کے سفید چہرے اور وحشت زدہ آنکھوں پر تھی اور دل اندر سے لے میں ہو رہا تھا آہ ــــ میری عذرا۔ میری جان۔ میری پیاری بیوی مجھ سے چھوٹ جائے گی۔ سال دو سال سے کم کی کیا سزا ہوگی ؟ عذرا میری جدائی کو سہہ بھی سکے گی ؟ میں جیل سے واپس آکر اس سے مل بھی سکوں گا ؟ ــــ چند منٹ تک اس قسم کے خیالات انصار کے دماغ میں گونجتے رہے اور وہ گھبرا سے گئے۔ مگر فوراً ہی انھوں نے اپنے پر قابو پایا اور رحمو سے کہا جاؤ ان لوگوں سے کہو میں ابھی آتا ہوں۔ رحمو باہر گیا۔ انصار نے مسکرا کر عذرا کی طرف دیکھا اور اس کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے اونچی کر کے کہا "عذرا۔ ہمت سے کام لو۔

الصار۔ کیوں طبیعت کیسی ہے ؟
عذرا۔ ہائے کیسی ہو رہی ہے۔ تم نے مجھے آرٹکل دکھایا کیوں نہیں بہت سخت تو نہیں لکھا ؟
الصار۔ (ہنس کر) اچھا یہ بات ہے میں بھی سوچ رہا تھا کہ آج عذرا کو مجھ پر اس قدر محبت کیوں آ رہی ہے۔ میری جان تم بالکل فکر نہ کرو میں نے جو کچھ لکھا نرم الفاظ میں اور پہلو بچا کر لکھا ہے۔
عذرا۔ مجھے یقین نہیں۔ تم جوش میں بہک جاتے ہو۔ پھر کسانوں کے بارے میں جو بات بھی کہی جائے، خواہ کیسے ہی نرم الفاظ میں ہو، حکومت اس سے بھڑک جاتی ہے
الصار۔ میری عذرا اور ایسی ڈرپوک چھوڑو اس فکر کو آؤ سونے چلیں
عذرا نے اپنا ایک ہاتھ الصار کے کندھے پر رکھا تو الصار نے محسوس کیا کہ اس میں رعشہ ہے اس نے عذرا کا ہاتھ دبایا اور دونوں پہلو بہ پہلو آہستہ خرامی کے ساتھ باغ سے اوپر چھت پر چلے گئے جہاں ان کے بستر بچھے تھے
حسب عادت عذرا صبح بہت سویرے بیدار ہوئی معمولات سے فارغ ہو کر اس نے ناشتہ تیار کرایا اور الصار کو بلانے آئی تو دیکھا وہ ابھی تک پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ عذرا نے مشکل سے اسے سوتے سے جگایا الصار نے آنکھیں ملتے ہوئے عذرا سے کہا تم چلو میں ابھی پانچ منٹ میں منھ دھو کر آتا ہوں۔
عذرا کھانے کے کمرے میں میز پر ناشتہ لگائے "آزادی" کا آج کا پرچہ لئے بیٹھی تھی اور الصار کا مضمون پڑھ رہی تھی کہ ٹھیک دروازے کار کے ہارن کی اور ساتھ ہی بھاری قدموں کی آواز اس کے کان میں آئی

چلے گئے۔ اور عذرا کے الہ آباد آنے کے دوسرے دن واپس آئے۔
گاؤں کا دورہ کرنے اور وہاں کی حالت دیکھنے کے بعد انھوں نے ایک زوردار آرٹکل "آزادی" میں کسانوں کے متعلق لکھا جس میں بتایا تھا کہ کسانوں کی مالی حالت کس قدر ابتر ہے اور حکومت اور زمیندار ان غریبوں پر کیسے کیسے ظلم ڈھا رہے ہیں۔ انصار نے یہ آرٹکل عذرا کو دکھایا تو نہیں لیکن اس کا مضمون اسے سنا دیا تھا۔
جولائی کی دوسری تاریخ تھی بارش ہونے کی وجہ سے موسم بہتر ہو گیا تھا اور اس وقت ہوا خاصی خوشگوار تھی رات کے کھانے کے بعد عذرا اور انصار ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باغ کی روشوں پر چہل قدمی کر رہے تھے عذرا انصار سے موجودہ حالات پر بات چیت کر رہی تھی آج کل الہ آباد میں گرفتاریوں کا بہت زور تھا اور وہی موضوع گفتگو تھا۔ انصار دن بھر دفتر میں کام کرتے رہے تھے اور اس وقت تھکن سے چور چاہتے تھے کہ جلد سو رہیں مگر عذرا مسلسل بولے جا رہی تھی۔
انصار۔ عذرا اب چلو سوئیں۔
عذرا۔ آؤ ذرا دیر یہاں بنچ پر بیٹھیں۔ دیکھو وہ درختوں کے پیچھے چاند طلوع ہوتا ہوا کیسا پیارا معلوم ہو رہا ہے
انصار اور عذرا پہلو بہ پہلو بنچ پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد انصار نے پھر کہا "بھئی بڑی دیر ہو گئی اب سونا چاہیئے"
عذرا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ آج ساری رات باتیں کئے جاؤں
انصار۔ کیوں آج نیند نہیں آرہی؟
عذرا۔ بالکل نہیں۔ دل پر وحشت اور گھبراہٹ ہے۔

میں جیل جانا پڑے تو یہ بھی اُسے منظور تھا مگر ایسے کتنے برادری کے خیالات، عزیزوں خصوصاً محمد احسان کی ناراضگی کے خوف، پردے کی سختی اور سماج کی مجبوریوں کی وجہ سے وہ اس امنگ کو سختی سے دبا دیتی تھی۔ وہ انصار کے دل کی کش مکش کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھی وہ جانتی تھی کہ اس وقت میری محبت کی زنجیر اُن کو باندھے ہوئے ہے۔ اسے ہر وقت یہ اندیشہ رہتا کہ نہ جانے انصار کس دن اخبار میں کوئی ایسی بات لکھ دے جس کی پکڑ ہو جائے اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ اس خیال ہی سے وہ لرز جاتی۔ میں اس کے بغیر کیسے زندہ رہوں گی۔ نہیں نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں سارے سماجی سدھن توڑ کر خود بھی جیل چلی جاؤں گی۔ مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ خود آرام سے گھر میں رہوں اور وہ جیل میں چکی پیسیں۔

عذرا اس قسم کے خیالات میں اُلجھی رہتی تھی۔ انصار کچھ کچھ اس کے خیالات کو سمجھ رہے تھے مگر منھ سے کچھ نہیں کہتے تھے اسی زمانے میں دیا ص نے عذرا کو بلایا تو انصار نے اصرار کر کے اسے بھیج دیا تاکہ وہاں جاکر عذرا کی طبیعت بہلے۔ عذرا کے دہلی جانے کے بعد اتفاق سے نسیم کی بدلی بھی الہ آباد کی ہو گئی جس کی عذرا اور فرخ دونوں کو بہت خوشی ہوئی۔

عذرا جانے کو تو دہلی چلی گئی مگر اس کا دل انصار میں پڑا رہتا تھا۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے؟ بیدرہ دن کسی نہ کسی طرح دہلی رہی اور پھر نوکر کے ساتھ الہ آباد چلی آئی۔

انصار کو کسانوں کی تحریک سے خاص دلچسپی تھی انھیں معلوم تھا کہ کسانوں پر کس قدر سختیاں اور ظلم ہو رہے ہیں عذرا کے دہلی جانے سے فائدہ اٹھا کر وہ ہفتے بھر کے لئے آس پاس کے گاؤوں کے دورے پر

بس لیست ڈال کر جیل یاترا کے لئے جا رہے ہوں۔ تو پھر بھلا کیسے انصار کے دل کو سکون نصیب ہو سکتا تھا۔ اس کے دل میں ہر وقت ایک کش مکش رہتی تھی۔ ایک طرف مادرِ وطن کی محبت اور اس کے فرائض تھے۔ دوسری طرف عذرا کا عشق تھا۔ اور انصار ان دونوں کے درمیان تذبذب کی حالت میں لٹک رہے تھے۔

انصار کا طرزِ تحریر بہت سے پُر جوش اور دلگداز ہوتا تھا اور اسی لئے اس کا مقالہ افتتاحیہ بہت پسند کیا جاتا تھا۔ باوجود پہلو بچا کر لکھنے کے کئی مرتبہ حکومت کی طرف سے تنبیہ کی جا چکی تھی۔ مگر انصار سمجھ رہے تھے کہ ہیں زیادہ عرصے تک اپنے ضمیر کا گلا نہ گھونٹ سکوں گا۔

عذرا کو سنہ ۱۹۲ء سے ملک کی آزادی سے دلچسپی پیدا ہو چکی تھی اس نے اس چھوٹی سی عمر میں کئی سال تک کھدر پہنا اور چرخہ کاتا تھا اور اپنی عمر اور سمجھ کے مطابق اس تحریک سے دلچسپی لی تھی مگر آہستہ آہستہ ماحول کے اثر سے اس کا جوش اور ولولہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر بھی دل میں دبی ہوئی چنگاری موجود رہی جواب انصار کی صحبت اور اس نئی تحریک کے شروع ہونے پر بھڑک اُٹھی اور اُسے پھر سے جوش آگیا۔ وہ اپنے گھر کی اور اپنی ضرورت کی زیادہ تر چیزیں سودیشی منگاتی۔ اخبار بینی بہت بڑھ گئی اکثر گھنٹوں دونوں میاں بیوی حالاتِ حاضرہ پر بحث مباحثہ کرتے رہتے۔ بیماری اور شادی کی گرفتاریں پردیں" سد ہو گیا تھا۔ مگر عذرا کا جی چاہتا تھا کہ اسے دوبارہ جاری کرے اور اس میں اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ اس کی دلی آرزو تھی کہ وہ ذاتی طور پر آزادی کی تحریک میں حصہ لے اور کوئی خدمت انجام دے اور اگر اس کی پاداش

اس قسم کے ہزاروں کام تھے جن کے جرم میں لوگ بدیسی حکومت کے ہاتھوں جیل بھیج دیئے جاتے تھے۔

انصار کا اخبار نیا نیا نکلا تھا۔ اس کی جوشیلی طبیعت اور بیباک طرزِ بیاں کی وجہ سے لوگوں کو خطرہ تھا کہ اخبار بند کر دیا جائے گا یا انصار گرفتار ہو جائے گا۔ محمد احسان، ریاض، باجرہ اور عذرا اسے سمجھاتے رہتے تھے کہ زمانہ پُرآشوب ہے ذراسی لغزش سے معاملہ خراب ہو سکتا ہے اس لئے بہت ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا۔ لیکن انصار اپنی طبیعت کو کیا کرتے؟ وہ "آزادی" کا فرض یہ سمجھتے تھے کہ صفائی اور سچائی سے حقیقت کو بیان کرے اور اپنی صحیح اور بے لاگ رائے پیش کرے اس سے خواہ "آزادی" کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہو یا خود انصار کی آزادی خطرے میں پڑے لیکن عذرا کی محبت اس وقت انصار کے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی وہ سوچتے کتنی مشکلوں مصیبتوں اور طویل جُدائی کے بعد خدا نے ہمیں یہ موقع دیا کہ ایک دوسرے کی محبت کا لطف اٹھا کر یکجا راحت کی زندگی بسر کریں۔ ممکن ہے کہ ذرا سے سخت جملے یا معمولی سے ذرا زیادہ پُرجوش انداز بیاں مجھے برسوں کے لئے عذرا سے جُدا کر دے اس لئے وہ مدت سے آزادی کا پرستار اور اس کے لئے ہر ممکن قربانی کے خواہشمند ہونے کے باوجود اس وقت حتی الامکان پہلو بچا کر "آزادی" میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے تھے۔۔۔۔ کہ اگر قید ہو گیا تو عذرا کو کس پر اور کس دل سے چھوڑے گا۔ لیکن گھریلو زندگی کتنی ہی پرسکون اور خوشگوار کیوں نہ ہو جب تک ضمیر کو اطمینان نہ ہو، ملک میں ہلچل مچی ہو۔ ہزاروں آدمی گھر بار چین آرام، بیوی بچوں کی محبت کو

جوس اسی طرح صاف کرتی تا عبائی سے بھی عبدا کو بہت شوق تھا اور انصار کو بھی اس سے دلچسپی تھی دونوں فرصت کے وقت باغ میں چلے جاتے اور اپنے ہاتھ سے پھولوں کے پودے اور ترکاریاں لگاتے اور کیاریوں کی رائی وغیرہ کرتے مشکل اور بڑے کاموں کے لئے انھوں نے تھوڑی سی تنخواہ پر ایک مالی ٹھیک کرلیا تھا جو تیسرے چوتھے دن آکر کام کرجاتا تھا

"آزادی" چند مہینے کے اندر اندر ملک بھر میں مقبول ہوگیا اور اس کی اشاعت توقع سے زیادہ ہونے لگی۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے ایسی سول نافرمانی کی تحریک نمک کا قانون توڑنے کی صورت میں شروع کردی تھی۔ ۱۹۲۱ء کے بعد سے جو جمود طاری ہوگیا تھا اسے اس نئی تحریک نے دور کردیا تھا۔ ملک میں اس سرے سے اس سرے تک ایک نئی ہل چل، جوش اور زندگی پھیلی ہوئی تھی۔ اور اب پھر سارا ملک جوش اور ولولے کے ساتھ تحریک آزادی کے لئے جان کی بازی لگائے پر تلا ہوا تھا۔ گاندھی جی اور دوسرے معتدد لیڈر جلد ہی گرفتار کرلئے گئے۔ مگر اس تحریک کا زور کم نہیں ہوا بلکہ اور بڑھ گیا تھا۔ ہزاروں آدمی جیل جارہے تھے۔ مردوں کے دوش بدوش عورتیں بھی تحریک آزادی میں برابر حصّہ لے رہی تھیں۔ سول نافرمانی کی کوئی ایک صورت نہ تھی۔ نمک سازی تو شروع میں چند لوگوں نے کی تھی۔ اب تو مختلف طریقوں سے سول نافرمانی کی جارہی تھی۔ سیاسی جلسے منعقد کرنا اس میں تقریریں کرنا، خلاف قانون قرار دئے ہوئے جلسوں میں شرکت کرنا، لگان دینے سے انکار کردینا کسانوں کی تحریک میں حصّہ لینا، شراب اور بدیسی کپڑے کی دُکانوں پر پکیٹنگ کرنا غرض

اور جب انصار جھلائے ہوئے ہوتے تو عذرا خاموش ہو جاتی۔

شادی سے پہلے بشیر انصار کا اخبار "آزادی" الہ آباد سے نکلنے لگا تھا (بعض وجوہ سے انصار نے اخبار نکالنے کے لئے الہ آباد کا انتخاب کیا تھا) شادی کے کچھ دن بعد انصار عذرا کو بھی یہیں لے آئے۔ شہر سے کچھ باہر ایک چھوٹی سی کوٹھی جس کے ساتھ مختصر سا باغ اور سامنے چھوٹا سا سبزہ زار تھا انصار نے کرائے پر لے لی تھی۔ عذرا کے ہمراہ نعیمہ آئی تھیں۔ وہ اگرچہ اب آنکھوں سے معذور ہو گئی تھیں اور کسی کام کاج کے قابل نہیں رہی تھیں مگر عذرا کی محبت کی وجہ سے وہ اسی کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں۔ عذرا کو بھی ایک بڑی بوڑھی عورت کی موجودگی بہت غنیمت معلوم ہوتی تھی جو اسے گھرداری کے معاملات میں صلاح مشورہ دے سکے۔ عذرا بیچاری کے میکے میں کوئی ایسا تھا نہ سسرال میں کہ شادی کے بعد گھرداری میں جو ابتدائی مشکلات اور دقتیں پیش آتی ہیں ان میں اسے مدد اور مشورہ دیتا یا اس کا ہاتھ بٹاتا اس لئے اس نے اپنے آپ ہی ان سب کو خوش اسلوبی سے جھیلا۔ انصار اپنے پرانے ملازم رحمو اور حبیب الٰہی کے منجھے ہوا ساماں کو بھی کھانا پکانے کے لئے ساتھ لے آئے تھے۔

عذرا نے زیادہ تر اپنے جہیز کے سامان سے اور کچھ بازار سے ضرورت کا سامان خرید کر اپنے گھر کو سادگی، سلیقے اور خوش مذاقی سے آراستہ کیا وہ گھر کی صفائی کا خاص طور پر بہت خیال کرتی تھی۔ روز صبح کو نماز تلاوت اور ناشتے سے فارغ ہو کر وہ رحمو کو ساتھ لیتی اور گھر کے چپہ چپہ کی صفائی کر ڈالتی۔ چونکہ روزانہ باقاعدہ صفائی ہوتی تھی اس لئے اس کا زیادہ وقت اس کام میں صرف نہ ہوتا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں سارے گھر کی ضروری صفائی ہو جاتی۔ ہاں پندرھویں دن تمام سامان باہر نکال کر

تینتیسواں باب

عذرا اور الصار کی شادی کو کچھ مہینے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں نہایت
مسرت اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں دونوں ایک جان دو قالب الصار،
عذرا کی خوبیوں اور کمزوریوں سے پوری طرح واقف اور دونوں کے دل ا
عطا الصار مزاج سے بخوبی آشنا اور اس کا خیال رکھنے والی
گڑنے کا موقع بہت کم رہ جاتا ہے پھر بھی وہ دونوں
جس میں کوئی حس ہی نہ ہو۔ ان میں بھی کبھی کبھی کسی
رنجی ہو جاتی تھی مگر وہ غبار زیادہ دیر تک غبار آلود
عموماً وہ خود دل میں ... (ق میری تھی)
یا نگاہوں کا ... یا آنکھیں چار
بات دل ... غبار کم پڑ جاتے

ورلم لیا اور بہ اصرار ایک پیالی چائے پلائی۔ گیارہ کے عذرا موٹر میں اسٹیشن روانہ ہوئی ___ نصیس اور ہاجرہ اس کے ساتھ تھیں۔ فرخ اور باقی سب لوگ اگلی گاڑی سے روانہ ہونے والے تھے۔ سب بھائی بہنوں، چچا وغیرہ اسٹیشن تک عذرا کو چھوڑنے آئے۔ سیکنڈ کلاس کے ریزروڈ ڈبے میں دلہن اور ساتھ والیوں کو بٹھایا گیا۔ دو بجے دوپہر کو گاڑی اکبرپور پہنچی۔ اسٹیشن سے عذرا کو پالکی میں بٹھا کر حبیب الٰہی صاحب کے شاندار مکان میں جو آج خاص طور پر سجایا گیا تھا لا اتارا۔

انصار نے عذرا کو دیوانِ غالب مصور اڈیشن اور ایک چھوٹا سا ریڈیو سیٹ نذر میں پیش کیا۔

اس پر یہ وقت گزر چکا ہے۔ دورِ ضبط سے ریاض کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔ اُن کے
اصرار سے وہ بہن کے پاس کمرے میں آئے۔ عذرا اری کے بیتی بہا سُرخ و
سنہری جوڑے میں ملبوس گھونگھٹ نکالے سر جھکائے بیٹھی تھی اور محمد احسان
بھتیجی کو گلے لگائے بھرائی آواز میں نصیحتیں کر رہے تھے ۔ عذرا اُن کی
چھاتی سے سر لگائے غور سے اُن کی باتیں بہایت و نصائح کو سُن اور دل
میں رکھ رہی تھی اور آنسوؤں کے شفاف قطرے اس کی آنکھوں سے
بہہ بہہ کر اس کے سرخ ریشمی رومال میں جذب ہو رہے تھے۔ محمد احسان نے
اپنی بات ختم کر کے پیار سے بھتیجی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور جلدی سے باہر
نکل گئے ریاض آہستہ سے عذرا کے پاس آ بیٹھے اور ایک ہاتھ اس کی پیٹھ پر
رکھ کر کہا "پیاری عذرا" عذرا بے قابو ہو گئی اور باوجود ضبط کی کوشش
کے اس کے منہ سے گھٹی ہوئی چیخ نکل گئی ریاض نے بہن کو گلے سے لپٹا لیا اور
ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کو روتا دیکھ کر ناجرہ، سعیدہ، فرح اور صحرا
اور بھی بے تاب ہو کر رونے لگیں۔ ناجرہ کے منہ سے نکلا "اچھی میاں کیسے تیرے
بغیر رہ سکوں گی"۔ یہ سُن کر عذرا کا بھی روتے روتے برا حال ہو گیا اور ریاض
بھی بے قرار ہو گئے۔ انصار بچارے پریشان کھڑے کبھی گھبرا کر ریاض اور
عذرا کو دیکھتے کبھی ناجرہ اور سعیدہ کو۔ جب نہ رہا گیا تو جا کر سعیدہ اور ناجرہ کو
گلے سے لگا کر سمجھانے لگے۔ محمد احسان نے باہر سے آ کر سب کو ڈانٹا کہ یہ کیا
حماقت ہے عذرا کل پرسوں واپس آجائے گی کیوں رو رو کر مری جاتی ہو
ریاض سے کہا میاں تم بھی لڑکیوں کی طرح آنسو بہانے لگے چلو باہر گاڑی
کا وقت نکلا جاتا ہے ریاض بہن کو پیار کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ فرح
نے اندر لے جا کر عذرا کا منہ ہاتھ دھلایا سفر کے لئے ہلکے کپڑے پہنائے

جمع کرتی رہیا تاکہ ضرورت کے وقت کسی کی محتاجگی نہ ہو۔

ریاض نے مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمان القرآن جو ابھی حال ہی میں شائع ہوا تھا بہن کو تحفے میں دیا۔ عذرا کو ہزاروں کے جہیز اور خوبصورت تحفے تحائف میں سب سے زیادہ قابل قدر اور بے بہا تحفہ یہی معلوم ہوا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ انشاء اللہ ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتی رہے گی۔

رخصتی کے وقت کا سماں بڑا دردناک تھا۔ عذرا کے دل کا جو حال تھا اس کا بیان کرنا مشکل ہے جس گھر میں اس نے عمر کی تیئیس چو میں بہاریں گزاری تھیں وہ آج اس سے چھوٹ رہا تھا۔ جان سے زیادہ پیارا بھائی، عاشق زار شادوح، نور بطر بھتیجہ، پیاری بہنیں، شفیق چچا وہ ان سب سے جدا ہو رہی تھی جس گھر میں اس نے آغوش مادر کے شیریں لمحات بسر کئے تھے وہ چھوٹ رہا تھا۔ اور ایک نئی انجان اجنبی اور کٹھن زندگی کی ابتدا ہو رہی تھی اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گھر کے در و دیوار تک جاندار ہیں جو اسے رو رو کر الوداع کہہ رہے ہیں ہاجرہ، فرخ، سیدہ اور صغرا کا روتے روتے برا حال تھا۔ جو بھی عذرا کے پاس آتی اس کے گلے سے لپٹ کر آنسو بہا جاتی۔ ریاض کو عذرا جیسی چہیتی بہن کی جدائی سب سے زیادہ ستاتی تھی۔ آج تیئیس برس بعد وہ اپنی ہم خیال، ہم مذاق، چاہنے والی پیاری بہن کو اپنے سے الگ کر کے دوسرے کو سونپ رہے تھے اگرچہ یہ اطمینان تھا کہ انصار عذرا کا سچا چاہنے والا اور نہایت موزوں ساتھی ہے جو اسے تکلیف نہ ہونے دے گا مگر اپنی بیٹی اور بہن کو جدا کرنا کیسا سخت مرحلہ ہے اسے کچھ وہی لوگ جان سکتے ہیں

یہ چار دن ہوا کی طرح گزر گئے۔ جوری کی ۲۸ تاریخ کو انصار حید دوستوں اور عزیزوں کے ہمراہ اکبر پور سے برات لے کر دہلی آئے۔ یہاں ریاض نے بڑے پیمانے پر دعوت کا انتظام کیا تھا۔ کھانے کے بعد مغرب عشا کے بیچ میں عدرا اور انصار عقد کی مبارک اور مقدس زنجیر میں منسلک کر دیئے گئے۔

عدرا کو جہیز بہت معقول اور موزوں ملا۔ زیور اور کپڑے تو تقریباً اتنے ہی تھے جتنے فرح اور سیدہ کے یعنی تیس جوڑے اور دو دو زیور ہاتھ گلے، کانوں وغیرہ کے۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹے سے گھر کا سادہ، نازک مگر خوبصورت فرنیچر اور گھرداری کا کل سامان جس میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ عدرا ایسا گھبرائے تو ہر ضرورت کی چیز اس کے جہیز میں سے نکل آئے۔ دو شیشے کی الماریاں خوبصورت جلدوں کی کتابوں سے بھری ہوئی تھیں یہ خود عدرا کا شوق تھا۔ اس میں وہ کتابیں بھی تھیں جو اسے انصار ریاض اور محمد احسان نے دی تھیں اور وہ بھی جو اُسے اول آنے کے انعام میں ملی تھیں بہت سی اس کی خریدی ہوئی تھیں اور کچھ وہ تھیں جو رسالے میں ریویو کے لئے آتی تھیں۔ فرح نے بہن کو دو جوڑے اور ہاتھوں کی جڑاؤ چوڑیاں دیں۔ نسیم، سیدہ، اصغر، صغرا یاسمین، شاستی امدادوغیرہ نے مختلف قسم کے تحفے دیئے جن میں ٹی سیٹ اٹیچی کیس، سنگار بکس، رائٹنگ بکس، سلائی کی صندوقچی، انگوٹھی اور لاکٹ وغیرہ سب شامل تھے۔ محمد احسان نے پانسو روپے کی ایک پاس بک عدرا کے نام کھلوائی اور اس کو دے کر کہا کہ اس میں وقتاً فوقتاً روپیہ

انھیں کبھی نہ چھوڑا۔ وہ ہاں ہاں ہی کرتے رہے اور ان لوگوں نے سر سے پاؤں تک اُبٹن میں لت پت کر دیا۔

چاروں تک عذرا ایک چھوٹے سے کمرے میں مَیٹھی رہی، مائن دونوں وقت اُبٹن ملتی۔ بہنیں اور سہیلیاں اُسے گھیرے رہتیں جگہ جگہ سے میوے پھل اور مٹھائیاں آئی تھیں اور کمرے میں الماریاں اور میزیں ان سے بھری پڑی تھیں۔ ساری لڑکیاں اور بچے موقع بے موقع کھاتے رہتے۔ لیکن عذرا کچھ بھی نہ کھاتی۔ سر جھکائے گم سم فکرمند بیٹھی رہتی۔ آج کل اسے ہر وقت ماں کی یاد ستاتی رہتی تھی۔ رات کو ماں کی چیزیں نکال کر دیکھا کرتی ان کے خط پڑھا کرتی۔ بہنیں زیادہ تر تو اپنے کام میں مصروف رہتیں لیکن جب پاس آتیں رونے لگتیں۔ ہاجرہ کا تو یہ حال تھا کہ عذرا کے پاس جاتی تو اس سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگتی۔ اس سے یہ سوچا بھی نہ جاتا تھا کہ عذرا کے بغیر اس گھر میں کیسے رہ سکے گی۔ سیدہ چھوٹی باجی سے الگ الگ رہتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ عذرا کا یہ حال ہے کہ سیدہ کا مُنھ دیکھ کر پھر وہ ضبط نہیں کر سکتی۔ البتہ فرح ذرا سمجھداری سے کام لیتی اور بڑی بوڑھی بن کر سب کو سمجھاتی رہتی تھی۔ دن میں ایک مرتبہ ریاض بھی بہن کے پاس آتے اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کو خوش کرنے کی کوشش کرتے۔ عذرا بھائی کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتی۔ مگر اس خیال سے کہ ان کے دل کو صدمہ نہ ہو بہت مشکل سے اپنے آنسوؤں کو چُپ چاپ پیتی رہتی۔

محمودی بیگم اور اُن کے شوہر نے لکھا کہ تم بڑے آدمی ہو ہم اس قابل
کہاں کہ تمہارے ہاں کی تقریبوں میں شرکت کریں۔ فرحت نے رسمی
طور پر فرصت نہ ہونے کی معذرت لکھ بھیجی۔ حمیدہ خاتون کا جواب
بہت سخت تھا۔ آخر میں لکھا تھا کہ میں تم لوگوں کی طرف سے مر گئی
اور تم لوگ میری طرف سے۔ ہم میں سے کوئی شریک نہ ہوگا۔
ہاں عذرا کے نام کا جوڑا اور زیور جو برسوں سے میرے پاس رکھا
ہے میں بھیج دوں گی۔

سب کو اس کا خط پڑھ کر رنج ہوا۔ فرخ نے کہا اگر انھوں نے
کچھ بھیجا تو ہم ہرگز نہیں لیں گے۔ یہاں کوئی اُن کے جوڑے زیور
کا بھوکا نہیں۔ ہاں محبت کے بھوکے ضرور تھے۔

شادی سے چار دن پہلے لڑکیوں نے اصرار کر کے عذرا کو مایوں
بٹھایا۔ ریاض نے منع بھی کیا کہ ان فضولیات کی کیا ضرورت ہے
مگر ہاجرہ نے کہا آپ کو کوئی مطلب نہیں، ہماری باتوں میں دخل
نہ دیجئے۔ ہمارا جو جی چاہے گا کریں گے۔ ریاض نے کہا عذرا کو
تکلیف ہوگی۔ ہاجرہ بگڑ گئی جائیے ہم تکلیف ہی دینا چاہتے ہیں۔
ہماری بہن ہے آپ کو کیا چنانچہ عذرا کو زرد جوڑا بھی پہنایا گیا
عذرا اور ہاجرہ کی بہت سی سہیلیاں، ملنے والیاں بھی آئیں فرخ
صغرا سیدہ، ہاجرہ، یاسمین، شانتی، اور سب کی سب جمع
تھیں ان سب نے مل کر وہ طوفان بے تمیزی مچایا کہ خدا کی پناہ
آپس میں خوب اُبٹن کھیلا۔ منہ، سر، بال، ریشمی کپڑے سب لت پت
ہوگئے۔ ناصر ریاض، اصغر، نسیم، نسیدہ وغیرہ بیٹھے تھے بعض شریروں نے

فرح۔ اور پھر خود ہمارا جی کیسے گوارا کرے گا کہ بہن کو کچھ نہ دیا جائے ویسے بھی اماں کا سایا ہوا کپڑا اور زیور سبھی کچھ تو موجود ہے۔ اوپر کے سامان کی ضرورت ہے وہ پوری کردی جائے گی۔
عذرا۔ اماں کا سایا ہوا سامان دے دیجئے۔ بس کافی ہے۔
فرح۔ بہن بھئی سیدہ کی شادی بھی یونہی چپ چپاتے ہوگئی اب یہ بھی ایسے ہی ہو جائے میرا تو جی خوش نہ ہو گا۔ بھائی تو کہہ رہی تھیں کہ میں اپنے سارے ارمان نکالوں گی۔
عذرا۔ میں اس معاملے میں آپ لوگوں سے بحث تو نہیں کرسکتی مگر آپ خود ہی سوچئے کہ بچارے بھائی جان پر پہلے ہی کتنے خرچ پڑے ہوئے ہیں۔
پھر بعد سیدہ اور ہاجرہ بھی آگئیں۔ عذرا کی بات کسی نے بھی نہ مانی۔ البتہ ریاض کا یہ مشورہ سب نے پسند کیا کہ بے فائدہ کاٹھ کباڑ اور بہت سے جوڑے رشتوں کے بجائے صرف وہ چیزیں دی جائیں جو روزمرہ کے استعمال کی اور ضرورت کی ہوں اور عذرا سے پسند کرا کے لی جائیں۔

ریاض نے شادی کے کارڈ چھپوا کر سب عزیزوں، دوستوں اور عذرا کی سہیلیوں اور استانیوں وغیرہ کو بھیج دیئے۔
صغرا، اصغر، سیدہ، فرح وغیرہ پہلے ہی آگئے تھے شادی سے دو روز قبل مسز نعیم اور یاسمین بھی آگئیں۔ رضیہ نہیں آئی۔ عزیزوں میں سے اکثر لوگ آئے مگر سگی خالہ اور مہدی بیگم نہیں آئیں

فرح ۔ پہلے تو بچارے کو جب یہ معلوم ہوا کہ عذرا کی شادی عنقریب انصار سے ہونے والی ہے تو بہت رنج کیا۔ کئی دن منھ لپیٹے پڑے رہے۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مگر تھوڑے دن میں یہ کیفیت دور ہو گئی۔ اور ماں بہن کے اصرار پر یاسمین سے شادی کرنے پر تیار ہو گئے۔

عذرا ۔ یاسمین ہر طرح مجھ سے اچھی ہے۔ ہاں رضیہ تو خوش ہے

فرح ۔ بہت خوش ہے۔ میاں کو کان پکڑ کر اٹھاتی بٹھاتی ہے ٹھاٹ سے رہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سال دو سال میں بچارے رشید کا دیوالہ نکال دے گی۔

عذرا ۔ بھابی کب آئیں گی؟

فرح ۔ وہ تو میرے ساتھ ہی آ رہی تھیں مگر انصار بھائی نے روک لیا کہ یہاں کا کام کون کرے گا۔ میں نے کہا کہ میں تو جاتی ہوں یہاں کا انتظام کرنا ہے۔ ابھی سیکڑوں چیزوں کی تکمیل باقی ہے۔ ابھی تک سیدہ آئی نہ بھابی۔ میں اکیلی کیا کیا کروں گی۔

عذرا ۔ (آنکھیں جھکا کر) باجی ایک بات کہوں۔

فرح ۔ ہاں ہاں ضرور۔

عذرا ۔ یہ آخر اس قدر بیکار کی زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے میں نہیں چاہتی کہ بھائی جان کو زیر بار ہو۔

فرح ۔ کیا مطلب؟ جہیز وغیرہ نہ دیا جائے یونہی خالی خولی رخصت کر دیں۔ اے واہ۔ دنیا کیا کہے گی۔

عذرا ۔ دنیا کے کہنے کی پرواہ کیوں کرو۔

میں اس کی جگہ ہوتی تو صاف انکار کر دیتی۔
فرح۔ وہ بیچاری یہ کیسے کر سکتی ہے تمھیں ہمیشہ سے رائے اور خیالات کے ظاہر کرنے کی اور اپنی مرضی کے کام کرنے کی آزادی رہی ہے اور وہ عمر بھر شکنجے میں کسی رہی۔ اُسے کبھی اس کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ یہ کہہ سکے کہ یہ نہیں یہ پہنوں گی یا یہ۔ کھاؤں گی۔ اب اتنی بڑی بات میں وہ کیسے مخالفت کر سکتی ہے۔
عذرا۔ بھلا پھر ہندوستانی لڑکیاں ہسٹریا میں مبتلا نہ ہوں تو کیا ہو جنھیں انسان نہ مانکر رکھا جائے۔ دنیا کی کسی بات میں وہ اپنی رائے اور مرضی کا اظہار نہ کر سکیں۔ ان میں احساس کمتری ضرور پیدا ہوگا اور نتیجہ ہسٹریا نکلے گا۔ اور اس کا علاج ہوتا ہے تعویذ گنڈوں سے۔ خدا جانے ہم لوگوں کے ہاں کی عورتوں کی ذہنیت اور حالت بھی کبھی بدلے گی یا نہیں۔
فرح۔ دکیہ تم سے ملنے کو تڑپ رہی ہے۔
عذرا۔ میرا جی بھی بہت چاہتا ہے۔ مگر بھلا اتنی ہمت کہاں کہ خالہ جان کا سامنا کر سکوں۔
فرح۔ تم نے کچھ اور بھی سُنا؟
عذرا۔ کیا؟
فرح۔ فرحت کا پیام یاسمین سے آیا ہے جسے خالو ابا نے منظور کر لیا ہے اور کیوں نہ کرتے ایسا اچھا لڑکا اور کہاں ملے گا۔
عذرا۔ بہت خوشی کی بات ہے۔ مجھے یاسمین ہمیشہ سے پسند ہے فرحت بھائی اس کے ساتھ بہت خوش رہیں گے۔

بتّیسواں باب

فرح آج ہی اپنے بچوں کو لے کر دہلی آئی تھی۔

عذرا۔ باجی کیا سچ ہے کہ ذکیہ کی شادی جمیل بھائی سے ہو رہی ہے۔

فرح ہاں سچ ہے ہمارے اس کے ہاں ساتھ ساتھ ہی شادی ہو گی۔

عذرا۔ جمیل بھائی کیسے راضی ہو گئے؟

فرح۔ خدا جانے بہرحال وہ تو اب خاصے خوش ہیں البتہ ذکیہ کی حالت نہیں دیکھی جاتی بس کو گو مدلگ گیا ہے بالکل چپ رہتی ہے۔ پڑا نا مرض ہسٹریا پھر عود کر آیا ہے۔ خالہ جان کہتی ہیں کہ شادی کے بعد آپ سے آپ چلا جائے گا۔

عذرا۔ جی بے شک گیا اب تو اس غریب کو ساری عمر ان ماں بیٹے کے پنجے سے نجات نہ مل سکے گی۔ نہ جانے ذکیہ کس قسم کی لڑکی ہے۔

انصار۔ (مسکرا کر) آپ کو کیوں بتائیں۔
ریاض۔ عذرا نے بہت تو نہیں ڈانٹا۔
انصار۔ کچھ نہ پوچھئے پٹتے پٹتے بچا۔
ریاض۔ پٹ بھی جاتے تو کیا حرج تھا۔ آخر سب سے پہلی ملاقات میں بھی تو عذرا نے ٹھوکا تھا۔
انصار۔ (ہنس کر) اوہ اتنے زور سے عذرا نے مارے تھے کہ اب تک اس کا مزا یاد ہے۔
ہاجرہ۔ کب آج؟

سب کے سب ہنس پڑے۔ عذرا ان کی باتیں سن کر شرم سے پسینے پسینے ہوئی جاتی تھی۔ اُسے ان سب پر اور سب سے زیادہ اپنے پر غصہ آرہا تھا کہ آخر میں کیوں ان لوگوں کے ساتھ آئی۔

تھوڑی دیر میں کھانا آگیا۔ چشمے کے کنارے سب لوگوں نے کھانا کھایا۔ پورے وقت عذرا سر جھکائے ہاجرہ کے پہلو میں سکڑی سمٹائی چپ چاپ بیٹھی رہی۔ البتہ انصار خوب باتیں کر رہے تھے۔ دنیا بھر کے لطیفے، قصے مزے لے لے کر بیان ہو رہے تھے اور ان کا قہقہہ سب سے اونچا ہوتا تھا۔ بعض وقت عذرا بھی اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکتی۔

اس میں بھی ذرا سا فرق نہ آئے گا۔ لیکن مجھے تذبذب کی حالت میں نہ رکھو
اگر مرمت کی قسمت یاد رہے تو مجھے کوئی . . . .
عذرا (تیوری پر بل ڈال کر) کیا فضول باتیں کرتے ہیں۔
الصار۔ تو پھر سناتی کیوں نہیں؟
عذرا۔ (پریشان ہو کر) اب بہت دیر ہو گئی چلنا چاہئے۔ معلوم نہیں
بھائی جان وغیرہ کہاں ہیں۔
الصار۔ تم میری بات ٹالو نہیں۔
عذرا۔ مجھے زیادہ نہ ستاؤ ورنہ لڑ پڑوں گی۔
الصار۔ (بے تاب ہو کر) ہائے یہی بے تکلفی کے الفاظ سننے کو تو برسوں
سے تڑپ رہا تھا۔ لو اب سنا بھی دو۔
عذرا۔ تمہاری ضد کی عادت کبھی نہ جائے گی۔
الصار حلو جیرین ضدی ہی سہی۔ مگر تمہیں سنانا پڑے گا۔
عذرا نے الصار کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں اور جو بات اس
کی زبان نہ ادا کر سکی اسے آنکھوں نے صاف صاف بیان کر دیا۔
الصار کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ وہ عذرا کے پاس آئے اور چاہتے
تھے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ایک مرتبہ گلے سے لگالیں کہ وہ
ہرن کی طرح چوکڑی بھر کر دور ہٹ گئی اور چشمے کے پاس جا کر اپنا
ملتا ہوا منہ ٹھنڈے پانی سے دھونے لگی الصار اٹھ ہی رہے تھے کہ
سامنے سے ریاض وغیرہ آتے نظر آئے اور الصار وہیں کے وہیں کھڑے
رہ گئے۔ ریاض نے مسکرا مسکرا کر الصار اور عذرا کی طرف دیکھا اور بولے
"کیوں ہو گئی دونوں میں صلح"

انصار۔ جواب دو گی؟
عذرا۔ کیوں نہیں؟
انصار۔ ڈھائی سال پہلے تم نے ناجرہ سے کہا تھا کہ میں انصار کے پیام کا جواب یورپ سے واپسی پر دوں گی۔ اب میں تم سے خود اپنے پیام کا جواب مانگتا ہوں۔
اب تک عذرا اپنی فطری سادگی سے انصار سے شکوہ شکایت کر رہی تھی اور یہ بھولی ہوئی تھی کہ اس کا اصلی مطلب کیا ہے۔ اب جو انصار نے اپنے پیام کا جواب مانگا تو اسے یاد آگیا۔" تو یہ تو رہیں یا تو سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی یا اب ایسی ایسی باتیں کر ڈالیں ——— بھائی جان دل میں کیا خیال کریں گے۔ ناجرہ کس قدر چھیڑے گی چھوٹے بھائی اور بہن کے سامنے کتنی شرم آئے گی "اس وقت کی گفتگو یاد آکر اس کا چہرہ تمتانے لگا، ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے، دل کی حرکت تیز ہوگئی اور اضطراری حالت میں ریں سے گھاس کی پتیاں نوچ نوچ کر اپنی ہتھیلیوں سے مسلنے لگی۔
انصار عذرا کے بالکل قریب آکھڑے ہوئے اور جھک کر عذرا کا چہرہ دیکھنے لگے ——" عذرا تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟ کیا میں یہ سمجھوں کہ چونکہ میں تمہارے معیار کے مطابق امتحان میں پورا نہیں اترا اس لئے فیل کیا جاتا ہوں "
عذرا اب بھی خاموش تھی۔
انصار۔ اگر کسی وجہ سے تم مجھے ناپسند کرتی ہو تو صاف بلا کسی جھجک کے کہہ دو ــ خدا گواہ ہے مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی تم سے مجھے تو محبت ہے

عذرا۔ خیر جانے دیجئے اب اس کا کیا ذکر۔
الصار۔ تم ایک مرتبہ اپنے منہ سے کہدو کہ تم نے معاف کیا۔
عذرا۔ اگر معافی مانگنی ہے تو پھر دونوں کو مانگنی چاہیئے۔ جو بدگمانی آپ نے
میری طرف سے کی وہی میں نے بھی آپ کی طرف سے کی۔
الصار۔ تو میں یہ سمجھوں کہ تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا۔
عذرا۔ جی ہاں۔
الصار۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں امتحان میں پورا اُترا۔
عذرا۔ (ہلکے سے تبسم کے ساتھ) ایسے زیادہ پورے بھی نہیں اُترے۔
الصار۔ یہ کیوں؟
عذرا۔ کیا رضیہ کو بھول گئے۔ آخر اس پر ریجھ تو گئے تھے یہ اور بات
ہے کہ خود اسی نے چھوڑ دیا۔
الصار۔ تم جو چاہے سزا دو مگر اب بدگمانی نہ کرو۔ بھلا رضیہ کا
اور تمہارا کیا مقابلہ؟
عذرا۔ ہاں ہاں یہی تو میں بھی کہتی ہوں مجھ بیچاری کا اس سے کیا مقابلہ۔
الصار۔ بے شک میرے دل کی رانی کی جگہ رضیہ کیا پرستان کی پری
اور جنت کی حور بھی نہیں لے سکتی۔
عذرا۔ (طنز سے) جی اس میں کیا شبہ ہے۔
الصار۔ عذرا اُف یہ طنز میں برداشت نہیں کر سکتا۔
عذرا۔ میں نے کیا طنز کیا۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔
الصار۔ اچھا خیر جانے دو۔ ایک بات کا جواب دو۔
عذرا۔ کیا؟

خواہ مخواہ بھی اعتراض کئے جاتے ہیں، بے وجہ بھی بدنام کرنے کی کوشش ہوتی ہے — اگر میں آپ کو خط لکھتی تو نہ جانے لوگ کیا کیا باتیں بناتے آپ یہ سب بھول گئے .. عذرا کی طبیعت اور . اور اس کی محبت کو بھول گئے اور رضیہ کی باتوں کا یقین کرلیا جو ہمیشہ سے اس کی مخالف بلکہ دشمن رہی ہے۔

انصار۔ عذرا — میں سخت قصوروار ہوں جو چاہے سزا .

عذرا۔ (درد بھرے لہجے میں) آپ کیا جانیں یہ زمانہ میں نے کیسے گزارا ہر طرف سے اعتراضات، چاروں طرف سے یورش، خالہ جان، اور محمدی چچی میری جان کی لاگو وہ — فرحت بھائی آستین کے سانپ — اور اس پر یہ خبریں کہ آپ نے مجھے بھلا دیا اور رضیہ سے شادی کر رہے ہیں — کس طرح میں نے ان باتوں کو سہا یہ میرا جی ہی جانتا ہے — شرم نے میرے منہ پر مُہر لگا رکھی تھی کہ اُف بھی نہ کروں خودداری کہتی تھی کہ دل میں خیال بھی نہ لاؤں صرف بھائی جان اور ہاجرہ کی محبت، دلسوزی اور اعتماد نے مجھے زندہ رکھا — مجھے ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ ان کے دلوں کو صدمہ نہ پہنچے — خاموشی سے سب کچھ اپنے دل پہ سہا۔ تھی تو ایسی بیماری میں مبتلا ہوئی کہ ہوش حواس تک زائل ہوگئے۔ اور اس حالت میں نہ جانے کیا کیا اول فول سب کے سامنے بکا۔

انصار۔ (بھرائی آواز میں) بس بس عذرا اب مجھ میں زیادہ سننے کی تاب نہیں۔ بے شک تمہیں میری وجہ سے سخت رنج اور تکلیف پہنچی۔ آہ میں کیسا بدنصیب ہوں کہ جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں اسی کو میری وجہ سے یہ سب دُکھ سہنا پڑا۔

اس کے پیچھے پیچھے تھیں۔ اصعر سیدہ اور ہاجرہ چہک رہی تھیں۔ ریاض خوب باتیں کر رہے تھے، اصعر اور سیدہ میں نوک جھونک برابر ہو رہی تھی۔ لیکن عذرا بالکل خاموش تھی۔ انصار بھی گفتگو میں بہت کم حصّہ لے رہے تھے کچھ دور چلنے کے بعد ان لوگوں نے سیدھی سڑک چھوڑ دی اور ایک پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ کوئی خاص رستہ تو تھا نہیں۔ جس کا جس طرف سے جی چاہا چڑھنا شروع کر دیا۔ اصعر اور سیدہ ایک طرف چلے گئے کچھ دیر بعد ریاض اور ہاجرہ کسی دوسری طرف مُڑ گئے۔ عذرا نے دیکھا کہ اب صرف انصار سر جھکائے اُس کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں وہ یہ دیکھ کر گھبرا سی گئی۔ وہ بہت تھک گئی تھی پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے ایک طرف ایک پتلے سے چشمے کی دھار بہتی نظر آئی تو وہ رُخ بدل کر اُدھر جانے لگی انصار نے پوچھا "اُدھر کہاں؟" عذرا نے دھیمی آواز سے "پانی پیوں گی"۔ انصار نے کہا "پیاس تو مجھے بھی بہت لگی ہے"۔ دونوں چشمے کے نزدیک آئے۔ عذرا نے ڈگمگا کے پانی پیا اور دھم سے وہیں پسرے پر بیٹھ گئی۔ انصار بھی پانی پی کر اس کے برابر آ بیٹھے دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے۔

خوش گوار موسم، اوپر چمکتا ہوا آفتاب جس کی کرنیں برف پر عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ سامنے لہراتا ہوا چشمہ، پہاڑی طیور کا درختوں پر چہچہانا اور دور کسی چرواہے کی مسری کی دلکش آواز نے عجب سماں باندھ رکھا تھا۔ انصار گھاس پر نیم دراز ایک کہنی زمین پر ٹکائے اور ہاتھ سے ٹھوڑی کو سہارا دئے بیٹھے تھے اور بار بار عذرا کے چہرے کی طرف دیکھ لیتے تھے عذرا ٹانگیں پھیلائے گردن جھکائے گھاس پر بیٹھی تھی اور اپنے سیاہ

اُن کے آنے سے پہلے ہی ریاض نے ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق عذرا کو پہاڑ پر بھیج دیا۔ اب عذرا کو تمام حالات معلوم ہو چکے تھے اسے رنج تھا کہ میری وجہ سے انھیں اتنا صدمہ اٹھانا پڑا۔ افسوس تھا کہ میں نے کیوں ان کی محبت پرستش کیا اشکایت تھی کہ انصار نے میری محبت پر بھروسہ نہ کیا۔ اس کا جی انصار کو دیکھنے اور جی کھول کر باتیں کرنے کو بے تاب تھا مگر ساتھ ہی شرم اس کے پاؤں کی زنجیر ہو رہی تھی۔ سب لوگ ہوں گے کیسے اُن کے سامنے جاؤں۔ مجھے کتنی شرم آئے گی۔ انصار بات کریں گے تو کس طرح جواب دوں گی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ اس سوچ میں کھڑی رہی ریاض نے انتظار کرنے کے بعد سیدہ کو بھیجا جو آکر بہن کے سر ہو گئی کہ میں تمہیں باہر لے کر جاؤں گی۔ سب لوگ تیار کھڑے ہیں لیکن تم نہ گئیں تو کوئی بھی نہ جائے گا۔ عذرا سیدہ کے اصرار سے مجبور ہو گئی اس نے چوٹی میں بل ڈال کر برقعہ اوڑھا جوتے پہنے اور سیدہ کے ساتھ باہر آئی۔ برامدے میں صرف ہاجرہ اور انصار تھے اصغر اور ریاض باہر چلے گئے تھے۔ عذرا نے اُچٹتی ہوئی نظر انصار پر ڈالی ہاتھ سے سلام کیا۔ انصار اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور کرسی آگے بڑھا دی عذرا بیٹھ گئی۔

انصار۔ اب کیسی طبیعت ہے

عذرا۔ (دبی آواز سے) شکر ہے۔ اچھی ہوں۔

انصار۔ الحمد للہ۔

عذرا۔ (ہاجرہ کی طرف مڑ کر) چلئے ۔۔۔۔۔

ہاجرہ نے ملازم کو ہدایت کی کہ دوپہر کا کھانا تیار کر کے پہاڑی پر لے آنا اور پھر یہ سب لوگ سیر کو روانہ ہو گئے۔ آگے آگے مرد تھے

اور بھائی کے گلے سے لپٹ گئی۔
ریاض۔ اب جی کیسا رہتا ہے۔
عذرا۔ خدا کا شکر ہے بالکل اچھی ہوں۔ دیکھئے تو بھائی جان میں کتنی موٹی ہو گئی ہوں۔
ریاض۔ ماشاءاللہ خوب سُرخ ہو رہی ہو۔ یہ سروں میں رہنے کی برکت ہے۔
عذرا۔ اب تو یہاں سے لے چلئے ورنہ اس رفتار سے موٹی ہوتی رہی تو مجھی بجی کا نمونہ بن جاؤں گی۔
ریاض۔ اطمینان رکھو تم ساری جسم کوشش کرو تب بھی وہ وزن تو نہیں لاسکتیں ہاں تم ناشتہ پر کیوں نہیں آئیں۔
عذرا۔ (آنکھیں جھکا کر) میری آنکھ دیر میں کھلی۔
ریاض۔ اچھا اب باہر آؤ۔ سیر کو چلیں گے۔
عذرا۔ میری طبیعت کچھ سست ہے کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔
ریاض۔ (مسکرا کر) طبیعت تو ماشاءاللہ بہت بحال معلوم ہوتی ہے بہانے مت بناؤ چلو باہر۔
عذرا۔ ابھی تو میں نے سر بھی نہیں گوندھا۔ آپ چلئے میں آتی ہوں۔
ریاض باہر چلے گئے اور عذرا شش و پنج کے عالم میں ایک ہاتھ میں کنگھی دوسرے میں بالوں کی لٹ پکڑے کھڑی سوچتی رہی کہ کیسے انصار کے سامنے جاؤں؟ ڈھائی سال سے وہ انصار سے نہیں ملی تھی بیماری کے زمانے میں اگرچہ انصار آگئے تھے مگر اسے ہوش نہ تھا جب طبیعت سنبھلی تو ڈاکٹروں کی ہدایت کے بموجب انصار سامنے نہیں آئے اور مکمل صحت ہونے سے پہلے وہ اخبار کے کام سے بمبئی چلے گئے

ہاجرہ۔ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ عدرا اب کیسے آسکتی ہے۔
ریاض۔ کیوں نہیں آسکتی کیا پردہ کرے گی۔
ہاجرہ۔ اور کیا۔
ریاض۔ مجھے یہ فضول رسمیں پسند نہیں۔ تعجب ہے کہ تم ان لغویات کی پابند ہو۔
ہاجرہ۔ میں اس کی پابند نہیں مگر آخر دنیا کے کہنے کا بھی تو خیال کرنا ہی چاہیئے۔
ریاض۔ ہم کیوں دنیا کی فضول باتوں کی تقلید کریں۔
ہاجرہ۔ اب خود عدرا کو بھی تو سامنے آتے شرم آتی ہے۔
ریاض۔ شرم آنے میں کوئی ہرج نہیں لیکن پردہ کرانا مجھے پسند نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ کسی غیر جگہ شادی ہو تب بھی لڑکے لڑکی کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع دیا جانا چاہیئے نہ کہ انصار۔
ہاجرہ۔ جیسی آپ کی مرضی مگر میں عدرا کو مجبور نہ کروں گی خواہ مخواہ لڑکی کو پریشان کرنا۔
ریاض۔ تم ہر بات میں عدرا کے اشاروں پر چلتی ہو۔
ہاجرہ۔ اچھا یہی سہی۔
ریاض۔ ذرا سوچو تو ڈھائی برس سے یہ دونوں ایک دوسرے سے نہیں ملے۔ دونوں نے کس قدر رنج اور تکلیف اٹھائی اب انہیں اتنا بھی موقع نہ دیا جائے کہ ایک بار مل کر اپنے دل کی بات دوسرے سے کہہ دیں۔
ہاجرہ۔ جو چاہیے کیجئے آپ تو دن بدن روشن خیال بنتے جاتے ہیں۔
ریاض۔ (ہنس کر) آزاد خیالی تو کوئی بری چیز نہیں۔ ہاں تم بڑی بھاوج بن کر بالکل دادی اماں بن گئی ہو۔
ریاض عدرا کے کمرے میں گئے تو وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے بال سلجھا رہی تھی۔ ریاض کو دیکھ کر اس نے سر جھکا کر سلام کیا

ربابا" وہ تو بخار کا ہذیان تھا۔"
تم عدرا کو یہ خط دکھا کر اس سے انصار کی بات کا جواب لو۔ میں آٹھ دس دن میں سوکن آؤں گا اور ممکن ہوا تو انصار کو بھی ساتھ لاؤں گا۔
عدرا، سیدہ، اصغر اور شاہد کو بہت بہت دعائیں اور پیار۔ عدرا سے کہنا تمہیں اتنا تندرست اور موٹا دیکھنا چاہتا ہوں کہ پہچان نہ سکوں۔
اپنے آنے کی اطلاع تار سے دوں گا
دل و جان سے تمہارا
ریاض

ناجرہ نے عدرا کو ریاض کا خط دکھایا اور جب وہ پڑھ چکی تو پوچھا "اں عدرا اب کہو انصار بھائی کے پیام کا کیا جواب دیتی ہو۔ اب تو ڈھائی سال سوچ چکیں "
عدرا نے ناجرہ کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔ اس کا چہرہ جھلملاتی ہوئی حوشی اور سراپا شرم سے سرخ ہو گیا۔ ناجرہ نے بے اختیار عدرا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ "میری بھابی ــــ میری دلہن ــــ میری عدرا۔" عدرا نے جھنجھلا کر بڑی مشکل سے اپنے کو ناجرہ کی گرفت سے چھڑایا۔

رات کی گاڑی سے ریاض اور انصار سوکن پہنچے۔ صبح ناشتہ پر سوا عدرا کے سب موجود تھے۔ ریاض نے ناجرہ سے پوچھا "عدرا کہاں ہے؟" ناجرہ نے بے پروائی سے کہا "ابھی سو رہی ہے۔" ناشتہ کے بعد اکیلے میں ریاض نے کہا "عدرا آخر کیوں نہیں آئی؟"

کی شادی بہت جلد کردی جائے۔ وہ انصار کے خاندان پیچھے پڑ بہت
ناراض اور اس کے مستقبل سے بدگماں ہیں۔ فرحت کی بہت تعریف
کررہے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فرحت نے ان کو انصار کے خلاف
بھڑکایا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ انصار کے دوبارہ تحریک کرنے کا
انتظار ہے۔ پھر بہت جلد شادی ہو جائے گی۔ اس پر وہ بہت ناراض
ہوئے کہ اگر انصار پیام نہیں دیتا تو کیا تمھیں لڑکوں کی کمی ہے۔
فرحت بہت مصر ہے۔ اس کی اس وقت آٹھ سو نو سو کی آمدنی ہے
اور بہت خواہش سے یہ رشتہ چاہتا ہے۔ انصار کے پلے کیا ہے۔ کیا
خود کھائیں گے کیا بیوی کو کھلائیں گے — میں نے کہا چچا جان یہ سب
درست ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ڈھائی سال سے انصار سے وعدہ
ہو چکا ہے۔ پھر عذرا انصار کے سوا کسی دوسرے کو پسند نہیں کرتی —
اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے انصار سے چچا جان کی باتوں کا ذکر کیا جو میرا خیال ہے کہ
انھیں ناگوار گزریں۔ انھوں نے کہا میں نے دوبارہ تحریک تو اس لئے نہیں
کی تھی کہ میرے پہلی دفعہ کے پیام کا جواب ابھی تک نہیں ملا۔ چچا جان کا
یہ خیال بھی درست ہے کہ میرا اور فرحت کا کوئی مقابلہ نہیں وہ عذرا
کے آسائش اور آرام کے لئے سب کچھ کرسکتے ہیں۔ اور میں تو مرد درآدمی
ہوں۔ بہرحال عذرا کی مرضی آپ کے اور میرے سب کے لئے مقدم ہے
اگر وہ فرحت کو پسند کرتی ہیں تو میں بغیر کسی شکایت یا رنج کے سر تسلیم
خم کردوں گا۔ میں نے کہا نے وقوف کیا عذرا کے اظہار کا ہدیاں سننے کے
بعد بھی تمہیں عذرا کی مرضی دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس پہ

تھوڑی دیر بعد سب لوگ سیر کو نکل گئے۔ واپسی پر عذرا کو
ریاض کا خط ملا۔

دہلی

جانِ ریاض، سلام شوق اور اشتیاقِ دید۔ تمہارا خط ملا۔
پڑھ کر بہت خوشی اور اطمینان ہوا کہ تم سب لوگوں کی صحت اچھی ہے
اصغر نے جو تصویریں بھیجی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کی آب و
ہوا سب کو راس آئی۔ اصغر اور سیدہ خوب موٹے ہو گئے ہیں۔
عذرا بھی پہلے سے زیادہ موٹی اور ماشاء اللہ خوب تندرست معلوم ہوتی
ہے۔ البتہ تم ویسی کی ویسی ہو۔ کیا بات ہے گھر کی فکریں موٹا نہیں
ہونے دیتیں یا کسی کی جدائی؟ شاہد کی تصویر بڑی پیاری آئی ہے
وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔

انصار بمبئی سے آ گئے۔ جیسا کہ ان کا ارادہ تھا۔ انھوں نے
اپنے حصے کی جائداد بیچ کر قرضے کا جو حصہ اُن کے ذمّہ تھا وہ ادا کر دیا
ہے اور باقی روپیہ اخبار کے لئے جمع کرا دیا ہے۔ پہلے ان کا ارادہ
انگریزی اخبار نکالنے کا تھا مگر بہت سوچ بچار اور بحث مباحثہ کے
بعد ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اخبار اردو کا ہونا چاہیئے۔ ہمارے ہاں
اب تک کوئی اردو کا ایسا اخبار نہیں جو بے لاگ اور بلند طریقے
سے عوام کے حالات کی صحیح ترجمانی کرے۔ ابتدائی مراحل سب
طے ہو گئے ہیں۔ اجازت بھی مل گئی ہے۔ امید ہے کہ بہت جلد
اخبار نکل آئے گا۔ نام آزادی رکھا گیا ہے۔

پرسوں چچا جان تشریف لائے تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اب عذرا

بھائی جان نے کہا کہ رو ؤ نہیں عذرا ابھی زندہ ہے۔ دعا مانگو کہ بچ جائے وہ چاہیں گھنٹے کس کرب کی حالت میں گزرے ہیں الہٰی توبہ سہم اپنی ہچکیوں کا گلا گھونٹے صرف آنسوؤں سے روتے اور سجدے میں پڑے گڑگڑاتے رہے۔ بار بار دبے پاؤں جا کر باجی کو جھانک آتے، جہاں تین چار ڈاکٹر دنیا بھر کی تدبیریں کر رہے تھے۔ اور انصار بھائی اور بھائی جان پتھر کی مورتیوں کی طرح چُپ چاپ ایک طرف بیٹھے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

عذرا۔ (مُسکرا کر) مگر پھر سب کو بڑی مایوسی ہوئی کہ سارا سیاپا و ماتم بے کار گیا اور مُردہ جی اُٹھا۔

سیّدہ۔ خدا نہ کرے۔

عذرا۔ چلو یہ اندازہ تو ہو گیا کہ میری موت کا کس کو کتنا صدمہ ہو گا۔

ہاجرہ۔ بس مگواس نہ کرو۔

عذرا۔ ہاجرہ آج تو سیر کے لئے جانے کو جی چاہتا ہے۔

سیّدہ۔ ہاں ہاں ضرور۔

اصغر۔ آج کا دن تو سیر کا ہی۔ اور اگر آپ لوگ Skating کریں تو بڑا مزا آئے۔

سیّدہ۔ بڑا اچھا لگے گا برقعے اوڑھ کر اسکیٹنگ کرتے۔

اصغر۔ تو نہ اوڑھو برقعہ

عذرا۔ اب تو تم زور بردر صاحب بنتے جاتے ہو۔

اصغر۔ چھوٹی باجی انصار بھائی بھی تو پردے کے خلاف ہیں

عذرا خفیف سا مُسکرا کر رہ گئی۔

اور سوا کریں منع کون کرتا ہے۔
سیدہ۔ میں کیا تمہاری طرح بے کار ہوں۔
عذرا۔ (مسکرا کر) سیدہ بھئی تم میرے بھائی کو۔ ٹوکا کرو۔ ہاجرہ جلدی
سے گرم ناشتہ منگاؤ بڑی سخت بھوک لگی ہے۔
اصغر۔ دیکھو اب باجی کو کچھ نہیں کہتیں۔
ہاجرہ نے انڈے توس، دودھ، دلیا اور چائے منگائی۔ عذرا
ناشتہ کرنے لگی۔
سیدہ۔ باجی وہ طاقت کی دوا ختم ہو گئی آج اس کی ایک شیشی اور منگا لیجئے۔
عذرا۔ اب طاقت کی دوا کیا ہو گی اتنی موٹی تو میں عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی
جیسی آج کل ہو رہی ہوں۔ دوا پی کر کیا ہو گا۔
ہاجرہ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تمہیں تندرست کر دیا۔
سیدہ۔ کسے امید تھی کہ چھوٹی باجی بچ جائیں گی۔ قربان اس کی قدرت کے
جس نے انہیں دوبارہ زندگی بخشی۔ اُف اس دن تو کوئی امید ہی نہ رہی تھی۔
ہاجرہ۔ اوہ۔ وہ دن مجھے کبھی نہ بھولے گا جس وقت گھر پہنچی تو ان لوگوں
کو روتا پایا۔ عذرا کے کمرے کی طرف گئی تو دیکھا کہ ایک طرف اصغر بھائی بیہوش
پڑے ہیں دوسری طرف اس کے بھائی کرسی پر ساکت بیٹھے پھٹی پھٹی آنکھوں
سے عذرا کو دیکھ رہے ہیں۔ اور عذرا بے حس و حرکت بالکل نصیب اعدا مردے
کی طرح پڑی ہے۔ نہ ڈاکٹروں کا خیال نہ پردے کا ہوش۔ ہم تینوں
بے قرار ہو کر اندر گھس گئے اور رونا پیٹنا شروع کر دیا۔
سیدہ۔ ڈاکٹروں اور نرس نے ڈانٹ کر ہمیں کمرے سے باہر نکال دیا اور
بھائی جان سے کہا کہ ان لوگوں کو خاموش کیجئے۔۔۔ اوہ ۔۔۔ وہ وقت

اصغر۔ دراستے میں اپنا منھ تو دیکھو۔ کلچے کی طرح تمہارا چہرہ ہوگیا ہے اور گال سیب سے بھی زیادہ سرخ عمر بھر سیدہ کبھی اتنی موٹی نہ ہوئی تھی۔
سیدہ۔ (مسکراکر) کہتے تو سچ ہو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اسی طرح موٹی ہوتی چلی گئی تو فٹ بال ہو جاؤں گی۔ ایک یونہی قد چھوٹا ہے۔ باجی کو بھی ماشاءاللہ بہت فائدہ ہوا ہے۔ اب تو چشم بد دور خوب سرخ ہو گئی ہیں۔
اصغر۔ پھل گئی ہیں۔ سارے دن انڈے، دودھ، پھل، مکھن یہ وہ۔ دنیا بھر کی چیزیں کھایا کرتی ہیں۔
سیدہ۔ تم کیوں ٹوکتے ہو۔ تم خود کیا کسی سے کم کھاتے ہو۔ اور وہ تو آئی ہی اسی لئے ہیں اور سب تو طفیلئے ہیں۔
اصغر۔ اچھا خیر ہم طفیلئے ہی سہی۔
یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عذرا سر سے پاؤں تک گرم کپڑوں میں لپٹی لپٹائی باہر نکلی اور آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔
ہاجرہ۔ نیند خوب آئی؟
عذرا۔ خوب۔ بارہ بجے کی سوئی ہوئی کہیں ساڑھے نو کے بعد آنکھ کھلی ایک کروٹ میں سویرا ہو گیا۔
اصغر۔ یہ تو آپ کی صحت کے لئے بہت اچھا اور ضروری ہے۔
سیدہ۔ اور ہاں تمہاری صحت کے لئے بھی دن رات سونا بہت ضروری ہے۔
اصغر۔ تم جلا کرو۔
عذرا۔ ان دونوں نے پھر صبح ہوتے ہی لڑنا شروع کر دیا۔
اصغر۔ چھوٹی باجی دیکھ لیجئے صبح سے بیمار جان کھائے جاتی ہیں بہت سوتے ہو بہت کھاتے ہو۔ اچھا پھر یہ کیوں جلتی ہیں یہ بھی کھایا کریں

اصغر ڈریسنگ گاؤن پہنے آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا اور ہاجرہ کو سلام کر کے کرسی پر بیٹھ گیا اور چائے بنا کر پینے لگا۔

رشیدہ۔ توبہ ایسا بھی آدمی پوستی نہ ہو۔ منہ بھی نہیں دھویا اور ناشتہ کرنے لگے

اصغر۔ تمہاری بھی باتیں عجیب ہوتی ہیں۔ بھلا اس شدید سردی میں کوئی شریف آدمی منہ دھوتا ہے۔

رشیدہ۔ جی اور کیا آپ کے سوا اور تو کوئی گھر میں شریف ہی نہیں رہ در روز انگریز بنے جاتے ہو۔ بھئی کیا گئے معلوم ہوتا ہے ساری عمر لندن میں گزاری ہے ساڑھے دس بجے بیدار ہوئے اور بغیر منہ دھوئے ناشتہ کرنا شروع کر دیا توبہ توبہ۔

اصغر۔ تم تو خواہ مخواہ لڑتی رہتی ہو۔ آخر کل تو کر لی تھی۔ منہ دھو کر کیا کرنا ہے۔ دیکھئے دلہن بھابی یہ مجھے ہر وقت ڈانٹا کرتی ہے۔

رشیدہ۔ بڑے آئے دلہن بھابی سے شکایت کرنے والے دلہن بھابی میری ہیں یا تمہاری؟

اصغر پوچھ دیکھو کس کی ہیں۔ کیوں بھابی؟

ہاجرہ۔ (ہنس کر) تمہارا بچپن ابھی تک نہ گیا۔ تم دونوں ہر وقت بچوں کی طرح لڑا کرتے ہو۔

اصغر یعنی بھابی میرا پیٹ نہیں بھرا ایک انڈا اور کئی توس اور منگائیے

رشیدہ۔ توبہ ہے۔

اصغر۔ توبہ توبہ کیا لگا رکھی ہے۔ یہ پہاڑ سے پہاڑ۔ اور پھر جاڑے کا زمانہ کتنا ہی کھاؤ کسی وقت پیٹ بھرتا ہی نہیں۔ ہر وقت بھوک لگی رہتی ہے

رشیدہ۔ جب تو ماشاء اللہ اتنے موٹے ہو گئے ہو۔

ہاجرہ۔ بھئی کیوں نظر لگاتی ہو۔

مدے پر اسکیٹنگ (Skating) کر رہے تھے۔ بہت سے کوٹ دستانے موزے وغیرہ پہنے اور مفلر لپیٹے سیر کو نکل گئے تھے اور کہیں بچے برف سے کھیل رہے تھے۔

"آستانہ" کی اوپر کی منزل میں مدے پر آمدے کے اندر جہاں اس وقت دھوپ جو آ رہی تھی ایک میز کے گرد چار کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک کرسی پر ہاجرہ اونی لمبا کوٹ پہنے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی دوسری پر سیدہ اپنی دُہری شال میں لپٹی اپنے سرد ہاتھوں کو مل مل کر گرم کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ شاہد اونی کپڑوں میں ڈھکا ہوا آیا کی گود سے نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا مگر آیا کے سیاہ اور سخت ہاتھ بچارے کی کوشش کو پورا نہیں ہونے دیتے تھے میز پر چائے کا سامان چنا ہوا تھا۔

سیدہ۔ دُلھن بھابی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

ہاجرہ۔ (اخبار الگ ڈال کر) بہن ابھی تک نہیں اٹھیں۔

سیدہ۔ جاگ تو گئی ہیں۔ میں نے انھیں بستر پر ایک پیالی چائے دیدی تھی آج سردی بہت ہے۔

ہاجرہ۔ اور اصغر کیا اب تک سو رہے ہیں؟

سیدہ۔ جی ہاں انھیں دن رات سونے کے سوا اور کام ہی کیا ہے میں بھی آج نہیں اٹھاؤں گی۔ اور جب اٹھیں تو آپ چائے ہرگز نہ دیجئے گا۔

ہاجرہ۔ (ہنس کر) جاؤ جاکر اسے اٹھا دو۔ کیوں بچارے کو سزا دیتی ہو۔

سیدہ۔ آپ کہتی ہیں تو مجبوری ہے ورنہ میرا تو جی چاہتا ہے کہ آج انھیں کوئی نہ اٹھائے دیکھیں کب تک سوتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے سیدہ اندر چلی گئی اور ہاجرہ چائے بنا کر پینے لگی

اکیسواں باب

سوئس میں ایک چھوٹی سی سرسبز پہاڑی پر ایک مختصر سی کوٹھی "آشیانہ" واقع ہے۔ اس کے سامنے کی طرف داغ ہے اور پشت پر چھوٹا سا شفاف چشمہ بہتا ہے۔ نومبر کا مہینہ ختم ہونے کو ہے۔ کسی کسی دن سردی بہت چمک جاتی ہے۔ کبھی ہلکی سی برف باری بھی ہو جاتی ہے۔ اس دن کا دلکش سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے اور جب سورج کی رنگین کرنیں چمکتے ہوئے برف پر پڑتی ہیں تو ساری دنیا رنگین چمک دار اور خوبصورت نظر آنے لگتی ہے۔

آج کئی دن بعد سورج کی صورت نظر آئی تھی۔ تین چار دن پہلے برف باری ہو چکی تھی لیکن آج مطلع بالکل صاف تھا اور سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ گھاس، درخت، پتے، چھتیں وغیرہ سب برف سے سفید تھے جن پر سورج کی کرنیں عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ اکثر سیاح لوگ

پسینے سے بھیگے ہوئے ماتھے پر رکھا، دوسرے سے ہدا کے پلنگ
کی پٹی پکڑنے کی کوشش کی۔ دو بار لڑکھڑائے۔ اور دھم سے
زمین پر گر گئے۔ ریاض گھبرا کر سنبھالنے کو اُٹھے تو دیکھا بیہوش ہیں
نرس نے گھبرا کر ریاض کو آواز دی۔ ریاض نے پلٹ کر دیکھا
ہدا کی سانس اُکھڑی اُکھڑی چل رہی تھی۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے
چمک رہے تھے اور آنکھیں بند تھیں۔ ایک ڈاکٹر انجکشن تیار کر رہا
تھا۔ دوسرا جھکا ہوا نبض دیکھ رہا تھا۔ ریاض کے منہ سے ایک
دلخراش آہ نکلی اور وہ کرسی پر گر پڑے۔

ٹہلنے لگے اُن کی حالت اس وقت پاگلوں کی سی تھی۔
اسٹیشن پر صرف ملازم آیا تھا جس نے کہا آج عذرا کی حالت بہت خراب ہے۔ دونوں انتہائی پریشانی میں گھر پہنچے۔ مرح قرآن اٹھائے آسمان کے نیچے کھڑی رو رو کر دعائیں پڑھ رہی تھی بندہ سجدے میں پڑی سسک رہی تھی انھیں دیکھ کر دونوں بے قرار ہوگئیں اور ہاجرہ سے لپٹ کر رونے لگیں ــــ الصار اضطراب کے عالم میں تیر کی طرح بیمار کے کمرے کی طرف گئے ــ سعید بستر پر عذرا بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی ــ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں چھت کو لگی ہوئی تھیں۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا تھا اور جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا تھا۔ برف کی تھیلی اس کے سر پر رکھی کھڑی تھی ــــ ایک طرف دو ڈاکٹر کھڑے آہستہ آہستہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہے تھے۔ دوسری طرف ریاض حسن کا چہرہ سعید پڑا ہوا تھا۔ ذرا جھکے ہوئے نبض کی نبض پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔
الصار اور ریاض کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ریاض نے ایک نظر الصار پر ڈالی اور لڑکھڑاتی آواز میں ایسے لہجے میں جس میں انتہائی ملامت بھری ہوئی تھی کہا ”انصار ـــــ اب آئے ہو؟“ انصار کے قدم ڈگمگا رہے تھے ـ وہ بمشکل دو قدم آگے بڑھے۔ اسی وقت عذرا کے خشک ہونٹوں سے ایک کراہ کی طرح یہ الفاظ نکلے ؛ ـــ
”ان ـــــ صار ـــــ آہ ـــــ ان ـــــ صار ـــــ آہ ـــــ“
الصار کا چہرہ لاش کی طرح زرد پڑ گیا ـ انھوں نے ایک ہاتھ اپنے

اپنی ناکامی عذرا کی بے وفائی اور تم لوگوں کی بد عہدی کا صدمہ مجھے کسی وقت چین نہیں لینے دیتا تھا۔ سال بھر سے تم میں سے کسی نے مجھے خط نہیں لکھا تھا۔ میں نے بھی رنج اور غصے میں خط لکھنا بند کر دیا میں سمجھتا تھا کہ تم اور ریاض بھائی سرد مہری کی وجہ سے مجھے خط نہیں لکھتے ہو۔

ناجرہ۔ مجھے کچھ دن پہلے آپ کا خط ملا جو ہم لوگوں کے لئے اچھا خاصا معمہ تھا۔ اس کے بعد فرح باجی کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ رضیہ واپس آ رہی ہے۔ جس کا نتیجہ ہم سب نے یہی نکالا کہ آپ دونوں ساتھ آ رہے ہیں اور غالباً شادی ہو گئی ہے۔ اگلے دن دادا ابا کی بیماری کا خط آیا اور ہم دونوں اکبر پور چلے گئے ۔۔۔ عذرا رسالے کے کام کی وجہ سے دہلی میں رہی۔

انصار۔ عذرا کیا پہلے سے بیمار تھی۔

ناجرہ۔ بظاہر تو کچھ بھی بیمار نہ تھی۔ معلوم یہ ہوا کہ ہم لوگوں کے آنے کے بعد سے طبیعت کچھ خراب ہو گئی۔ لیکن نہ ڈاکٹر کو دکھایا نہ ہم لوگوں کو لکھا۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو اصغر کو علی گڑھ تار دے دیا اس نے آکر دیکھا تو حالت بہت خراب پائی۔ اب ڈاکٹروں نے دماغی بخار تجویز کیا ہے۔ بے ہوشی ہے، ہذیان ہے، اور ایک سو پانچ بخار رہتا ہے ۔۔۔ دماغی بخار نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ دن رات سوچا کرتی تھی۔ جب اچھی ہو جائے تب بات ہے ہائے اس غلط فہمی نے اس کی جان لی۔

انصار اس سے زیادہ نہ سُن سکے۔ حالت اضطراب میں درجے میں

اس نے باوجود میرے کئی مرتبہ پوچھنے کے انکار ہی کیا۔ رضیہ نے مجھ سے کہا کہ فرح نے لکھا ہے کہ سیدہ کی شادی ہو گئی اور سب لوگوں کی مرضی ہے کہ عذرا کی شادی بھی جلد ہو جائے۔ سب لوگ فرحت حسن کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرحت کا خط میرے نام آیا جس میں لکھا تھا لیکن وہ خط ہی پڑھ لو نا۔ میرے بیگ میں موجود ہے۔ کچھ دن بعد اسی نے مجھے اپنی ماں کے خط کے حوالے سے یہ خبر سنائی کہ عذرا اور فرحت کی نسبت ہو گئی۔ عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ یہ خبر سن کر میرا کیا حال ہوا ہو گا۔ میں سخت بیمار پڑ گیا۔ بے شک اس بیماری میں رضیہ نے میری بے حد تیمارداری اور دلجوئی کی۔ اور اس کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ رضیہ کی اُس وقت کی محبت اور خدمت کا مجھ پر بہت اثر ہوا اور یہ خیال پیدا ہوا کہ جب عذرا نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں ہی کیوں اس کی پروا کروں۔ رضیہ سے شادی کر لوں۔ اس عرصے میں ڈپٹی صاحب بھی مجھ پر عنایت فرماتے رہے اور ہر موقع پر مجھے جرنلزم کی تعلیم چھوڑ کر "لا" یا آئی سی ایس کرنے کی صلاح دیتے رہے۔ میں اس پر تو راضی نہ ہوا مگر رضیہ کی طرف میرا میلان بڑھتا گیا۔ میرے امتحان سے کچھ پہلے رضیہ کی ایک ہمجولی نوجوان بیرسٹر رشید سے ملاقات ہوئی اور بہت جلد دونوں میں محبت کی پینگیں بڑھنے لگیں۔ مجھے یکایک تو سخت دھچکا سا پہنچا۔ کہیں ایسا ہوں کہ کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہوتی۔ لیکن پھر مجھے رضیہ کا خیال نہیں آیا اس سے محض وقتی طور پر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی جسے جنسی کشش کہتے ہیں۔ عذرا کی محبت پھر پورے زور و شور کے ساتھ ابھر آئی

انصار کا چہرہ متغیر ہوتا جا رہا تھا۔ ایک رنگ آتا ایک جاتا آخر اس نے سنک بھرے لہجے میں پوچھا "تو کیا سچ مچ عذرا اور فرحت کی نسبت نہیں ہوئی؟"

ہاجرہ۔ افسوس آپ عذرا کو نہیں جانتے۔ اس کی محبت آپ کی طرح ناپائدار اور وقتی نہیں۔ ہم لوگوں کو ساری فکر اور پریشانی تو یہی تھی کہ وہ دل و جان سے آپ کی ہو چکی اور اگر اس کی شادی ہو سکتی تھی تو آپ سے ورنہ وہ ساری عمر یونہی گزارنے پر تیار ہے۔

انصار۔ (دورخ اور غصے سے کانپ رہا تھا) اف — میرے ساتھ کیسی چال چلی گئی۔ میں بھی کتنا احمق ہوں کہ لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنی پیاری عذرا اور عزیز بہن بھائی کے دل کو اتنا صدمہ پہنچایا۔ ہائے غلط فہمی سہی، مگر میری وجہ سے عذرا کو کتنا صدمہ سہنا پڑا۔ یا اللہ میں نے کیوں عذرا کی طرف سے بدگمانی کی۔

ہاجرہ۔ آخر قصہ کیا ہے بتائیے تو سہی — اور ہاں کیا واقعی آپ کی رضیہ سے نسبت یا شادی ہو گئی ہے؟

انصار۔ رضیہ کی شادی رشید احمد بار ایٹ لا سے ہونے والی ہے خدا جانے تم لوگوں نے کیوں یہ یقین کر لیا کہ میں عذرا کو چھوڑ کر رضیہ پر ریجھ جاؤں گا — ایک مرتبہ مجھے تمہارے ہاتھ کا لکھا ہوا لفافہ ضرور ملا تھا مگر اس میں خط بجائے میرے نام کے رضیہ کے نام کا تھا اور فرح کا لکھا ہوا۔ اتفاقاً رضیہ اس وقت وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے بغیر پڑھے وہ خط اسے دے دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ لفافے بدل گئے ہوں گے اور میرے نام کا خط رضیہ کو ضرور ملا ہو گا اگرچہ

طرح ماحی کے نام آیا جس میں لکھا تھا کہ الصار عذرا کی بے اعتنائی اور رکھائی سے بہت دل شکستہ تھے۔ میں نے اس کی دلجوئی کی ان کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑا اور اب بے شک ہم دونوں میں محبت ہے۔ اور عنقریب ہم دونوں ایک دوسرے کے ہو جائیں گے ـــ اس خبر کا جسا سخت صدمہ ہم سب کو ہوا اس کا آپ کو اندازہ نہیں ہو سکتا عذرا کے دل کی حالت کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اس نے خاموشی سے اس خبر کو سنا اور صبر سے برداشت کیا۔ ایک لفظ کبھی کسی سے شکایت کا نہیں کہا۔ لیکن اس کی حالت دیکھ کر اس کے صدمہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کی ڈائری کے اندراجات دیکھے ہیں جسے پڑھ کر کوئی آنسو نہیں روک سکتا ـــ اس نے اپنے بھائی کے مشورہ اور اجازت لے کر ایک رسالہ نکالا اور سات مہینے سے دن رات اس کے کام میں مصروف رہتی ہے!

الصار پروین؟

ہاجرہ۔ ہاں پروین۔ خدا کے فضل سے اس رسالے کی شہرت اور مقبولیت بعض پرانے پرانے ادبی رسائل سے بڑھ گئی ہے۔ عذرا نے یوں تو اس صدمہ کو مستقل مزاجی اور بے پروائی کی ادا سے سہا مگر اس کی زندہ دلی اور شگفتگی ختم ہو گئی، پژمردہ خاموش اور اداس رہتی ہے روز بروز کمزور دبلی اور زرد ہوتی جاتی ـــ خدا جانے کتنی راتیں جاگتے جاگتے گزار دیتی۔ اور میری شرم سے یہ حالت کہ اس کو اور اس کے بھائی کو منہ دکھانے کو جی نہیں چاہتا جیسے سارا قصور میرا ہی ہو۔

خود مجھے خط لکھنا ترک کر دیا۔ اور مجھے پے درپے یہ اطلاعیں ملیں کہ عذرا کی نسبت فرحت حسن سے ہو رہی ہے یا ہو گئی۔ اس صدمہ سے مجھ پر جو کچھ گذر رہی وہ میں ہی جانتا ہوں اور اوپر سے تم مجھی کو الزام دے رہی ہو۔

ہاجرہ۔(روناد دھول کر) کیا کہا۔ کیا؟ یہاں سے کس نے لکھا؟

انصار۔ تو عذرا کی نسبت فرحت حسن سے نہیں ہوئی؟

ہاجرہ۔ یہ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ کیسی نسبت کس کی نسبت؟

انصار۔ ہاجرہ خدا کے لئے مجھے پاگل نہ بناؤ۔ ٹھیک ٹھیک میرے جانے کے بعد سے اب تک کا حال سناؤ۔

ہاجرہ۔ سیدہ کی شادی میں فرح ناجی آئیں تو انھوں نے مجھے بتایا کہ ڈپٹی صاحب نے اپنی بیوی کو لکھا ہے کہ رضیہ اور انصار میں بہت پینگ بڑھ رہے ہیں اور انصار رضیہ پر ریجھ گیا ہے تم بیٹی کو منع کرو۔ اس پر اس کی بیوی نے جواب دیا کہ مجھے انصار بہت پسند ہے اور تم رضیہ کو اس سے ملنے دو بلکہ اس کا موقع دو کہ وہ عذرا کے بجائے اپنی جگہ اس کے دل میں پیدا کرے۔ اور تم خود انصار کو مجبور کرو کہ وہ یہ کام چھوڑ کر کوئی اور امتحان دے۔ میں نے یہ سن کر آپ کو ایک طول طویل خط لکھا۔ جس میں یہ سب باتیں لکھ کر آپ سے اس کی اصلیت پوچھی تھی اور فرح ناجی نے رضیہ کو خط لکھ کر دریافت کیا تھا کہ میں یہ کیا سن رہی ہوں۔

انصار۔ مگر میرے پاس تو تمہارا اس مضمون کا کوئی خط نہیں پہنچا۔

ہاجرہ۔ آپ کے پاس سے میرے خط کا جواب نہ آیا۔ عرصے بعد رضیہ کا

حبیب الٰہی کی موت اور عذرا کی بیماری کی خبر سُنی تو آنا چاہا۔ مگر کام میں ایسے اُلجھے ہوئے تھے کہ نہ آسکے۔ روزانہ کا تار دریافت خیریت کے لئے آتا تھا۔

دو تین دن تو ہاجرہ رُکی رہی۔ مگر جب برابر یہی اطلاع پہنچی کہ عذرا کی حالت مخدوش ہے تو اس سے نہ رہا گیا۔ انصار کو ساتھ لے کر دہلی روانہ ہوگئی۔ ریل کے درجہ میں انصار اور ہاجرہ کے سوا کوئی نہ تھا۔

انصار نے کچھ رکھائی سے ہاجرہ سے پوچھا "کیا بات ہوئی عذرا کی صحت کیوں اس قدر خراب ہوگئی؟"

ہاجرہ۔ یہ آپ پوچھتے ہیں؟ شرم نہیں آتی۔ ہائے انصار بھائی مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ اس طرح دغا کریں گے۔ میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔

انصار۔ یہ تم کس بات پر مجھے مطعون کر رہی ہو؟ آخر میرا قصور؟

ہاجرہ۔ بے شک آپ کے نزدیک تو کوئی قصور ہی نہیں۔ آپ عورت ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا۔ ہائے مرد کا دل پتھر ہوتا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ کسی معصوم لڑکی کے دل سے کھیلنا کیسا خطرناک ہوتا ہے۔ مجھے رنج تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے کیوں بیچ میں ڈالا میں نے کیوں آپ کی بات پر اعتبار کر کے عذرا کو آپ کی لازوال محبت کا یقین دلایا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو شاید اس کے دل میں آپ کی محبت اتنی جڑ نہ پکڑتی اور آج اس کی جان کے لالے نہ پڑے ہوتے (رونے لگی)

انصار۔ (جھلاّ کر) یہ اُلٹی شکایت بھی خوب ہے تم لوگوں نے

— باجرہ تم کیوں روتی ہو — باجی — باجی — رضیہ نے مجھے ہمیشہ
رک دی — چھین لیا — میرے — انصار — کو — پکڑلے گئی
ہائے پکڑلے گئی —" کبھی بھیانک آواز سے چلا اٹھتی "بچاؤ —
ارے مجھے بچاؤ — ان لٹیروں سے — ہائے یہ — پکڑلیں گے
— بھائی جان — باجی — سیدہ — باجرہ —
ارے کوئی بچالو — نہیں نہیں — جمیل بھائی سے میں ڈرتی ہوں۔
ارے — ارے — فرحت بھائی — تم جاؤ۔ نہیں میں نہیں
جاؤں گی — میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں — میں — میں"
کبھی التجا آمیز لہجے میں کہتی —" انصار — ان — صار — کیوں
— نا — پاس — آؤ — آجاؤ — بس ایک — مرتبہ —"
اس کی بے ہوشی کی باتیں سن سن کر سب بہن بھائیوں کے دل ٹکڑے
ٹکڑے ہو جاتے — سیدہ اور فرح روتے روتے بدحواس ہو جاتیں
— اصغر بھی اپنے آنسو نہ روک سکتا۔ ریاض برف کی بوتل عذرا
کے سر پر رکھے یا دل پہ درد سوچا کرتے —" اف میری چھوٹی سی
بہن — تو نے اس سال بھر میں کس قدر روحانی اذیت اٹھائی
اور کسی سے اپنے دل کا حال نہ کہا — چپ چاپ سارا صدمہ اپنے
دل پہ سہا — کاش یہ اپنا غم بیاں کرتی رہتی۔ شرم اور خودداری
اور ضبط نے اس کے منہ پہ مہر نہ لگائی ہوتی تو اس کا یہ حال نہ
ہوتا — مجھے کیا خبر تھی کہ اس کا ننھا سا دل محبت کی آگ میں لکڑی
کی طرح جل رہا ہے"
محمد احسان کسی ضروری کام سے بمبئی گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے

الیسی تھی کہ نہ جاسکی۔ اس کا وقت ہی نہ ملا کہ ریاض انصار سے کچھ
کہتے یا انصار ریاض سے۔

ریاض نے عذرا کی حالت دیکھی تو سکتے میں رہ گئے۔ یا اللہ ہفتہ بھر
میں اس کا یہ کیا حال ہو گیا۔ علاج ٹھیک ہو رہا تھا۔ فرح سیدہ اور اصغر
نے تیمار داری میں دن رات ایک کر رکھا تھا مگر عذرا کی حالت کسی طرح
نہیں سنبھلتی تھی۔ عذرا نہ تو کسی کو پہچانتی تھی اور نہ سمجھ کر کوئی بات
کرتی تھی۔ اس علالت کی حالت میں بے ربط جملے بولتی رہتی۔ کبھی
دل خراش آواز میں پکارتی "اماں ——— اماں ——— آئیے ——— میرے
پاس آجائیے ——— میری اماں آجاؤ ——— بہت دن سے ———
نہیں دیکھا ——— اماں ——— تمہاری امی ——— اکیلی ہے ——— ہائے
اماں ——— آپ ——— آپ آگئیں میری اماں" اور ساتھ ہی ساتھ
اس کے خشک اور بے رنگ ہونٹوں پہ اداس سی مسکراہٹ کھیلنے
لگتی جسے دیکھ کر سیدہ اور فرح کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔

کبھی کہتی ——— "ٹھیک ہے ناحرہ ——— ٹھیک ہے ——— میں
بری ہوں ——— غریب ہوں ——— وہ اچھی ہے ——— مقابلہ ——— مقابلہ
——— بہت اچھا ہوا ——— بہت اچھا ———" کبھی درد بھری آواز
میں پکارتی "انصار ——— یہ امید نہ تھی ——— ایک دفعہ ——— بس
ایک دفعہ ——— نئی دلہن مبارک ———" کبھی گھبرا گھبرا کر اپنا سر
ادھر ادھر ہلاتی "نہیں نہیں مجھے کسی سے کیا ——— اسے پروا نہیں۔
——— میرا پروین ——— میرا بھائی ——— بھائی جان آپ غم نہ کیجئے۔
عذرا خوش ہے ——— بہت خوش ——— میں تو اچھی ہوں۔ بالکل اچھی

نصیبن نے کہا میری ریاض میاں کو اپنی بیماری کا حال لکھ دو مگر عذرا
نے منع کیا کہ وہ خود پریشانی میں ہیں۔ میں اور زیادہ کیوں پریشان کروں
بخار ہے اتر جائے گا۔ لیکن بخار نہ اترا۔ ریاض کے جانے کے چھٹے
دن انصار کا تار بمبئی سے آیا۔ اسے پڑھ کر عذرا پر ہیجانی کیفیت طاری
ہو گئی۔ اس نے تار تو ریاض کو بھیج دیا مگر شام ہی سے اس کی طبیعت
زیادہ خراب ہو گئی۔ عذرا نے بمشکل ایک تار اصغر کے نام دیا کہ میری
طبیعت خراب ہے تم اور سیدہ آ جاؤ۔ رات کو بخار کی شدت اور
زیادہ بڑھ گئی۔ ساری رات نصیبن بچاری اس کے سرہانے بیٹھی
سر پہ پانی کا کپڑا رکھتی اور روتی رہی۔

صبح دس بجے سیدہ اور اصغر علی گڑھ سے آئے تو بہن کی حالت
دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عذرا کو ایک سو پانچ بخار آنکھیں
چھت کو لگی ہوئی، ہونٹ خشک اور ہذیانی کیفیت۔ اصغر نے دہلی
کے کئی بڑے بڑے ڈاکٹروں کو بلا کر جمع کر لیا۔ سب کی متفقہ تجویز یہ
تھی کہ دماغی بخار ہے۔ انتہائی احتیاط سے علاج اور تیمار داری کی
ضرورت ہے۔ اصغر نے ایک تار ریاض کو اور دوسرا فرح کو دیا۔
فرح تو اگلے دن ہی پہنچ گئی۔ ریاض کو تار اس وقت ملا جب صبیح الٰہی
دم توڑ رہے تھے۔ رات کو ان کا انتقال ہوا۔ اگلے دن تجہیز و تکفین کے
بعد شام کو ریاض بدحواس دہلی بھاگے۔ ہاجرہ بہت پریشان تھی۔
مگر انھوں نے اسے سمجھا بجھا کر وہیں چھوڑا کہ یہاں جو لوگ تعزیت کو
آئیں گے وہ آخر کس کے پاس آئیں گے۔ میں جا کر تار سے عذرا کی
خیریت سے مطلع کروں گا۔ ہاجرہ کا دل تو نہیں مانتا تھا مگر مجبوری تھی

تیسواں باب

عذرا بھائی عماد کے جانے کے بعد سے ہر وقت رسالے کے کام میں مصروف رہتی۔ رسالہ نکلنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی جس کا اسے بہت افسوس تھا اور وہ چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ پرچہ نکل آئے۔ وہ دن بھر اور آدھی رات تک اس کے کام میں لگی رہتی نصیبن نے کئی مرتبہ کہا "اجی بیوی کچھ دیر تو آرام کر لو۔ اللہ نہ کرے بیمار پڑ جاؤ گی" مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ تیسرے دن صبح اس نے بستر سے اٹھنا چاہا تو اٹھا نہ گیا۔ سر اور بدن میں شدید درد تھا۔ عذرا دن رات خاموش لیٹی نہ جانے کیا کیا سوچا کرتی۔ نصیبن اس کی پٹی کے پاس متفکر بیٹھی رہتی۔ کبھی عذرا اس سے اپنی ماں کے بچپن کے حالات سنتی۔ کبھی انصار کے پرانے خط نکال کر پڑھتی رہتی۔

نصیبن اور بڈھے میاں اور دوسرے نوکروں کو وہاں چھوڑا اور خود ناہرہ کو لے کر اکبر پور چلے گئے۔ حبیب الٰہی کو سخت بیمار اور انصار کے لئے بے قرار پایا۔ ریاض کے جاتے ہی انھوں نے وکیل کو بلا کر اپنا وصیت نامہ لکھوایا۔ جدی جائداد اموری خیر کے لئے باقی آدھی آدھی انصار اور ناہرہ کی۔ گھر اور گھر کا سارا سامان انصار کے لئے لکھا ناہرہ سے کہا انصار سے کہہ دینا کہ میں نے اس کا قصور معاف کیا اور مرتے دم اس کے لئے چشم براہ رہا ہوں ریاض نے دہلی سے ڈاکٹر کو بلوایا اور علاج شروع کر دیا۔ انصار کو تین چار جگہ ارجنٹ تار دیئے۔ کیونکہ ٹھیک طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ کہاں ہوں گے۔ ریاض کا خیال تھا کہ وہ چل چکے ہیں اور عنقریب پہنچیں گے۔

چوتھے دن انصار کا تار ممبئی سے ریاض کے نام دہلی ہوتا ہوا اکبر پور پہنچا جس میں اپنے ممبئی پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔ ریاض نے ارجنٹ تار دیا کہ نانا ابا کی حالت نازک ہے فوراً آؤ۔ تین دن بعد صبح کو انصار پہنچ گئے۔ حبیب الٰہی کا سانس اکھڑ چکا تھا پھر بھی انھوں نے انصار کو پہچان لیا اور اسے گلے سے لگا کر بڑی دیر تک روتے رہے ـــ دوسرے دن حبیب الٰہی صاحب اس دار فانی سے چل بسے ـــ

ہاجرہ۔ شاید۔ مگر جب فرح باجی کا خط رضیہ کو مل گیا تو میرا انھیں کیوں نہ ملا۔ ساتھ ہی تو ڈلوایا تھا۔
عذرا۔ ایسا ہونا ناممکن تو نہیں۔
ہاجرہ۔ اور سنو۔ اس آخری جملے کا کیا مطلب ہے؟
عذرا۔ کیا جملہ؟
ہاجرہ۔ (پڑھتی ہے) "کیا عذرا کی شادی ہو چکی ہے؟ انھیں اور فرحت کو میری طرف سے مبارک باد دینا۔" (حیران ہو کر عذرا سے) اس کا کیا مطلب ہے عذرا۔
عذرا۔ (سخت ناراض) اس کو کہتے ہیں بدگمانی اور بدتمیزی۔ انھوں نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ یہاں کوئی انھیں الزام نہیں دیتا۔ لیکن انھیں دوسروں کو گالیاں دینے کا کیا حق ہے ـــ واہ ـــ وا ـــ
ہاجرہ۔ (سہم کر) نہیں نہیں عذرا یہ بدگمانی یا بدتمیزی نہیں۔ اس میں کوئی نہ کوئی غلط فہمی ضرور ہے۔
عذرا۔ وہ اپنے پر دوسروں کو قیاس کرتے ہیں۔
ہاجرہ۔ شاید فرحت بھائی نے انھیں کوئی غلط خبر دی ہو۔
عذرا۔ میں تم لوگوں کی طرح بدگمانی نہیں کرتی۔
ہاجرہ۔ جانے کیا اسرار ہے میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔
عذرا۔ ہوگا۔

اگلے دن ہاجرہ کے پاس حبیب الٰہی صاحب کی سخت بیماری کا خط آیا۔ ہاجرہ اور ریاض اسی دن اکبر پور روانہ ہو گئے۔ عذرا نے جانے سے انکار کر دیا کہ میرا رسالہ نکلنے والا ہے اسے دیر ہو جائے گی۔ مجبوراً ریاض نے

مگر تم نے دس مہینے سے مجھے خط بھی نہ لکھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ریاض بھائی نے اجازت نہ دی ہو؟ بہرحال اگر تم نے چاہا اور ریاض بھائی نے اسے گوارا کیا تو ہندوستان آکر تم دونوں سے ملاقات ہوگی۔

کیا عذرا کی شادی ہو چکی؟ انھیں اور فرحت کو میری طرف سے پیار کہہ دینا۔

انصار

ہاجرہ خط پڑھ کر پریشان ہو گئی کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے۔ خود تو خط لکھنا چھوڑا اور اب الٹی میری شکایت، ہاجرہ نے عذرا کو بلا کر انصار کا خط پڑھ کر سنایا۔

ہاجرہ۔ عذرا اس خط کا کچھ مطلب تمہاری سمجھ میں آتا ہے؟

عذرا۔ تم نے عرصے سے خط لکھنا چھوڑ دیا اسی کی شکایت کی ہے تمہیں لکھنا چاہئے تھا۔

ہاجرہ۔ میرے اتنے ضروری خط کا انھوں نے جواب نہیں دیا پھر میں انھیں کیوں خط لکھتی۔

عذرا۔ تم بہن ہو۔ تمہیں اس کے باوجود خط لکھنا چاہئے تھا۔ کہاں تک جواب ملا؟ خواہ مخواہ کسی سے ناراض ہونا کون سی بات ہے۔ انھیں اپنے فعل کا کامل اختیار تھا۔ اس پر سب کے سب اتنا بگڑ گئے کہ یک قلم خط و کتابت ترک کر دی۔ اس بات کا صدمہ ہونا ہی چاہئے تھا۔

ہاجرہ۔ لو اور سنو۔ تم بھی مجھی کو الزام دینے لگیں۔ مجھے تو غصہ اور رنج یہ ہے کہ آخر انھوں نے کیوں میرے خط کا جواب نہ دیا۔ اور پھر خط ایسے لکھا ہے جیسے کہ میرا کوئی خط انھیں پہنچا ہی نہ ہو۔

عذرا۔ (سوچ میں پڑ کر) ایسا تو نہیں ہوا کہ تمہارا خط رستے میں گم ہو گیا ہو؟

بت اور ہمت نہیں ہارتے تھے۔

اصغر بمبئی سے واپس آچکا تھا اور چند دنوں سے علی گڑھ میں لکچرار ہو گیا تھا
ردا اس کے ساتھ چلی گئی تھی۔ عذرا اب اس قدر خاموش رہتی تھی کہ یقین نہ
تھا کہ یہ وہی ہنسوڑ، کھلنڈری اور باتونی عذرا ہے جو دو سال پہلے تھی۔
خودداری اور کچھ ماحول کی مجبوری کی وجہ سے وہ اپنے صدمے کو خاموشی
سے برداشت کر رہی تھی مگر اس کا اثر اس کی صحت پر نمایاں طور پر نظر آتا تھا
عذرا اور ہاجرہ میں مدت سے انصار کے متعلق بات چیت نہیں ہوئی تھی۔
دونوں ایک دوسرے کی دل کی حالت سے خوب واقف تھیں۔ ایک
پکا پھوڑا تھا جسے چھیڑتے دونوں ہی ڈرتی تھیں۔

ہاجرہ نے انصار سے اپنے خط کا جواب نہ پا کر پھر اسے کوئی خط نہ
لکھا اور نہ ریاض نے لکھا۔

ایک دن عذرا رسالے کے پروف دیکھ رہی تھی۔ ہاجرہ بچے کو گود
میں لئے اس کا سویٹر بُن رہی تھی کہ باہر سے ڈاک آئی۔ ایک لفافے پر
انصار کے ہاتھ کی تحریر معلوم ہوئی۔ ہاجرہ نے کانپتے ہاتھوں سے خط کھولا۔

پیاری ہاجرہ۔ شاد و آباد رہو۔ میں زندہ ہوں۔ کام ختم ہو چکا ہے
اور میں عنقریب ہندوستان روانہ ہونے والا ہوں اگرچہ یہ سمجھ میں نہیں آتا
کہ میں وطن کس کے لئے جاؤں۔ بابا اماں پہلے ہی سے بیزار تھے۔ تم نے اور
ریاض بھائی نے بھی بھلا دیا۔ عذرا نے ٹھکرا دیا۔ وطن میں میرا کون ہے
جس کی کشش مجھے کھینچ رہی ہے۔ کسی کی کیا شکایت۔ مجھ میں ایسی بات
کون سی تھی کہ لوگ مجھے یاد رکھتے۔ مگر مجھے تعجب اور رنج یہ ہے کہ تم نے بھی
مجھے بھلا دیا۔ میرا خیال تھا کہ کم سے کم بہن کی محبت کبھی فنا نہیں ہوتی

گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوتی۔ کبھی کبھی پوری پوری رات اسے جاگتے گزر جاتی۔ الیاس اور ہاجرہ اس کی حالت کو سمجھتے تھے مگر چھیڑنا یا دخل دینا نامناسب سمجھ کر خاموشی سے یہ سب دیکھا کرتے۔ اگرچہ ان کا دل بہن کی یہ حالت دیکھ کر پھٹنے لگتا تھا۔

ہاجرہ کی گود میں چھ مہینے کا بچہ تھا جس کی پھول سی صورت اور ہنستا ہوا شگفتہ چہرہ بہت ہی پیارا لگتا ماں باپ۔ پھپھیاں سبھی اس پر فریفتہ تھے حقیقی خوشی اور سچی ہنسی اگر کبھی عذرا کے چہرے پر نظر آتی تھی تو اس وقت جب وہ شاہد کو گود میں لے کر اس کا منھ چومتی تھی۔

خلیہ خاتون نے جب سے سنا تھا کہ ان کی کنواری "قہر ماری" بھانجی نے رسالہ نکالا ہے اور غیر مردوں سے خط و کتابت کرتی اور قصے لکھتی ہے تب سے انھیں اس کی صورت سے نفرت ہو گئی تھی کہتی تھیں اب تو پاس اور احسان جو دہاتھ جوڑیں تب بھی ایسی بے باک بے شرم لڑکی سے اپنے بچے کا بیاہ نہ کروں ہاں اکثر اپنی مرحومہ بہن کو یاد کر کے روتی تھیں کہ ان کی روح کو اپنی اولاد کی گمراہی سے کیسا سخت صدمہ ہوتا ہوگا۔

فرحت حسن اب بھی اسی طرح عذرا کو حاصل کرنے کی سعی میں مشغول تھے۔ وہ اکثر دہلی آتے جاتے رہتے تھے۔ وہ بہت کوشش کرتے کہ عذرا سے ملیں اور باتیں کریں۔ اس کی دلچسپی اور مذاق کو مدنظر انھوں نے کئی مضمون اور افسانے پرچے کے لئے بھیجے اور کئی مرتبہ خط بھی۔ مگر عذرا نے کسی خط کا جواب نہیں دیا سیدہ یا ہاجرہ سے ان کے مضمون کی رسید لکھوا دیتی جب وہ آتے تب بھی حتی الامکان ان سے نہ ملتی اور اگر اتفاق سے سامنا ہو جاتا تو بہت رُکھائی سے صرف سلام کر لیتی تھی۔ مگر وہ اس رنے

عذرا کا رسالہ "پروین" جو سات مہینے سے کامیابی کے ساتھ نکل رہا تھا اور اس قلیل عرصہ میں اس نے خاصی شہرت اور کامیابی حاصل کر لی تھی ملک کے کئی اچھے ادیبوں اور شاعروں کی چیزیں اس میں شائع ہو چکی تھیں ۔ اور بہت سے مشہور ادیبوں اور معیاری رسالوں نے اس کی تعریف کی تھی عذرا دن رات پروین کو کامیاب بنانے کی کوشش میں لگی رہتی تھی۔ ریاض باوجود اپنی مصروفیتوں کے اسے مشورہ اور مدد دینے کا وقت نکال لیتے خود لکھتے دوسروں سے لکھواتے انتخاب اور اصلاح میں عذرا کی رہنمائی کرتے۔ سیدہ اور طاہرہ بھی عذرا کا ہاتھ بٹاتیں پھر بھی سارے دن عذرا کو فرصت نہ ملتی یہی مضامین کا انتخاب اور اصلاح، خط و کتابت، پروف اور کاپیوں کی تصحیح، رسالے کے لئے من لعطا اور مضمون افسانے وغیرہ لکھنا غرض بیسیوں قسم کے کام تھے جن کی وجہ سے سر اٹھانے کی مہلت نہ ملتی تھی۔

عذرا کی جان پروین میں بستی تھی۔ وہ اس کی کامیابی سے خوش ہوتی۔ اس کی تعریف سے اس کا گھڑوں لہو بڑھ جاتا۔ اس کے کام میں دل بہلا رہتا مصروف رہتی لیکن پھر بھی ایک طرح کی پژمردگی اور افسردہ دلی سی اس پر چھائی رہتی تھی۔ دن بھر اور رات گئے تک اسے کچھ سوچنے یا یاد کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا لیکن دن بھر کے کام کے بعد جب وہ اپنے تھکے سے جسم کو بستر پر ڈال دیتی تو باوجود کوشش کے اپنے ذہن و دماغ کو آرام نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے خیالات بھٹک کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ۔ آنکھیں بند کرتے ہی ایک مسکراتی ہوئی دلچسپ دلکش صورت سامنے آ کھڑی ہوتی۔ عذرا تیوری پر بل ڈال کر اپنا سر جھٹکتی اور جھنجھلا کر آنکھیں کھول دیتی مگر پھر بھی وہ صورت سامنے سے نہ ہٹتی۔ عذرا کی آنکھیں دھندلی ہو جاتیں اور وہ

رسالہ پروین میں آپ کا افسانہ رواج کی مدیر پڑھا۔ آپ نے ہندوستانی
طرز معاشرت کی جیسی سچی تصویر دکھائی ہے اور غریب بے زبان عورتوں پر
ہماری سماج جو مظالم ڈھاتی ہے اس کی جیسی صحیح عکاسی کی ہے وہ تعریف
کے قابل ہے ــ ادب برائے ادب کا دور گزر چکا یہ مقصدی ادب کا زمانہ ہے
آپ کے افسانوں میں زندگی جھلکتی ہے حقیقی اور اصلی زندگی۔ یہی افسانے
کی جان ہے اس کے علاوہ طرز ادا کی سادگی، زبان کی بے تکلفی اور
دردو اثر کی چاشنی نے افسانوں کو بہت پُر اثر بنا دیا ہے۔ اگر آپ
اسی طرح لکھتی رہیں اور محنت کرتی رہیں تو مجھے امید ہے کہ آپ
ایک دن اُردو کے بہترین افسانہ نگاروں میں شمار ہوں گی۔

مجھے آج کل بالکل فرصت نہیں پھر بھی کوشش کروں گا کہ آپ
کی فرمائش پوری کروں ــ پروین کا ادبی معیار بلند ہے خصوصاً
افسانوں کا انتخاب بہت اچھا ہوتا ہے۔

عذرا بچپن سے منشی جی کی پرستار تھی۔ آج ان کے قلم سے اپنے
رسالے اور اپنے افسانے کی تعریف پڑھ کر اس کی عجیب کیفیت ہوئی آنکھیں
خوشی کے آنسوؤں سے بھیگ گئیں ــ عذرا جانتی تھی کہ میرا افسانہ اس
فطرت نگار ادیب کے افسانوں کے سامنے وہ حقیقت رکھتا ہے جیسے تاج محل
کے سامنے کسی بچے کا بنا ہوا مٹی کا گھروندا۔ مگر یہ سمجھتے ہوئے بھی اتنے بڑے
ادیب سے اپنے افسانے کی تعریف سن کر اس پر نشہ سا چڑھ گیا اور وہ بڑی
دیر تک اس سرور کا لطف اٹھاتی رہی۔ اس کے پاس اکثر لوگوں کے تعریفی خطوط آتے
رہتے تھے مگر ایسی مسرت اسے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

کھ ہیں۔ عدرا نے کراہت کے ساتھ ایک پھریری لی اور افسانے کو
ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔
اس کے بعد عدرا نے وہ خط جو باقی رہ گئے تھے کھولے ان کو
دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ایک خط اردو کے مشہور ادیب سجاد حیدر یلدرم کا
تھا اور دوسرا ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند کا۔ کچھ دن ہوئے
عدرا نے ان دونوں سے پری کے لئے کچھ بھیجنے کی درخواست کی تھی۔
سجاد حیدر صاحب نے لکھا تھا کہ پری کے کئی نمبر میری نظر سے گزرے۔
میں نے اب تک اردو کے جتنے زنانہ رسالے دیکھے ہیں پری ان سب سے ممتاز
ہے بلکہ اپنے بلند ادبی معیار، ستھرے اور پاکیزہ مذاق اور شگفتہ سادہ اور دلآویز
زبان کی وجہ سے وہ اس قابل ہے کہ اردو کے بہترین رسائل میں اس کا شمار
کیا جائے۔ میں آپ کے مذاق اور انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ مجھے بہت
خوشی ہے کہ آپ نے ایک ایسا زنانہ رسالہ جاری کیا جس کا مقصد محض عورتوں
کو نصیحتیں کرنا۔ مردوں کو ظالم اور غاصب ثابت کرنا، کھانے پکانے کی
ترکیبوں اور بھدے پھولوں کی اشاعت ہی نہیں بلکہ عورتوں میں ادب
کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے۔ اس چیز کی بہت سخت ضرورت تھی، جو
الحمدللہ آپ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ خدا کرے یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی
کرے اور اس کا معیار کبھی گرنے نہ پائے بلکہ اونچا ہوتا رہے۔ آپ کا طرز تحریر بھی بہت
پرا ثر اور دلکش ہے۔ جب فرمائش کوئی چیز پری کے لئے ضرور بھیجوں گا۔
عدرا کا چہرہ اتنے بڑے ادیب سے یہ داد پاکر خوشی سے چمکنے لگا اس
نے خط کو احتیاط سے صندوقچے میں بند کیا اور منشی پریم چند کا خط کھولا منشی جی
نے اپنے سادہ اور دلکش انداز میں لکھا تھا۔

مخمص سے نکالیں گی؟ آپ اپنی تصویر اگر رسالے میں نہیں چھپوانیں (جو صرور چھپوانی چاہیئے) تو آخر یار مدد کو بھیجنے میں کون سا ہرج ہے۔ میں تو آپکی طرح ادب کا خادم اور ادیبوں کا پرستار ہوں۔

ایک افسانہ "خیالی محبوبہ" ارسال خدمت ہے۔ بہت سے رسالوں کی طرف سے تقاضے کے خطوط پر خطوط چلے آرہے ہیں مگر میں اسے پر دیں ہی کے قابل سمجھتا ہوں

جواب کا منتظر آپ کا
دلدار

(ایس ایم ناصر دلدار)

اس خط کو پڑھ کر عذرا کو غصّہ بھی آیا اور محظوظ بھی ہوئی ——

واہ رے دلدار صاحب۔ آپ نے ایسے بر دیکھ بے وقوف مدیرہ کو پرچانے کی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ آپ اُردو کے چوٹی کے ادیب ہیں۔ میں نے تو کبھی نام بھی نہیں سُنا۔ افسانوں کا مجموعہ میری "بارگاہِ ناز" میں بھیجا جائے گا۔ بدتمیز —— نام بھی کیا خوب تجویز فرمایا ہے دلفریب۔ خواہ پڑھ کر متلی ہونے لگے۔ اور یہ میری تحریریں رنگین انھیں خوب نظر آئی۔ کیا وہیں رسا پایا ہے —— ملنے کی آرزو خط و کتابت کا شوق عمر کا استفسار۔ تصویر کی فرمائش۔ سب کچھ ایک ہی خط میں لکھ مارا۔ ٹھیر جاؤ مسٹر ایس ایم۔ ناصر۔ تمہاری کیسی خبر لیتی ہوں۔ تخلص بھی خوب ہے —— دلدار اے جانے کس کے۔ شاعر نہیں مگر خیر تخلص تو ہے۔

افسانے پر ایک نظر ڈال کر اس نے اندازہ کیا کہ تیسرے درجہ کا افسانہ ہے جس میں سوا بازاری عشق و عاشقی اور خیالی رومان کے اور

کہنا چاہتا ہوں کہ بغیر اجازت آپ کی بارگاہِ ناز میں حاضری کی جرأت کی
لیکن آپ کی ذرہ نوازی، اعلیٰ تعلیم اور روشن خیالی سے یقین کامل ہے
کہ آپ اس جرأت کو ناپسند نہ کریں گی۔

آپ کی طرح مجھے بھی ادب سے دلچسپی ہے اور میں بھی ادیبوں اور
ادب کا دلدادہ اور خادم ہوں اردو کے اکثر معتدد رسائل میں آپ کی نظر سے
میرے افسانے گزرے ہوں گے۔ عنقریب میرے افسانوں کا مجموعہ "دلفریب" شائع
ہونے والا ہے وہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔ خوش قسمتی اسکی
کہ آپ کی بارگاہِ ناز میں باریابی حاصل ہو۔ مجھے اپنے خط اور کتاب سے اسی
لئے رشک ہے۔ کیا بتاؤں میں کس قدر آپ کے افسانوں کا دلدادہ ہوں
میری میز پر ہر وقت پرتویں کے پرچے موجود رہتے ہیں اور آپ کا
ایک ایک افسانہ میں نے دس دس مرتبہ تو ضرور پڑھا ہوگا۔ میں تو آپ
کی طرز تحریر پر دل و جان سے فریفتہ ہوں۔ آپ جیسی روشن خیال
اہل قلم خواتین ہی سے ہمارا مستقبل روشن ہونے کی امید ہے۔

کیا میں یہ دریافت کرسکتا ہوں کہ آپ اپنے ہم مشرب ادیبوں سے
ملنے کی زحمت گوارا فرماتی ہیں یا نہیں؟ مجھے یقین ہے کہ آپ جیسی روشن
خیال ادیبہ پردے کی فرسودہ قید سے ضرور آزاد ہوں گی آپ کے دیدار کا
ازحد اشتیاق ہے۔ اول تو مجھے حاضری کی اجازت دیجئے ورنہ خط کے
جواب سے تو ضرور اور فوراً شاد کام فرمائیے۔

آپ کی تحریر کی پختگی سے تو خیال ہوتا ہے کہ آپ کہنہ مشق اور معمر ادیبہ
ہیں لیکن اس کی شگفتگی اور رنگینی چغلی کھاتی ہے کہ اس کی لکھنے والی ابھی
شباب کی دل کش منزل سے گزر رہی ہے۔ کیا آپ اس معمہ کو حل کر کے مجھے

پروین پر ماہنامہ رسالوں نے جو ریویو کئے ان میں سے ایک دو کے سوا باقی سب نے اپنی تنگ نظری کا ثبوت دیا تھا لیکن اس کی تلافی بعض بلند پایہ ادبی رسائل نے پوری کر دی تھی اور پروین کو سراہا تھا ہر ڈاک میں اکثر خطوط جواں اور غیر معروف ادیبوں اور شاعروں کے بھی ہوتے تھے جن میں عمداً اور پروین کے ساتھ ساتھ اپنی تعریف بھی کم نہ ہوتی تھی اور کسی کسی میں خط و کتابت کی آرزو اور ملاقات کی خواہش کا اظہار بھی ہوتا تھا اور بعض اپنے اوٹ پٹانگ افسانے اور بے ربط اور ناموزوں نظم غزل بھی ارسال فرماتے تھے۔

شروع شروع میں ایسے خطوں کو پڑھ کر عدرا بہت جھنجھلاتی اور بعض وقت غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ جی چاہتا کہ ان مدبّروں کو ایسا جواب دے کہ یاد رکھیں۔ لیکن اب رفتہ رفتہ ایسے خطوں کے پڑھنے کی عادت پڑ گئی تھی اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ عقل کے دشمن سمجھتے ہیں کہ جو عورت مضمون یا نظم لکھے یا کسی رسالے کی ادارت کرے وہ ضرور اس قسم کی شوقین اور احمق بھی ہو گی جیسے یہ خود ہیں اور ضرور ان سے خط و کتابت کرے گی اور بعد میں میل ملاقات بھی ہو جائے گی۔ کیا تعجب ہے کہ رفتہ رفتہ اظہار محبت بھی کرنے لگے آخر یہ بچارے اپنے افسانوں کی ہیروئنوں سے یہی سب تو کراتے ہیں۔ ان خطوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر عدرا ردی کی ٹوکری میں ڈالتی جاتی تھی۔ کبھی کبھی وہ ان خطوں کو پڑھتے پڑھتے بے اختیار ہنس پڑتی۔ آج ایک رنگین لفافے نے جس میں سے بھینی بھینی خوشبو بھی آ رہی تھی اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا۔ اعلیٰ درجے کے کاغذ پر خوبصورت مونوگرام چھپا ہوا تھا نیچے لکھا تھا۔

آسمانِ صحافت کی مہرِ تاباں، جانِ ادب، سرتاجِ ادیباں، عدرا خاتون صاحبہ ـــــ سلام شوق قبول کیجئے ـــــ پہلے میں آپ سے اس جسارت

اُنتیسواں باب

عذرا رسالوں خطوں اور اخباروں کے بیچ میں بیٹھی آج کی ڈاک دیکھ رہی
تھی جس میں رسالوں، افسانوں اور مضامین کے پیکٹ اور بہت سے خط تھے
زیادہ تر خطوط طالبِ علم اور ستائش لکھنے والیوں کے تھے جن میں آدھے خطوں میں عذرا کی
تعریف، حوصلہ افزائی، اشتیاقِ ملاقات وغیرہ اور باقی میں اپنے مضمون، افسانے
یا نظم کو رسالے میں شائع کرنے پر اصرار ہوتا تھا۔ عذرا ایک طرف اس قسم کے
خط رکھتی جاتی تھی اور دوسری طرف مضمون وغیرہ کے پیکٹ جن کے خط مشہور لکھنے
والی خواتین کے تھے جنھوں نے مزید اور مستقل امداد میں رسالے کی تعریف کی تھی
اور رسالے کو بھی قیمتی مشوروں سے سرفراز فرمایا تھا۔ بعض نے اپنے طول طویل افسانے
اور مضمون بھی اس تمہید کے ساتھ بھیجے تھے کہ فرصت بالکل نہیں بڑی مشکل
سے آپ کی فرمائش پر تھوڑا سا وقت نکال کر بھیج رہی ہوں۔

دھن میں لگی رہوں گی۔ اپنا تن من دھن سب اس پر نثار کر دوں گی
ــ نیا سال شروع ہو چکا ہے ــ میری زندگی کا بھی ایک نیا
دَور شروع ہو گا ــ میں کیوں عام بے وقوف جاہل لڑکیوں کی طرح
ایک بے وفا شخص کے لئے جان دوں۔ رو رو کر ہلکان ہوں اور اپنی
اور دوسروں کی زندگی وبال کر دوں ــ میں کام کروں گی۔ کام !!

بس اب وہ سب کچھ ختم۔ ایک ہم مذاق، ہم خیال چاہنے والے
حسین ساتھی کی آرزو، ایک قابل ہستی کے سہارے زندگی بسر کرنے کی
تمنا۔ ایسی محبت کا مرکز کسی ہستی کو بنانے کی حسرت سب کو الوداع ــ
اب یہ زندگی بے سہارے ــ اکیلے ــ تن تنہا گزرے گی۔ جس کا صرف
ایک مقصد ہو گا ــ ادب کی خدمت ــ یعنی اس کے ذریعے سے انسانیت
کی بُری بھلی خدمت ــ یہی میرا مقصد ہو گا اور یہی نصب العین
ــ میری زندگی کا ساتھی صرف ایک شخص ہو سکتا تھا۔ لیکن
اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ اب کوئی دوسرا انسان یہ جگہ نہیں لے سکتا
اب اس دل میں کسی فرد کی محبت جگہ نہیں پائے گی ــ ہاں عام
انسانیت کی ــ لوگ کچھ بھی کہیں ــ کتنی بھی مخالفت کریں ــ
بُرا بھلا کہیں سمجھائیں بجھائیں ــ عذرا اپنی رائے کی پکی ارادے کی
پوری ہے۔ اس کا فیصلہ اٹل ہے ــ

وہ آستاں نہیں تو کوئی آستاں نہیں

سچی نہیں تھی ۔۔۔ پھر کیسے پائدار ہوتی۔ رضیہ کے حُسن اور ناز و ادا
نے انہیں رجھا لیا اور اب وہ عذرا پر الزام رکھ کر دنیا کو۔ اور شاید
اپنے ضمیر کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ رضیہ کو کیوں قصور وار
ٹھیراؤں اگر انصار کی محبت سچی ہوتی تو دنیا کی کوئی طاقت عذرا کو
ان کے دل سے نہیں نکال سکتی تھی۔

یا اللہ۔ میں اس صدمے کو کیسے برداشت کروں کاش میرے
دل سے بھی اس بے وفا انسان کی محبت دور ہو جائے۔ اس کا خیال
بھی میرے دل میں نہ آنا چاہئے مجھے یہ زیبا نہیں کہ ایک غیر شخص کی
محبت میں اپنے کو گھلاؤں۔ مجھے کیا پڑی ہے ۔۔۔ انہیں پروا نہیں تو
یہاں کون ان کے لئے تڑپ رہا ہے۔ میں اب اپنے لئے کوئی کام
سوچوں گی۔ کوئی ایسا کام جو میرا سارا وقت لے لے اور ان تکلیف دہ
خیالات کا موقع ہی نہ ملے۔ ایک مقصد جس کے لئے جان تک کی بازی
لگا دوں۔ پر وہ کون سا کام ہو جس پر میرا دل لگ جائے؟ پڑھنے
لگوں؟ نہیں اب چھوٹی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ پڑھتے شرم آئے گی
کوئی چھوٹا سا اسکول کھول لیا جائے؟ مگر مجھے تو پڑھانے کے کام
سے کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی ۔۔۔ اچھا ایک کتاب لکھنی شروع
کردوں۔ مگر آخر وہ بھی ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ تو پھر
آخر کیا کرنا چاہیئے؟ کیوں نہ ایک رسالہ نکالا جائے؟ بھائی جان نے
بھی اس رائے کو پسند کر لیا اور مدد دینے پر آمادہ ہو گئے تو عورتوں
کا ایک معیاری رسالہ نکالوں۔ بس بس یہ بہت اچھی تجویز ہے میں
انشاءاللہ رسالہ ضرور نکالوں گی۔ اور ہمیشہ اس کو کامیاب بنانے کی

کہہ دیا کہ اس میں نہ میرا قصور ہے نہ انصار کا۔ ساری ذمہ داری خود اں پر آتی ہے ــ سُنا ہے کہ عذرا کی نسبت فرحت حسن سے ہونے والی ہے خدا مبارک کرے۔ یہاں سے بھی عنقریب تمھیں دو آدمیوں کی نسبت ــ یا ــ شادی کی اطلاع بھیجے گی مبارکباد تو دو گی یا یہ بھی نہیں؟

میں نے خط پڑھ کر رکھ دیا اور ناجرہ سے کہا "بڑی خوشی کی بات ہے ــــــــ میری طرف سے بھی مبارکباد لکھ دینا" ناجرہ کا غصے سے بُرا حال تھا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگی اور جب ضبط نہ ہو سکا تو بڑی دیر تک مجھے گلے لگا کر روتی رہی۔ مگر میری آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا۔ اگرچہ میری آنکھیں، میرا دل اور میرا دماغ سب تپ رہے تھے ناجرہ رو دھو کر اور مجھے آرام کرنے کی ہدایت کر کے چلی گئی اور میں نے ساری رات یونہی بیٹھے بیٹھے گزار دی۔

رضیہ سچ کہتی ہے۔ میں نے انصار سے بے اعتنائی برتی ــــــ اس کے پیام کو صاف لفظوں میں منظور نہیں کیا۔ رخصت کے وقت اس سے باتیں نہیں کیں۔ اس کے خطوں کے جواب نہیں دیئے۔ اگر اس سے اس کو یہ خیال ہو گیا کہ میں اس سے محبت نہیں کرتی تو کیا تعجب ہے۔ شاید قصوروار میں ہی ہوں۔

مگر انصار۔ تم نے مجھ سے کیوں یہ توقع کی کہ میں یورپین لڑکیوں کی طرح اظہار محبت کروں گی۔ کیا تم ہندوستانی لڑکی کی شرم و حیا اور خود میری طبیعت سے، میرے خیالات، میرے ماحول اور حالات سے واقف نہ تھے کیا ناجرہ سب کچھ لکھتی نہیں رہتی تھی۔ نہیں نہیں یہ سب بہانے ہیں ــ وہ مرد ہیں متلون مزاج ــ بے وفا۔ ان کی محبت

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اسے بتا دو۔ اس سے چھپانے کی ضرورت نہیں" ناجرہ نے خط لا کر مجھے دیا۔ بڑا طول طویل خط تھا جسے میں نے بہت دیر میں ختم کیا۔ پڑھتے پڑھتے میرے خیالات بھٹک جاتے۔ مختلف مناظر میری نظروں میں گھومنے لگتے اور میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔

رمیہ نے رسمی القاب آداب کے بعد لکھا تھا کہ آپ کا خیال درست ہے مجھے انصار ہمیشہ سے پسند ہیں۔ لیکن جب سے میں نے سنا کہ ان کی اور عذرا کی نسبت ہونے والی ہے تو میں نے انہیں دوسرے کی چیز سمجھ کر بھلانے کی کوشش کی اور اپنے دل پر پتھر رکھ لیا لیکن اب جو میں ان سے لندن میں ملی تو انہیں بہت افسردہ اور دلگرفتہ پایا۔ وہ عذرا کو چاہتے تھے مگر عذرا نے ان کی محبت کی قدر نہ کی۔ اپنی بے اعتنائی کو شرم کے پردے میں چھپایا (اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی) اور غریب انصار کا دل توڑ دیا۔ ان کے خطوں کا جواب نہ دیا۔ انصار بہت رنجیدہ رہتے تھے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ عذرا کو ان کی پرواہ نہیں۔ میں نے مقدور بھر ان کی دلجوئی اور دلدہی کی۔ اور جو دل عذرا کی بے التفاتی سے شکستہ ہو چکا تھا اسے دوبارہ جوڑا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ سخت بیمار ہو گئے۔ وہ بیمار تھے اور میں نیم جان۔ میں نے دن رات جان توڑ کوشش کر کے ان کو موت کے منہ سے نکال لیا۔ بھلا کیسے ممکن تھا کہ میری خدمت اور سچی محبت ان پر اثر نہ کرتی۔ عذرا کا خیال اب ان کے دل سے دور ہو چکا ہے اور کسی اور کی محبت نے ان کے دل میں جگہ کر لی ہے۔ عذرا سے

۲۵ر جنوری سنہ ۱۹۴۳ء

پرسوں ولایتی ڈاک کا دن تھا۔ نہ جانے کیوں ہر ہفتے — امید سی بندھی رہتی ہے کہ شاید کوئی خط آ جائے — باجی اور میں دونوں بیٹھے تھے کہ ڈاک آ گئی۔ ایک خط لندن سے باجی کے نام آیا تھا۔ میں نے دور ہی سے پہچان لیا کہ رضیہ کی تحریر ہے — باجی نے خط پڑھا تو ان کا چہرہ فق ہو گیا۔ میں ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی مگر وہ نظریں بچا کر اٹھ کر چل دیں۔ بڑی دیر تک الگ کمرے میں سب لوگ۔ جانے کیا باتیں کرتے رہے — مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور انصار کے بارے میں رضیہ نے کچھ لکھا ہے۔ شام کو جب میں اپنے کمرے سے نکلی تو دیکھا کہ سیدہ اور ہاجرہ اور باجی تینوں اداس اور پریشاں ہیں۔ بھائی جان بھی حسب معمول شگفتہ نہیں بلکہ خاموش سے ہیں۔ سب لوگ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ مجھ سے یہ راز داری زیادہ برداشت نہ ہو سکی جب خود کسی نے مجھ سے کچھ نہ کہا تو رات کو میں نے ہاجرہ سے کہا۔ "مجھے رضیہ کا خط دکھا دو۔" ہاجرہ گھبرائی "اس میں کوئی خاص بات نہیں اور وہ تو فرح باجی کے نام ہے۔" میں نے کہا "ہاجرہ کیوں چھپاتی ہو؟ جو بھی بات ہو مجھے بتا دو۔ کوئی بھی خبر ہو میں سننے کے لئے تیار ہوں صرف اتنا اطمینان ہو جائے کہ — انصار — زندہ ہیں" یہ کہتے کہتے بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ ہاجرہ نے کہا "اخی تم واقعی بڑی احمق ہو۔ خدا نہ کرے ان کے دشمنوں کو کچھ ہو جاتا تو ہم لوگ اس طرح اطمینان سے بیٹھے ہوتے —" میں نے کہا "تم مجھے خط دکھا دو" — ہاجرہ اٹھ کر بھائی جان کے پاس گئیں۔ بھائی جان نے کہا

کرتے کرتے ہیبے گر گئے۔ باجرہ کے خط کا کوئی جواب نہ آیا۔ وہ کیوں
اپنے جواب۔ انھیں یہاں کس کی پرواہ ہے۔ یورپ کی آٹ ہوا میں
نات قدم رہنا بڑے سورماؤں کا کام ہے۔ مگر نہیں ایسی بدگمانی
نہیں کرنی چاہیئے یہاں کبھی کسی نے ان کے کیرکٹر پر حرف نہیں رکھا۔
انصار کا قصور نہیں۔ یہ سب رضیہ کی کارستانیاں ہیں۔ وہ ہمیشہ سے
مجھ سے جلتی ہے اس نے محض مجھے زک دینے کے لئے، مجھ پر اپنی فوقیت
جتانے کے لئے، میرا دل توڑنے کے لئے۔ میرے ۔ انصار کو
مجھ سے برگشتہ کر دیا۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ، خوبصورت،
دولت مند اور ہوشیار ہے۔ اگر انصار اس پر ریجھ گئے تو کون سے
تعجب کی بات ہے؟ ۔۔۔ ـــــــــــــــــ پر آج اماں سے کہا
کس نے تھا کہ وہ مجھ جیسی سیدھی سادی، کم رو، کم تعلیم یافتہ کو پسند کریں
اور پسند کر لیا تو پھر یہ بے اعتنائی انھیں نے برتائی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟
۔ مجھے آخر کیا ہو گیا ہے؟ میری خودداری کہاں غارت ہو گئی۔
وہ مجھے میری پروا نہیں کرتا میرا دل اس کے لئے یوں بے قرار ہے؟ بڑے شرم
کی بات ہے۔ میرے بھائی، بھاوج نہیں سب ہر وقت میری دلجوئی
کرتے رہتے ہیں۔ مگر میرا یہ حال ہے کہ نہ کہیں آنے جانے کو جی چاہتا
ہے نہ ہنسنے بولنے کو۔ نہ سیر تماشے کو نہ لکھنے پڑھنے کو ایک بے دلی۔
بے ہمتی ۔ درمایوسی مجھ پر غلبہ پاتی جاتی ہے۔ اماں کے انتقال
کے بعد ۔ میں نے اپنے صدمے کو انصار کی خاطر سہا تھا اب کیوں ۔ کس لئے
۔ کس طرح ۔ میں یہ زندگی بسر کروں ۔ آہ انصار کاش تم سمجھتے ۔

ـــــــــ - - ـــ ـــ

انتظار، ہو گیا تھا۔ کتنے مہینے ہو گئے خط بھی نہیں آیا۔ اُف ۔۔۔ یہ آئے مجھے کیا ۔۔۔ میں کیوں فکر کروں ۔۔۔ مجھے کیوں ان کا خیال آتا ہے ۔۔۔ کیوں وہیں کا دھیان لگا رہتا ہے؟ اگر وہ مجھے بھلا سکتے ہیں تو میں ہی کیوں یاد کروں؟

آہ انصار ۔ میں تمہیں اتنا بے وفا ۔ ایسا سخت دل نہیں سمجھتی تھی ۔ تم کیوں ایک معصوم دل سے کھیلے؟ تم نے کیوں ایک انجان الڑھ لڑکی کے حقہ جذبات محبت کو جگا یا؟ اسے اپنی لازوال محبت کا یقین دلایا ۔ آہ کیوں تم نے محبت پاش نظریں ڈال کر اپنی پایئدار اور دقتی محبت سے مسحور کر لیا؟ تمہارے لئے یہ ایک معمولی سی بات تھی ۔ ایک کھیل تھا کہ تم کسی کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دو ۔ کیا اسی محبت کی جڑیں بہت گہرائی تک چلی گئی تھیں؟ اب یہ جڑیں کس نے اکھاڑ پھینکیں ۔۔۔ اس کی پائداری کو کس نے ناپائدار بنا دیا ۔ مگر نہیں یہ میری حماقت تھی ۔ میں نے ناجرہ کی باتوں اور تمہاری نظروں کا یقین کیوں کیا ۔ مرد کی محبت ۔۔۔ اُف وہ بے وقوف اور احمق ہے وہ عورت جو کسی مرد کی محبت کا اعتبار کرے ۔ بدنصیب ہے ۔۔۔

ناجرہ نے سیدہ کی شادی کے بعد کس اعتماد اور محبت سے خط لکھا ۔۔۔ اسے یقین تھا اور مجھے بھی کہ اس کے خط کے جواب میں بڑے زور شور سے اس افواہ کی تردید کی جائے گی ۔ اور سب کا مذاق اڑائیں گے کہ بھلا میں اور رضیہ سے بیاہ کروں؟ کیا تم نے مجھے بھی چھچھورا اور متلون مزاج سمجھا ہے ۔۔۔ بے وقوف ناجرہ کیا تم بھول گئیں کہ انصار کے دل پر کوئی اور صورت نقش ہے ۔۔۔ مگر ۔۔۔ انتظار

اٹھائیسواں باب

[illegible]

[illegible]

اور ہر طرح سے انصار کی دلجوئی کرتی۔

ایک ہفتے بعد رضیہ نے بہت رنجیدہ اور فکرمند منہ بنا کر انصار کو
یہ خبر سنائی کہ ممی نے لکھا ہے کہ فرحت اور عذرا کی نسبت ہوگئی۔

انصار نے خاموشی سے یہ خبر سنی اور منہ سے کچھ نہ بولے۔

اسی دن ان کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اور تین چار دن بعد بخار
بہت تیز ہوگیا۔ رضیہ اور مسز اسمتھ تندہی اور دلسوزی سے ان کی
تیمارداری میں لگ گئیں۔

محبت بنا، لڑکیوں کو خوش کرے اور دریا لے کے گر نہیں جاتا

نسیم کی محبت میں باتیں سوچتے سوچتے ایک دم اس کی نظروں کے

سامنے محبت کے وقت کی عذرا کی تصویر آگئی۔ وہ شوخ آنکھیں۔

[illegible] سے تمتماتا ہوا چہرہ۔ وہ [illegible] شاہوں

[illegible] اور [illegible] سے [illegible] اور بھی زیادہ پریشان

[illegible] اور عہد وفاداری — [illegible]

[illegible] ہے تو کوئی اسے محبت سے [illegible] عذرا کو مجھ سے محبت ہے تو کوئی اسے محبت سے

[illegible] عذرا کو [illegible] اس قدر [illegible]

[illegible] نہیں کر سکتا۔۔۔ [illegible] ایسا ہوگا۔ عذرا کو کیسے

[illegible] حساب [illegible] ۔ مگر شاید ایسا ہوگا۔ عذرا کو

[illegible] شادی کے بعد وہ محبت ہی کو۔ یاد [illegible]

[illegible] کی طرح۔ شادی کے بعد [illegible] حالانکہ اس کا دل وہ

[illegible] اس طرح سے بھی محبت ہے [illegible] دوسری محبت [illegible] کا

[illegible] ہوگی۔ دوسری محبت [illegible]

اگلے ہفتے ہندوستانی ڈاک میں انصار کو فرحت حسن کا خط ملا
مضمون کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا تمہارا مقابلہ ہو رہا ہے دیکھیں کس
کی قسمت یاوری کرتی ہے۔ مگر میں پاس ہوں اور تم دور ۔۔
آسانیاں مجھے حاصل ہیں وہ تمہیں نہیں۔ کیا عجب ہے کہ میں ہی
کامیاب ہو جاؤں۔ یاد رکھو شادی وہی کامیاب ہوتی ہے جو
لڑکی لڑکے دونوں کی پسند سے کی جائے۔ ریاض کی مرضی کوئی
چیز نہیں۔ اصل چیز عذرا کی پسند ہے۔ آخر میں اتنا اور لکھا تھا کہ
تمہارے پاس تو عذرا سے بہتر چیز رضیہ موجود ہے اس سے کیوں
دل نہیں لگاتے۔ عذرا کو میرے لئے چھوڑ دو۔

انصار فرحت کا خط پڑھ کر سخت پریشان ہوئے بار بار فرحت
کا خط پڑھا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ عذرا دراصل فرحت کو پسند کرتی
ہے۔ ورنہ فرحت کی اتنی مجال نہ ہو سکتی تھی کہ اس قدر کھلے الفاظ
میں عذرا کی پسند ناپسند کا ذکر کرتا۔

اب اسے ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ عذرا کی ترنم کے ریڈ
میں بے اعتنائی، اس کے پیام کو ٹالنا، خط کا جواب نہ دینا۔ اگر چند
سطریں لکھ دیتی تو کون ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹے جاتا۔ نہیں
اس کو میری پرواہ ہی نہیں۔ میرا کوئی خیال اور محبت نہیں۔ ریاض
بھائی اور ناصرہ کی وجہ سے وہ صاف صاف انکار نہ کر سکی۔ باقی
باتیں ناصرہ نے مجھے خوش کرنے کو اپنے دل سے بنا کر کہہ دی ہوں گی
واقعی مجھ میں ایسی ۔ لی تھی کون سی ہے جو وہ مجھے پسند کرتی۔ ابا نے
عاق کر دیا کوئی بڑی ڈگری نہیں۔ جائداد اور نام و نمود نہیں

رضیہ۔ پھر بھی انھوں نے جواب نہیں دیا۔ بڑے کٹر دل کی ہیں۔
انصار۔ اس کی طبیعت بہت شرمیلی ہے۔ پھر لوگوں کے
الزام کا بھی خیال ہوگا۔
رضیہ۔ محبت رسم و رواج اور شرم و حیا کی پابند نہیں ہوتی۔
اور اگر یہ جو دو دل خوفزدہ سے وہ ان باتوں کا خیال کرتی ہیں تو
عشق میں ان کی قائل ہوگئی۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اپنے محبوب کے
لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنا اور اس کی خوشی کے لئے ہر رکاوٹ
کو دور کرنا محبت کا تقاضا ہے۔ اور عورت کی فطرت ہے۔
انصار نے کچھ جواب نہیں دیا سر پکڑے خاموش بیٹھے رہے۔
رضیہ۔ دلجوئی کے انداز سے) کیا معلوم جرح کھائی نے بات
کڑھا کر لکھ دیا ہو۔ آپ انتظار کیجئے۔ ممکن ہے یہ بات غلط
ہی ہو۔ اور اگر ٹھیک بھی نکلے تو آپ کیوں شرمندہ کریں۔ غذرا
بہت نالائق ہے جس نے آپ جیسے — گوہر بے بہا کو ٹھکرا دیا۔
اتنا کہہ کر رضیہ رک گئی اور محبت بھری نظروں سے انصار کو دیکھنے
لگی۔ اس کے بعد کے الفاظ اس کی زباں پہ آکر رک گئے مشرقی
عورت کی فطری شرم نے انھیں منھ سے نکلنے دیا۔ اگرچہ یہ کمی
نگاہوں نے پوری کردی۔ مگر انصار نے نہ اس کی طرف دیکھا،
نہ اس کی باتوں اور نگاہوں کا مطلب سمجھا۔ رضیہ نے جب
دیکھا کہ انصار گم سم بیٹھے ہیں تو رخصت ہوگئی۔ اگلے دن اس نے
انصار سے کہا کہ میرے نام کوئی خط نہیں آیا جس میں آپ کے
نام کا خط ہوتا۔

پھر اُٹھ کر انصار کی کرسی کے پیچھے پر جا بیٹھی اور ایک ادا کے ساتھ انصار پر جھک کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی:
"اسی لئے میں بتاتی نہیں تھی کہ آپ کو رنج ہوگا۔ آپ کیوں رنج کرتے ہیں ایسا ہوا ہی کرتا ہے"
انصار۔ (دیوار کی طرف نظر جمائے ہوئے) ایسا نہیں ہو سکتا دریامن بھائی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ وہ اپنے وعدے سے پھرنے والے آدمی نہیں۔
رضیہ۔ بعض وقت آدمی کو دوسروں کی رائے کے سامنے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ وہ اپنے چچا سے بہت دبتے ہیں۔ وہ ہیں بھی بڑے ضدی آدمی۔ ممکن ہے انھیں نے یہ طے کیا ہو۔
انصار۔ کچھ ہو۔ عذرا کبھی اس پر راضی نہ ہوگی۔
رضیہ۔ میں اس لئے کچھ کہتے ڈرتی ہوں کہ آپ بدگمانی نہ سمجھیں مگر میرا اندازہ تو یہ ہے کہ شادی کے لئے عذرا آپ کو پسند نہیں کرتی
انصار۔ نہیں ــــ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ عذرا مجھے ضرور پسند کرتی ہے ــــ وہ میری ہے۔
رضیہ۔ خدا کرے آپ کا خیال درست ہو۔
انصار۔ ضرور درست ہے۔ یقیناً۔
رضیہ۔ کبھی عذرا نے آپ کو خط لکھا؟
انصار۔ خط لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ محبت خطوں کی پابند نہیں۔
رضیہ۔ آپ نے بھی نہیں لکھا؟
انصار۔ میں نے تو کئی خط لکھے۔

رضیہ۔ جی ہاں سیدہ کی شادی اصغر سے ہوگئی۔
انصار۔ خوب نہیں معلوم تھی۔ تھا کب ہوئی؟
رضیہ۔ اس خط کے لکھے جانے سے ہفتہ بھر پہلے۔
انصار۔ عذرا کا کچھ ذکر لکھا ہے؟
رضیہ۔ لکھا تو ہے۔
انصار۔ کیا؟
رضیہ۔ آپ کو سُن کر افسوس ہوگا۔
انصار۔ (گھبرا کر) کیوں کیا بات ہے وہ اچھی تو ہیں؟
رضیہ۔ جی ہاں بالکل اچھی ہیں۔
انصار۔ پھر کیا ہے۔ آپ چھپا رہی ہیں بتائیے نا؟
رضیہ۔ مجھے یہ خیال ہے کہ آپ کو سُن کر رنج ہوگا اور آپ کے
رنج سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔
انصار۔ رضیہ نہیں بتا دیجئے مجھے الجھن ہو رہی ہے۔
رضیہ۔ آپ کا اس قدر اصرار ہے تو سنیئے۔ بھائی نے لکھا ہے کہ
سیدہ کی شادی ہوگئی اور اب سب کا اصرار ہے عذرا کی شادی
بھی بہت جلد کر دی جائے۔ فرحت حسن کا پیام سب کو پسند ہے
صرف عذرا کی مرضی لینی باقی ہے اگر وہ بھی رضامند ہوگئی تو
بہت جلد شادی ہو جائے گی۔
انصار سکتے میں رہ گئے۔ اُن کے چہرے کا رنگ جلد جلد
بدلنے لگا۔ انھوں نے اپنا سر کرسی کے تکیے پر رکھ دیا اور کسی گہری
فکر میں ڈوب گئے۔ رضیہ چند منٹ انصار کی حالت کو غور سے دیکھتی رہی

رضیہ۔ میرے نام ؟ لائیے دیکھوں۔
انصار۔ یہ لیجئے۔ شاید یہ سوچا ہو کہ آپ میرے قریب ہی رہتی ہیں، میں دے دوں گا۔ پیسے بچیں گے۔
رضیہ۔ (ہنس کر) کنجوسی کی حد ہو گئی۔
انصار نے رضیہ کو خط دے کر لفافے میں دیکھا کہ شاید اس کے نام کا خط اسی لفافے میں ہو مگر وہ خالی تھا۔ اُسے بہت مایوسی ہوئی۔
انصار۔ خدا جانے کیا قصہ ہے۔ پتہ میرا، ناحرہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اور اس سے خط فرخ کا نکلا۔ اور نام رضیہ کے۔ میرے نام دونوں میں سے ایک نے بھی نہ لکھا۔
رضیہ نے خط پڑھا تو اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ، اور ماتھے کی شکنوں سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات سخت ناگوار گزری ہے۔ انصار کا جی چاہتا تھا کہ رضیہ سے فرخ کا خط مانگ کر پڑھے مگر تہذیب اجازت نہ دیتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔
انصار۔ کہئے خیریت ہے۔
رضیہ۔ (اپنی طبیعت پر قابو پا کے) جی ہاں۔
انصار۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناحرہ اور فرخ نے ساتھ خط لکھا اور غلطی سے آپ کے لفافے پر میرا پتہ اور میرے پر آپ کا پتہ لکھ دیا غالباً میرے نام کا خط آپ کے لفافے میں نکلے گا۔
رضیہ۔ ممکن ہے
انصار۔ ایسا ہو تو مجھے آج ہی بھیج دیجئے گا۔ اور کوئی نئی خبر؟

انصار۔ بھئی مجھے تو یہاں کی سردی کے مقابلے میں ہندوستان کی گرمی لاکھ درجہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اب سردیاں آ رہی ہیں اور میری روح فنا ہوئی جاتی ہے۔

رضیہ۔ خیر آج کا موسم تو آپ کی پسند کا ہے۔ گھر میں بند کیوں بیٹھے ہیں چلئے کہیں سیر کو چلیں۔

انصار۔ آج ہندوستانی ڈاک کا دن ہے نا۔ ایک بجے آئے گی اس کے انتظار میں ہوں۔

رضیہ۔ (ہنس کر) اوہ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ پاپا کو بھی ممی کے خط کا انتظار ہوگا۔ اسی لئے وہ بھی باہر نہیں گئے۔

انصار۔ (مسکرا کر) تعجب ہے آپ بھول جاتی ہیں۔ میں تو کبھی نہیں بھولتا۔

رضیہ۔ مجھے خطوں کا شوق نہیں۔ نہ زیادہ لکھتی ہوں اور نہ چاہتی ہوں کہ میرے نام بہت سے خط آئیں۔

انصار نے کال بیل ہلکائی دونوں نے پی۔ ایک بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے کہ مس جولی اجازت لے کر اندر آئی اور ٹرے میں ڈاک تھی۔ انصار نے بیتابی سے ڈاک اٹھالی۔ دو تین اردو کے رسالے اخبار تھے۔ دو خط اس کے دوستوں کے تھے اور ایک پر ناصرہ کے ہاتھ کا پتہ لکھا ہوا تھا انصار نے جلدی سے ناصرہ کا خط چاک کیا۔ لفافہ پڑھا تو تعجب کے آثار چہرے سے ظاہر ہوئے پلٹ کر لکھنے والے کا نام دیکھا اور غصہ سے بولے۔

انصار۔ ذرا یہ تماشہ دیکھئے گا۔ فرح نے آپ کو خط لکھ کر میرے لفافے میں رکھ دیا ہے۔

منتظر تھے۔ ایک موہوم سی امید یہ تھی کہ شاید ندرا کا خط بھی آجائے
وہ انتظار میں بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ملازم نے دروازہ
کھٹکھٹایا اور اندر آکر ایک چاندی کی ننھی سی ٹرے میں ملاقاتی کارڈ
پیش کیا جس پر سنہری حرفوں میں "رضیہ نعیم بی اے" لکھا ہوا تھا۔
انصار نے کہا بس جلدی اس کو یہاں لے آؤ۔ چند لمحے بعد رضیہ
خوب صورت ریشمی ساڑی اس پر جرکا لمبا کوٹ پہنے، جدید ترین
فیشن کے بال سنوارے اندر داخل ہوئی۔ یورپ کی صحت بخش آب ہوا
کا اثر صاف اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا، رنگ پہلے سے
زیادہ صاف ہو گیا تھا اور رخساروں پر دلآویز سرخی جھلکتی تھی۔
نہایت احتیاط اور خوب صورتی سے میک اپ کیا ہوا سرخ ہونٹ
گلابی گال، بالوں میں مصنوعی لہریں، ہلکا ہلکا جڑاؤ زیور، پاؤں
میں چار انچ اونچی ایڑی کا سینڈل چٹکتی ہوئی انصار کے کمرے میں
داخل ہوئی۔ انصار نے کتاب پلٹ کر پاس کی میز پر رکھ دی اور
اٹھ کر خیر مقدم کیا۔ بیباک سے تپاک ہیٹہ ہوا۔ رضیہ ایک گدے دار
کرسی پر بیٹھ گئی اور انصار اس کے پاس دوسری کرسی پر۔

رضیہ۔ آج موسم بہت خوشگوار ہے۔

انصار۔ ہاں شکر ہے آج کئی دن کے ابر اور کہر کے بعد دھوپ کی
شکل نظر آئی۔ مجھے تو یہاں کا موسم بالکل پسند نہیں۔

رضیہ۔ مجھے تو بہت پسند ہے۔ مزے سے آتش دان کے سامنے بیٹھے
مطالعہ کرتے رہو اور کافی پیتے رہو۔ ہندوستان کی گرمی خدا کی پناہ۔
خیال ہی سے پسینہ آجاتا ہے۔

تین چار مہینے سے ڈپٹی نعیم احمد اور رضیہ انصار کے مکان سے
قریب ہی ایک ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ اکثر شام کو چہل قدمی کے
وقت یا اتوار کے دن دوپہر کو اور کسی تعطیل میں رضیہ اور انصار کی
ملاقات ہو جاتی تھی۔ اکثر رضیہ انصار کے ہاں ملنے آتی کبھی اس کو
اپنے ہاں کھانے چائے وغیرہ پر مدعو کرتی۔ کبھی کبھار نعیم احمد بھی
آجاتے انصار پہلے تو ان باپ بیٹی سے بہت گھبرایا کرتے تھے،
لیکن اب ایک تو پردیس میں یوں ہی اپنے ہم وطن لوگوں سے انسیت
بڑھ جاتی ہے دوسرے بچارے انصار اُبلا اور بدبودار کھانا کھاتے
کھاتے عاجز آ گئے تھے۔ اب جو رضیہ نے اُسے سموسے شامی کباب
پلاؤ قورمہ، ماش کی دال اور پھلکیاں اور پوریاں کھلائیں تو انصار
کو یہ نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوئیں۔ وہ بڑے شوق سے رضیہ کی
دعوت قبول کرتے اور بدلہ میں اکثر اپنے ہاں دعوت میں کبھی ملا یا پڑتا
کبھی سینما چلنے کی دعوت دیتے کبھی تھیٹر یا پک نک پارٹی میں۔ رضیہ
نہایت خوشی سے اس کی دعوت قبول کرتی اور بڑے انہماک سے
اس کی دعوت میں اپنے ہاتھ سے چیزیں پکا کر کھلاتی۔ وہ انصار کی
اس کمزوری کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ انصار نے ایک آدھ مرتبہ محسوس
کیا کہ رضیہ عذرا کے ذکر کو پسند نہیں کرتی اور جب کبھی اس کا ذکر ہوتا
ہے اسے ٹال کر دوسری باتیں چھیڑ دیتی ہے۔

آج ہندوستانی ڈاک کا دن تھا۔ انصار کے پاس کئی ہفتے سے
کسی کا خط نہیں آیا تھا اور وہ نے چینی سے ریامس اور ہاجرہ کے خط کے

کہ لغیر کہے اس کے موروں میں رو ہو جاتا ہے۔ مورے رومال اور کالر دھو دیئے جاتے ہیں، کپڑے استری کئے ہوئے ملتے ہیں۔ وقت پر غسل خانے میں گرم پانی موجود ہوتا ہے۔ کمرہ صاف ستھرا اور سجا ہوا ملتا ہے۔ جوتے ہمیشہ چمک دار رہتے ہیں غرض ان کی ضرورت اور آرام کا ہر طرح خیال کیا جاتا ہے اکثر اصغار سوچتے کہ ہندوستانی عورت اور یورپین عورت میں کس قدر فرق ہے۔ وہ بچوں اور شوہر کو بھی اتنا آرام نہیں دیتی جتنا یہ غیر لوگوں کو دیتے ہیں۔ لیکن وہ انصاف پسند تھے۔ ساتھ ہی خیال آتا کہ ہندوستانی عورتوں کو جس قسم کے کام، جھگڑے، مصیبتیں، مشکلیں، پریشانیاں وغیرہ ہوتی ہیں ان کو برداشت کرنا اسی کا کام ہے۔ یورپین عورت پر اس سے چوتھائی بھی پڑیں تو اس کی سٹی گم ہو جائے ہندوستان غریب جاہل۔ گندا۔ غلام ملک۔ جہاں عورتوں کی حالت جانوروں کی سی ہے ان سے غلاموں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے ۔۔۔ وہ بچاری کرے تو کیا۔۔۔ ہم یہاں کی صفائی ستھرائی کو سراہتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارا ملک کس قدر گرد و غبار سے اٹا ہوا ملک ہے جہاں جتنی چاہیے صفائی کرو گرد صاف نظر آئے گا۔ پھر جن عورتوں کو آٹھ دس گھنٹے پکانے میں صرف ہو جائیں اور پرسے دسیوں بچوں کی پیدائش، پرورش ان کے ذمہ، شوہروں اور سسرال والوں کی محکومی اور غلامی اس پر طرہ۔ بھلا وہاں عورت کیا کرے اور کیا نہ کرے وہ کہاں سے اتنا وقت لائے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف دھیان دے۔ اس غریب کو تو چوبیس گھنٹے میں سے آدھ گھنٹہ بھی تفریح کے لئے نصیب نہیں ہوتا۔

کبھی نقلیں کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا ہندوستانی عورتیں پتھر یا اسٹیل کی
کی ہوئی ہیں جو ایسی قید و بند کی زندگی بسر کرتی ہیں اس پر انصار
انہیں ہندوستانی عورت کی طبیعت خیالات اور عقائد سمجھانے کی
کوشش کرتے جو ان کی سمجھ میں بہت کم آتے تھے۔ انصار کے پاس
اندرا گاندھی، سروجنی نائیڈو، رانی لکشمی بائی اور ہوا اور ہزاروں ہندوستانی عورتیں اتنی کہ مس اسمتھ
نے فیصلہ کیا کہ ہندوستانی لیڈیز حسن مجسم ہوتی ہیں۔ انہیں ان سب
میں اندرا سب سے زیادہ پسند آئی۔ انصار نے کہا یہ تو معمولی صورت
اور سانولے رنگ کی لڑکی ہے لیکن وہ اسی پر مصر تھیں یہ سب سے
زیادہ حسین ہے اور ان کا خیال تھا کہ سانولا رنگ خوبصورت ترین
رنگ ہے انصار ہنستے اور کہتے کہ ہمارے ہاں تو اکثر لوگ سانولے
رنگ والے کو بدصورت سمجھتے ہیں اور وہاں گورے رنگ پر لوگ جان
دیتے ہیں ایک دن انصار نے مس اسمتھ کو بتایا کہ یہ لڑکی جو آپ کو
پسند ہے مجھے بھی سب سے زیادہ پسند ہے اور میری منگیتر ہے۔
یہ سن کر مس اسمتھ بہت خوش ہوئیں۔ پوچھا آپ کی منگیتر آپ کو خط تو
لکھتی ہی ہوگی۔ انصار نے انہیں بتایا کہ ہمارے ہاں یہ بڑی معیوب
بات سمجھی جاتی ہے۔ اور اکثر میاں بیوی پہلے سے ایک دوسرے کی
شکل سے بھی واقف نہیں ہوتے لیکن میں اور یہ لڑکی بچپن سے
ساتھ رہے ہیں ایک دوسرے کو خط بھی لکھتے تھے مگر اب وہ شرم
کی وجہ سے نہیں لکھتی۔ مس اسمتھ کی سمجھ میں کسی طرح یہ نہیں آیا کہ خط
لکھنے میں شرم کی کون سی بات ہے۔
انصار یہاں اپنے گھر سے زیادہ آرام سے رہتے تھے۔ وہ دیکھتے

شروع شروع میں وہ عام یورپین لوگوں کی طرح ہندوستانیوں کے بارے میں عجیب عجیب خیالات رکھتی تھیں لیکن اب برسوں سے ان کے ساتھ رہتے رہتے انھیں معلوم ہوگیا ہے کہ ہندوستانی بھی یورپ والوں کی طرح انسان ہوتے ہیں، مافوق الفطرت مخلوق نہیں۔ ان میں بھی انسانی فطرت کی خوبیاں اور کمزوریاں دونوں پائی جاتی ہیں۔ وہ بھی جذبات اور احساسات اور دماغ رکھتے ہیں ان میں سب شہزادے اور رئیس ہی نہیں ہوتے، بلکہ متوسط طبقہ بھی موجود ہے اور غریب کنگال عوام بھی۔ مسز اسمتھ ایسے کرایہ دار طالب علموں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ان کے آرام کا ہر طرح لحاظ کرتیں اور ماں کی سی شفقت کا برتاؤ کرتی تھیں۔ شوہر کا انتقال ہوچکا تھا صرف دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی صوفیا ایک دکان میں کام کرتی تھی اور چھوٹی روزا اسکول میں پڑھتی تھی۔ انصار سال بھر سے مسز اسمتھ کے ہاں رہتے تھے۔ وہ جاڑے کے زمانے میں یہاں پہنچے اور اس کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے اتنی سخت سردی برداشت نہ کرسکے اور انفلوئنزا میں مبتلا ہوگئے۔ مسز اسمتھ نے نہایت محنت سلیقے اور جانفشانی سے انصار کا دوا علاج اور تیمارداری کی۔ اور انصار سے ان کو خاص لگاؤ پیدا ہوگیا۔ انھیں انصار بہت پسند تھے۔ وہ گھنٹوں انصار سے ہندوستانیوں کے متعلق باتیں پوچھا کرتیں۔ ہندوستانی طور طریقے، رسم ورواج، طرز معاشرت وغیرہ کا حال سن کر بہت محظوظ ہوتیں۔ بار بار کہتیں اوہ کیسے روما نٹک — کیسے سویٹ — کیسے دلکش — طریقے ہیں۔ انصار ہنستے اور کہتے کہ ان رسم ورواج میں بہت سے نقائص بھی — ہندوستانی پردے کا حال سن کر بے ساختہ بیچاری مسز اسمتھ بہت پریشان ہوتی تھیں اور

ستائیسواں باب

لندن میں بیکر اسٹریٹ کی ایک چھ منزلہ عمارت کے ایک
فلیٹ میں مسز اسمتھ رہتی تھیں۔ دو کمرے ان کے اور ان کی لڑکیوں
کے لئے مخصوص تھے۔ ایک ڈائننگ روم اور ایک سٹنگ روم تھا
اور دو کمرے وہ طالب علم لڑکوں کو کرایہ پر دے دیتی تھیں عام
طور پر ان کے کرایہ دار ہندوستانی لڑکے ہوتے تھے۔ آج کل ان کے
اں ایک مختصر سے آراستہ کمرے میں حس کے ساتھ چھوٹا سا باتھ روم
کی ہے انصار رہتے ہیں۔ دوسرے کمرے میں جنوبی ہند کا ایک ہندو لڑکا۔
مسز اسمتھ ادھیڑ عمر کی خوش مزاج اور سلیقہ شعار عورت ہیں،
انھیں ہندوستانیوں سے خاص دلچسپی ہے اور ہندوستان کے
متعلق جو لٹریچر شائع ہوتا ہے اس کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتی ہیں۔

رہنا مشکل ہے۔

خالہ جان اور مجدی چچی نے بہت زور لگایا فرحت نے خود آکر آپ کے بھوئی کی خوشامد کی مگر انھوں نے سب سے صاف انکار کر دیا۔ پھر بھی وہ لوگ کوشش کئے جا رہے ہیں۔ مگر عذرا کے بھائی اپنے ارادے میں پکے ہیں۔

دادا ابا بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ ان کی صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ جب سے آپ گئے ہیں کسی نے انھیں ہنستے نہیں دیکھا اماں جان کے انتقال کا بھی انھیں سخت صدمہ ہوا ہے۔

"وہ" اور فرخ باجی سلام و دعا کہتے ہیں۔ عذرا کی طرف سے تو چاہے سمجھ لیجئے۔ جواب بہت جلد دیجئے گا ورنہ فکر رہے گی۔

آپ کی بہن
ہاجرہ

ہاجرہ نے خط فرخ کو دے کر کہا تم بھی اس خط کی پشت پر جو لکھنا ہے لکھ دو۔ اور آج ہی رضیہ کو بھی خط لکھ دیا اور خط ڈلوا دیا تاکہ اسی ہفتے نکل جائے۔ فرخ نے خط ہاجرہ سے لے لیا۔

لی وجہ سے آپ کے خط کے جواب میں تاخیر ہوئی معاف کیجئے گا۔
لوسات دن ہوئے سیدہ حیر سے رخصت ہو کر سدھار گئی اصغر کا ارادہ
ہمیشہ کر بعد بمبئی جا کر اپنی تعلیم کی تکمیل کا ہے۔
میں نے ایک عجیب خبر سُنی ہے جس کا یقین نہیں آتا۔ سناہے کہ آپ کا
حال ہمارا در رضیہ سے رڑا میل جول بڑھ گیا ہے اور روایت تو یہ بھی ہے
کہ آپ رضیہ پر ریجھ گئے ہیں۔ لیکن یہ مستند خبر ہے کہ وہ اور اس کی ماں صرف
آپ پر ریجھی ہوئی ہیں اور چاہتی ہیں کہ عذرا کی طرف سے آپ کا دل
پھیردیں اور اپنا سالیں آپ سیدھے سادے آدمی ہیں۔ رضیہ کے
چلبلیوں سے واقف نہیں ذرا ہوشیار رہئے گا میں نے چھ سال
اس کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی رگ رگ سے واقف ہوں
بس عدایاد ہی میں رکھئے اس سے۔
میں نے آپ کا دوسرا خط بھی عذرا کو دے دیا تھا۔ اس نے
جواب اس کا بھی نہیں لکھا تاہم اس سے یہ سمجھئے گا کہ اس کو آپ کا
خیال نہیں۔ وہ لوگوں کے خصوصاً اپنی حالہ کے خیال سے خط نہیں لکھتی
لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس میں حیا کا مادہ زیادہ ہے لیکن اس کی جان
آپ میں اٹکی ہوئی ہے آپ کا ذکر آتا ہے تو اس کا چہرہ دیکھنے کے
قابل ہوتا ہے۔ آج ہی میں نے اس سے پوچھا تمھیں انصار بھائی یاد
نہیں آتے؟ تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ میرے پاس سے
بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ دوسروں کے
...ی ہے۔ بہرحال یاد رکھئے گا وہ دل وجان سے
...سے التعلق ہوئی تو اس کا دہ

لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔
ناجرہ۔ میری بات اور ہے تمہاری اور۔
عذرا۔ (بے ساختہ) تو کیا تم نے بھائی جان کو خط لکھے تھے؟
ناجرہ۔ (ہنس کر) اچھا یہ بات ہے؟ دولہا کو خط لکھتے شرم آتی ہے
عذرا۔ (جھینپ کر) تم تو مجھے ستانے کا بہانہ ڈھونڈتی ہو کیا میں نے
کبھی خط لکھا نہیں؟
ناجرہ۔ کسے؟
عذرا۔ انصار ــــ با ــــ
ناجرہ۔ (مسکرا کر) ہاں ہاں کہتے کہتے رک کیوں گئیں کہو نہ انصار ماموں کو۔
عذرا۔ (جھنجھلا کر) کہنے کو کیا ہوا سو مرتبہ کہہ سکتی ہوں ــ ان ــ
ہٹو بھئی میں جا رہی ہوں۔
ناجرہ۔ عذرا تم بڑی بے درد ہو۔ کبھی ان کا ذکر نہیں کرتیں۔ خط نہیں لکھتیں
کیا تمھیں کبھی انصار بھائی یاد نہیں آتے؟
عذرا۔ (سر ہلا کر) ۔ ۔
ناجرہ نے ہاتھ سے عذرا کا جھکا ہوا سر اونچا کیا تو دیکھا کہ عذرا کی
آنکھوں میں شرم اور محبت کے علاوہ آنسو بھی جھلک رہے ہیں دونوں
کی نظریں چار ہوئیں۔ ناجرہ کے آنسو ٹپک گئے۔ اور عذرا کے
آنکھوں ہی میں رہے۔

ناجرہ نے انصار کو خط لکھا۔
میرے پیارے انصار بھائی آداب سیدہ کی شادی کی مصروفیت

اس بات کی کچھ ٹوہ لی جائے۔ عذرا ہی خط لکھنے کا ارادہ تھا مگر اسی وقت
سارا آ گئی اور بات ٹل گئی۔
عذرا۔ ہاجرہ، امیدہ کے بغیر گھر کیسا سُونا سُونا لگتا ہے۔
ہاجرہ۔ ہاں میرا بھی بڑا جی گھبراتا ہے۔ تسنیم اور پروین بھی ہر وقت
اسے یاد کرتے ہیں۔
عذرا۔ مجھے تو ایک ایک منٹ دو بھر ہو رہا ہے۔ نہ جانے کب آئیگی۔
خط بھی نہیں لکھا۔
ہاجرہ۔ نئی نئی دلھن ہے۔ ابھی دولہا کے چاؤ چوچلوں سے اُسے
کہاں فرصت ہوگی۔
10930
26 4 89
عذرا۔ (طنز سے) جی ہاں۔
ہاجرہ۔ تم ابھی کیا جانو ان باتوں کو۔ جب وقت آئے گا تو پوچھیں گے۔
عذرا۔ ہٹو بھی۔ میں جا رہی ہوں مجھے خط لکھنے ہیں۔
ہاجرہ۔ عذرا تم نے انصار بھائی کے دوسرے خط کا بھی جواب نہیں دیا؟
عذرا۔ مجھے خط لکھنے کا خبط نہیں کہ ہر ایسے غیرے کو لکھتی پھروں۔
ہاجرہ۔ (مسکرا کر) انصار بھائی ایرے غیرے ہیں؟
عذرا۔ اُنہہ۔
ہاجرہ۔ ایمان سے بتاؤ تمہارا اُنھیں خط لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔
عذرا۔ تم خواہ مخواہ پیچھے پڑ جاتی ہو۔
ہاجرہ۔ میں آج انصار بھائی کو خط لکھوں گی تم ایک ذرا سا پُرزہ ہی
لکھ دو۔ وہ دیکھ کر کس قدر خوش ہوں گے۔
عذرا۔ (جس کا چہرہ شرم سے گلابی ہو گیا تھا) تم لکھ دو۔ میرے ہی

ہتھیاروں سے کام لیا جاتی ہے۔
ہاجرہ۔ یقین نہیں آتا کہ انصار بھائی عذرا کے علاوہ کسی اور کا دل میں
خیال بھی لائیں۔ وہ دل وجان سے اس پر فریفتہ ہیں۔
فرح۔ بھابی مرد کے دل کا کیا اعتبار۔ پھر نوجوان، کنوارا سیدھا سادہ
لڑکا چالاک عورت چاہے تو دم بھر میں اپنے قبضے میں کر سکتی ہے۔ میں
تو خود ہمیشہ ڈرتی رہتی ہوں۔ نسیم صاحب اگرچہ اپنی وفاداری اور فریفتگی
کا راگ اکثر الاپا کرتے ہیں مگر میں ہمیشہ چوکنی رہتی ہوں کہ کسی دوسری
کے دام میں نہ پھنس جائیں۔
ہاجرہ۔ (گہری سوچ میں) انصار بھائی سے یہ امید نہیں وہ بہت
یکسو طبیعت کے ہیں۔
فرح۔ تم سب کو بھائی جان پر قیاس کرتی ہو۔ وہ فرشتہ صفت
انسان ہیں۔ ان کا ساہر کوئی نہیں ہوتا۔
ہاجرہ۔ تمہارے بھائی آئیں تو انھیں بھی بتانا۔ دیکھیں وہ کیا کہتے
ہیں۔ ریاض آئے تو سب باتیں ان سے کہی گئیں۔ وہ بھی فکرمند
ہو گئے۔ کیونکہ خوب جانتے تھے کہ اگرچہ عذرا نے خود ہی شادی اور
نسبت کو لٹوا میں ڈالا اور بظاہر بے پروائی کا برتاؤ کرتی ہے لیکن
حقیقت میں وہ انصار کی ہو چکی اور اگر انصار نے بے وفائی کی تو
عذرا کی جان پر بن جائے گی۔ مگر انھوں نے یہی کہا کہ ڈپٹی صاحب
اور ان کی بیوی میٹھی کچھ بھی کیوں نہ کریں اور کہیں انصار پر
اثر نہیں ڈال سکتے۔
ہاجرہ اور فرح نے مشورہ کیا کہ رضیہ اور انصار کو خط لکھ کر

مجھے ان دونوں کا میل جول ناپسند ہے۔ انصار کا گرمسی خیالات رکھتا ہے
اس کا مستقبل بھی شاندار نہیں نظر آتا۔ اخبار کے کام میں بیٹ بھر روٹی مل جائے
تو بڑی غنیمت ہے وہ رضیہ کے قابل نہیں تم رضیہ کو سمجھاؤ کہیں اور ممانی نے
ابا تمہارے لئے انصار کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ مجھے اس خط کو پڑھ کر بڑی
فکر ہوگئی اور اس کرید میں رہی کہ دیکھوں خالہ کیا جواب دیتی ہیں انھوں
نے میاں کو لکھا کہ مجھے انصار بہت پسند ہے رضیہ کو کیوں منع کروتم خود انصار
سے میل جول بڑھاؤ اور اس پر اپنا اثر ڈال کر اسے سیرسٹری کرنے کی یا سول
سروس کے امتحان میں بیٹھنے کی ترغیب دو اگر وہ اس پر تیار ہو جائے تو بہت
اچھا ہے وہ نڈر ہیں اور قابل لڑکا ہے بہت ترقی کرے گا لیکن میں نے
سنا ہے کہ وہ عذرا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تم رضیہ کو ملنے جلنے سے
روکو ملکہ اور زیادہ موقع دو۔ البتہ اگر وہ اپنے خیالات پر اور اخبار کے
کام پر اڑا رہا تب بے شک اس سے رضیہ کو بچانا چاہیئے۔ اسی قسم کا
مضمون سارے خط کا تھا۔
ناہرہ۔ (فکرمند ہو کر) یہ تمہاری ساس تو بڑی چڑوں کی سی ہوئی نکلیں
بظاہر بڑی ہمدرد اور غمگسار بنتی ہیں۔ تمھی اماں جان مرحومہ
کو مشورہ دیا تھا کہ انصار بڑا خود سر اور ضدی لڑکا ہے۔ وحیدت
بہت اچھا ہے۔ اس سے عذرا کی نسبت کر دو۔ مجھے یہ خبر نہ تھی کہ
ان کا اپنا دل انصار بھائی پہ آگیا ہے
فرح۔ مجھے تو سوچ ہے کہ انصار بھائی پہ رضیہ کا جادو نہ چل جائے
کہنا تو نہیں چاہیئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ بڑی چالاک لڑکی ہے
اسے تو ہمیشہ سے عذرا سے لاگ ہے۔ اور وہ عورتوں کے سارے

حمیلہ خالتوں کو دو مرتبہ ریاض نے اصرار کر کے بُلایا مگر وہ نہ آئیں۔ دوسرے خط کے جواب میں بھابھی کو بہت بُرا بھلا لکھا کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ بڑی بہن بیٹھی رہے اور چھوٹی کا بیاہ کر دیا جائے دنیا کیا کہے گی؟ اگر تمھیں مجھے شریک کرنا منظور ہے تو عذرا کو مجھے دو۔ میں بھی ساتھ ہی برات لے کر آ جاؤں گی بھلا اس کا ریاض کیا جواب دیتے۔ چچا کو خط دکھایا تو انھیں بہت غصہ آیا کہ نہیں آتیں تو نہ آئیں عذرا ان کی خوشی پر بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔

غرض خوشی خوشی سلوبی اور سادگی سے اصغر اور رشیدہ کی شادی ہو گئی اور بی صغرا بڑے ارمان حوصلے سے بھاوج کو بیاہ کر اکر پورے آئیں۔ اپنے گھر میں اتارا اور بڑے دھوم دھام سے ولیمہ کیا۔

فرح بہن کی شادی میں شرکت کے لئے آئی تھی۔ ہفتے بھر تک شادی کا ہنگامہ رہا۔ دن بھر کے لئے یہ سب لوگ ولیمہ کی دعوت میں شریک ہونے اکر پور گئے۔ وہاں سے آ کر اگلے دن جب عذرا پڑوس میں کسی سہیلی کے ہاں گئی ہوئی تھی موقع دیکھ کر فرح نے ناحرہ سے کہا "دلھن بھابی کئی دن سے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں"

ناحرہ۔ (پاس بیٹھ کر) کیوں فرح باجی کیا بات ہے؟

فرح۔ کچھ دن ہوئے لندن سے رضیہ کا خط میرے نام آیا تھا۔ جس سے پتہ چلا کہ وہ اور خالو ابا انصار بھائی کے قریب ہی کسی فلیٹ میں رہتے ہیں۔ خیر میں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ابھی کوئی دو تین ہفتے ہوئے خالو ابا کا خط خالہ کے نام آیا جو اتفاق سے میرے ہاتھ پڑ گیا اس میں لکھا تھا کہ انصار اور رضیہ کا میل جول بہت بڑھ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رضیہ انصار کو پسند کرنے لگی ہے اور وہ بھی اس پر مائل معلوم ہوتا ہے

چھبیسواں باب

اصغر علی گڑھ سے بی ٹی کرچکا تھا۔ اُسے وہاں جونیر لکچرار کی جگہ مل رہی تھی مگر اس کی خواہش تھی کہ بمبئی جاکر تعلیم کے جدید طریقے سیکھے۔ سب کی رائے سے طے ہوا کہ پہلے شادی ہوجائے پھر اصغر مزید تعلیم کے لئے بمبئی چلا جائے اپریل میں سیدہ کا امتحان ہوا اور مئی کے شروع میں دہلی ہی سے سیدہ اور اصغر کی شادی نہایت سادگی کے ساتھ ہوگئی۔ محمد احسان رسم رسوم دھوم دھڑکے کے خلاف تھے اور ان کے حکم کے خلاف کون کرسکتا؟ جہیز کے لئے اب کچھ تو نسیمہ خاتون تیار کرچکی تھیں جو کسر تھی وہ ریاض نے پوری کردی ہزار روپیہ نقد دیا صغرا نے ماں کے بھاری جوڑے کے علاوہ کئی عمدہ فیشن کے مطابق جوڑے بنائے۔ اور بھاری گھسے زیور کو تڑوا کر نئے ڈیزائن کا جڑاؤ اور ڈائمنکٹ زیور بنوا کر چڑھایا۔

اپنے ارماں نہ نکالوں گی تو کب نکالوں گی؟
عذرا۔ خیر تو میں سیدہ سے ذکر کردوں گی۔
فرح۔ ہاں اور اسے سمجھا بھی دینا کہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ اطمینان سے پڑھتی رہے اسے کہیں غیر جگہ تو جانا نہیں۔ گھر کی گھر میں رہے گی۔
عذرا۔ بھلا ماں جی شادی کے ذکر کے بعد اطمینان کہاں ایسی بات یاد کرو۔
فرح۔ کہتی تو سچ ہو۔ وہ بے فکری، آزادی، خود مختاری، الڑھپن اب کہاں؟ یہ سب باتیں کنوارپنے کی زندگی کے بعد ختم ہو جاتی ہیں جان کو ہزاروں فکریں سیکڑوں جنجال لگ جاتے ہیں۔

کرہے ہیں۔ ان سب کا خیال ہے کہ شادی ہو جانے سے طبیعت بہلے گی اور صدمہ دور ہوگا۔ (مسکراکر) وہ لوگ تو دراصل تمہاری شادی بھی بہت جلد کر دیتے مگر کیا کیا جائے انصار بھائی چل ہی دیئے۔

عذرا نے ان سُنی کر کے کہا "باجی سیدہ کی شادی ہو گئی تو میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی۔ آج تک تو میں اس سے ایک دن کو بھی الگ نہیں ہوئی"

فرخ۔ اللہ رکھے بھائی ہیں، ولمس بھابی ہیں۔ کچھ دن میں خیر سے بچہ ہو جائے گا دل بہل جائے گا۔

عذرا (آنسو بھرکر) یوں تو جب اماں کے بغیر زندہ ہوں، تو اللہ رکھے سیدہ کو اس کے سدھارنے کے بعد بھی مر نہ جاؤں گی۔ مگر پھر بھی اس کی جدائی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی۔

فرخ بھائی جان چاہتے ہیں کہ تم سیدہ سے اس کی رائے دریافت کر لو۔

عذرا۔ بھلا میں کیسے چھوٹی بہن سے ایسی بات کہوں گی اور خواہ مخواہ اسے سالنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اصغر کو وہ ہرگز ناپسند نہیں کر سکتی۔ سالانہ امتحان سے پہلے اس قسم کا ذکر کرنا بھی نہیں چاہیئے۔ تین چار مہینے اس کے امتحان میں رہ گئے ہیں اس کے بعد اسے سُنا دیا جائے گا۔

فرخ۔ آخر گھر میں تیاری جو ہوگی۔

عذرا۔ خیر خود سے سمجھ لے تو اور بات ہے۔ ابھی سے تو اسے فکر میں پڑ کر امتحان کی خاک تیاری نہ ہو سکے گی۔

فرخ۔ صغرا نے لکھا ہے کہ میں جلد ہی آنے والی ہوں۔ آرسی مصحف کی رسم کروں گی۔ کہتی ہے میرے بس ایک یہ بھائی ہی ہے اس وقت

استعار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ ریاض، فرح، ناصرہ اور اس کے دونوں بچے آگئے۔ یہ سب لوگ اس طرح ترتیب کر ایک دوسرے سے ملے جیسے برسوں کے چھٹے ہوئے ہوں۔ یہ دیں کی صورت بہت پیاری تھی جیسے عیں میں بھی سی فرح۔ تسنیم بڑا ہو کر باپ سے زیادہ ملنے لگا تھا۔ دونوں بچے دن رات سیدہ کے گلے کا ہار رہنے لگے۔

ریاض نے پوچھا بچے کیسے ہوئے۔ سیدہ نے خوش ہو کر بتایا کہ یہ سب اچھے ہو گئے تھے میں اپنے کلاس میں اول آئی ہوں۔

سیدہ نے یہ بھی بتایا کہ چھوٹی ماموں کے پاس ایک زنانہ ادبی جلسے کی شرکت کا بلاوا آیا ہے اور تقریر کرنے یا افسانہ سنانے کی دعوت بھی ہے۔ ریاض نے اصرار کیا کہ ضرور دعوت کو منظور کر لو۔ اور تم سب وہاں جاؤ۔

رات بھر فرح اور عذرا باتیں کرتی رہیں۔ فرح نے عذرا کو جمیلہ خاتون اور محمدی بیگم کی ساری باتیں سنائیں۔ عذرا سب کچھ سن چکی تو بولی "باجی سچ کہتی ہو آج تک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک طرف تو یہ لوگ مجھے اس قدر برا بھلا کہتے ہیں، اور دوسری طرف اس قسم کی کوشش کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟"

فرح نے کہا بھائی جان کی مرضی ہے کہ سیدہ کے امتحان کے بعد فوراً اس کی شادی کر دی جائے۔

عذرا۔ بھائی جان کو ایسی کیا جلدی ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے ذرا سی تو بچی ہے۔

فرح۔ اماں کی وصیت بھی یہی تھی۔ چچا جان اور صغرا بھی جلد

ریاض۔ بھئی مجھے تمہارے خیالات کا کوئی علم نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ
بھی اسی مرضی سے پیام دے رہی ہیں۔ تم میرے بھائی اور دوست
ہو اور انصار کا معاملہ نہ ہوتا تو میں تمہارا پیام ضرور منظور کر لیتا
انصار سے بہت پہلے وعدہ کر چکا ہوں۔
فرحت اگر بالفرض انصار ولایت سے آ کر انکار کر دیں تو آپ منظور کر لیں گے؟
ریاض (مسکرا کر) اس قسم کی امید نہ باندھو۔ اس کا کوئی امکان نہیں
فرحت دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ شاید وہاں کوئی لڑکی اس کا دل
موہ لے اگر ایسا ہو تو مجھے نہ بھولئے گا۔
ریاض ہنس کر چپ ہو رہے۔ فرحت کے جانے کے بعد انھوں نے
بیوی سے اس کی باتیں کہیں۔ فرح کو تو اتنا غصہ تھا کہ فرحت کا
نام بھی سننا نہ چاہتی تھی۔ ریاض نے کہا فرحت واقعی عذرا کو پسند
کرتے ہیں لیکن پھر بھی انصار اور فرحت کا کوئی مقابلہ نہیں۔
فرح نے سن کر اطمینان کا سانس لیا۔ دوسرے دن ریاض
دہلی روانہ ہو گئے۔
عذرا اور سیدہ نے چپکی سے بہن بھائی اور بھاوج کا انتظار کر رہی
تھیں دونوں نے ان کے آنے کے دن گھر کو صاف ستھرا کر کے خوب
سجایا جا بجا پھولوں کے گلدستے رکھے۔ فرح کے لئے ایک بڑا سا
آرام دہ کمرہ الگ سجایا جس میں اس کے اور اس کے دونوں بچوں
کی ضرورت کی تمام چیزیں قرینے سے لگا دیں۔ اپنے ہاتھ سے کئی
طرح کے کھانے تیار کئے فرح کی بچی کے لئے دو لوں
بیٹیوں نے کپڑے اسویٹر موزے ٹوپیاں وغیرہ تیار کر رکھی تھیں آخر

ریاض فرح کو ہٹا کر لے گئے محمدی بیگم سخت ناراض واپس آ گئیں
شام کو فرحت ریاض کے پاس آئے۔ امی جان کی باتوں کی
معافی مانگتے ہوئے کہا بھائی ان کا مزاج تو ایسا ہی ہے۔ آپ میرا خیال
کیجئے آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں ہمیشہ عذرا کا خیال رکھوں گا
اور آپ جو چاہیں وہ شرائط کرا لیجئے مگر مجھے مایوس نہ کیجئے۔
ریاض۔ بھائی اس قدر اصرار کر کے مجھے شرمندہ نہ کرو۔ عذرا میں ایسی
کیا خوبی ہے آپ کو اس سے بہت بہتر لڑکی مل جائے گی۔
فرحت۔ ممکن ہے۔ مگر وہ میری پسند کی نہ ہوگی۔ آپ میرے بچپن
کے دوست ہیں اور میرے خیالات سے اچھی طرح واقف ہیں
مجھے تو عذرا ہی پسند ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں سات آٹھ سال
سے میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ شادی کروں گا تو عذرا سے ورنہ نہیں۔
مجھ پر بہت زور ڈالے گئے۔ بہت سی لڑکیوں کو تجویز کیا گیا مگر مجھے
کوئی بھی پسند نہ آئی۔ اگر آپ نے جواب دے دیا تو میری زندگی
تباہ ہو جائے گی۔
ریاض۔ تم اس قدر جذبات کی رو میں نہ بہہ جاؤ۔ میری بہن میں تو
کوئی بھی ایسی بات نہیں جو
فرحت۔ (بات کاٹ کر) یہ میں آپ سے بہتر سمجھ سکتا ہوں۔
ریاض۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں مجبور ہوں اگرچہ اعلان
نہیں ہوا لیکن سال بھر سے انصار اور عذرا کی نسبت ہو چکی ہے۔
فرحت۔ (بھوچکا ہو کر) اچھا؟ اور کسی کو علم نہیں۔ آپ نے انصار کا
خیال کیا اور میرا نہیں میں بھی تو آپ کا بھائی اور دوست ہوں۔

محمودی۔ (بھڑک کر) اونہہ ہوں گے لڑکے اچھے بھی۔ یہ زبان درازی بڑے
اجڑے خدا الصار املاطوں کے بچے ہیں کہ انہیں کوئی کچھ نہ کہے۔
بڑی آئی ہے میری جوتی کو غرض جو کسی کے معاملے میں دخل دے۔ جس کا جو جی
چاہے کرے ہماری بلا سے۔ نہ جانے اس چھوکرے کو اس کالی کلوٹی
نک چڑھی لونڈیا میں کون سے لعل لگے نظر آتے ہیں کہ اسی پر مٹا
ہوا ہے۔ ہم تو تھوکوں بھی نہیں۔ میرے لڑکے کو ایک سے ایک
بڑھ کر پڑھی لکھی خوب صورت اور امیر لڑکی مل سکتی ہے۔

فرح سہ دری میں اپنی ننھی بچی کو دودھ پلا رہی تھی اور ان
کی باتیں سن کر اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اب تک تو اس نے
ضبط کیا مگر اب ضبط نہ ہو سکا، بچی کو چھوڑ کر منہ غصے سے لال سہ دری
سے نکل آئی۔

فرح۔ بس چچی بس۔ بہت کہہ چکیں ہماری لڑکی کالی بدصورت
نک چڑھی اور بہت بری ہے۔ آئندہ اب اس کا نام بھی نہ لیجئے گا۔
بیاہ لائیے خوب صورت امیر اور تعلیم یافتہ بہو۔ منع کس نے کیا
ہے۔ واہ واہ یہ خوب بات ہے ایک تو زبردستی آ آ کر پیام دیں
اور منتیں کریں اور اوپر سے ہمارے منہ پر ہماری بہن کو
ہزاروں باتیں سنائیں۔

محمودی۔ چل چل ری لڑکی چار دن کی چھوکری مجھ سے زبان چلاتی
ہے۔ میں کیا کہتی ہوں۔ ساری دنیا ایسی ایسی باتیں کہہ رہی ہے
خدا کی پناہ۔

فرح۔ جو کسی پر بہتان باندھے اس پر خدا کا غضب ہی ٹوٹے۔

ریاض۔ چچی آپ کی یہ ضد تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ دوسرے کی لڑکی کے لئے کس طرح زبردستی کر سکتی ہیں۔

محمدی۔ تم مجھے بتاؤ بھی تو کہ آخر کیوں تم لوگ نہیں مانتے فرحت میں کیا عیب ہے؟ اللہ رکھے صورت شکل میں لاکھوں میں ایک ہزاروں روپیہ کما رہا ہے صاحب جائیداد ہے۔ تم سے زیادہ پڑھا لکھا ہے اور کیا کوئی کہیں کا بادشاہ ڈھونڈا ہے؟

ریاض۔ آپ نے جو صفات گنائیں وہ سب صحیح مگر اس کا کیا علاج کہ میں صورت، دولت، تعلیم اور خاندان کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی آپ دیتی ہیں۔

محمدی (ادئی اللہ)۔ تو وہ پھر کون سی چیز ہے جسے تم اہمیت دیتے ہو؟

ریاض۔ میں لڑکے اور لڑکی کی طبیعت کی موافقت اور پسند ناپسند کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔

محمدی۔ فرحت تو دل و جان سے چاہتا ہے کہ یہاں شادی ہو۔

ریاض۔ آپ میری بات نہیں سمجھ سکتی ہیں۔

محمدی (جھک کر) سمجھ کیوں نہیں سکتی خوب سمجھتی ہوں۔ اللہ بخشے تمہاری ماں میرے لڑکے کو بے حد پسند کرتی تھیں۔ تم لڑکی کی مرضی سے ناچار ہو جو اسی لنگوڑے انصار پر لٹو ہے۔ یہ جو بیگم سمدھن گھگھیاں بھرے بیٹھی ہیں انھیں نے سب کو بہکایا ہے اور میاں کے کان بھرے ہیں۔

ریاض۔ (غصے سے) آپ کو میرے گھر کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ مجھے اختیار ہے میں جہاں جی چاہے گا اپنی بہن کا بیاہ کروں گا آپ مہربانی فرما کر آئندہ عمداً یا خواہ مخواہ انصار کے متعلق کوئی بات نہ کہیں۔

ماں کی جگہ ہیں اور جمیل میرا بھائی ہے اور آپ دونوں سے مجھے جو محبت ہے وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس معاملے میں میری اور چچا جان کی متفقہ رائے یہ ہے کہ یہاں شادی نہیں ہوگی۔

جمیلہ۔ (غصے سے) آخر تم چچا بھتیجے کو وہ کون سا عرش کا تارا مل گیا ہے؟ کہاں کرو گے؟

ریاض۔ یہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔

جمیلہ۔ فرحت سے کرو گے؟ مجدی کا مزاج بھی دیکھا ہے؟

ریاض (متانت سے) میں نے تو سبھی کا مزاج دیکھا ہے۔

جمیلہ۔ اور یاد رکھنا اگر تم نے اس۔ بے ہودہ ۔ لونگے ۔ کرسٹے ۔ انصار سے کیا تو اچھا نہ ہوگا ۔ پھر نہ میں تمھاری خالہ نہ تم میرے کوئی۔

ریاض۔ انصار کے بارے میں آپ کو اس طرح نہیں کہنا چاہیے اس غریب نے آپ کا کیا بگاڑا ہے باقی رہا میں تو ہر حال میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھوں گا آگے آپ کو اختیار ہے۔

جمیلہ خاتون بہت بگڑیں ناراض ہوئیں۔ ریاض، انصار، فرحت سب کو برا بھلا کہتی رہیں آخر کھی آگئی تھی اُس نے انھیں سمجھانا چاہا تو اور زیادہ بگڑ گئیں اور اس غریب کو بھی سیکڑوں باتیں سُنا ڈالیں آخر دونوں میاں بیوی خاموش ہو گئے ۔ اور جمیلہ بک جھک کر بہن کو یاد کرتی روتی واپس چلی گئیں۔

جمیلہ خاتون کے جانے کے اگلے دن مجدی بیگم آدھمکیں اور دھرنا دے کر بیٹھ گئیں کہ میں تو آج منھ میٹھا کر کے جاؤں گی۔ ریاض نے انھیں ٹالنا چاہا مگر وہ کسی طرح نہیں مانتی تھیں آخر ریاض کو سختی سے انکار کرنا پڑا۔

کھاتا ہے۔ پھر آخر کیوں اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینا چاہتے ہو؟

ریاض۔ (نرمی سے) خالہ جان آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہیں — غریبی امیری کا تو کوئی سوال ہی نہیں اور نہ خدا نخواستہ کوئی آپ کو یا جمیل کو ذلیل سمجھتا ہے لیکن شادی کا معاملہ ایسا نہیں جسے محض کسی کی خوشی یا خاطر کی وجہ سے طے کر دیا جائے۔ یہ دو آدمیوں کی ساری زندگی کا سوال ہے۔ عذرا اور جمیل کی طبیعت ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہے کہ نہ جمیل عذرا سے خوش رہ سکتے ہیں نہ عذرا اُن سے۔

جمیلہ۔ ہاں میرا لڑکا بے پردگی اور آزادی کا حامی نہیں ہے۔ بیتیں نہیں کرنے گا پردے میں رکھے گا۔ تمہیں یہی اعتراض ہے نا؟ بیوی بہنوں کو بے پردہ پھرا کر ماں کی روح کو خوش کرو گے۔

ریاض۔ خالہ جان آپ ہر معاملے میں پردہ اور مذہب کیوں لے آتی ہیں یہ کیسے ثابت ہوا کہ اگر عذرا کی شادی جمیل سے نہ ہوئی، تو وہ بے پردہ اور لامذہب ہو جائے گی۔ اور اگر آپ عذرا کو اس قدر نا سمجھتی ہیں تو آخر کیوں اس رشتے پر مُصر ہیں کوئی اپنی پسند کی لڑکی تلاش کیجئے۔

جمیلہ۔ ہاں ہاں عذرا میں لال نہیں لگے۔ میں تو اسی کے بھلے کو چاہتی ہوں کہ میری بھانجی میرے پاس رہ کر میرے حکموں پر چل کر دین دنیا کی سعادت حاصل کرے۔ بہرحال صاف صاف بتاؤ کہ تمہیں کرنا ہے یا نہیں۔

ریاض۔ اور کس طرح صاف صاف کہوں۔ خالہ جان آپ میری

اپنے بیگلے چلی گئی۔ جمیلہ خاتون نے بڑی لمبی چوڑی تمہید کے بعد جس میں ایسا نی وغیرہ کا بیاں تھا نسیمہ خالوں کے اصلی اور فرضی وعدوں کا ذکر کیا اور کہا "اب چونکہ سب مناسب رہے گا کہ جلد عذرا اور جمیل کی شادی ہو جائے۔" ریاض خاموشی سے ان کی طول طویل گفتگو سنتے رہے تب وہ مطلع کے مدیر سمجھیں تو بولے۔

ریاض۔ خالہ جان جہاں تک مجھے یاد ہے اماں نے آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔

جمیلہ۔ ہرگز نہیں نسیمہ نے کبھی مجھ سے انکار نہیں کیا۔ تم چچا بھیجے کی وجہ سے وہ صاف صاف اقرار نہیں کر سکی تھی لیکن ان کی تو دلی آرزو تھی کہ بیٹی بھانجے سے بیاہی جائے اور ہم دونوں الگ نہ ہوں۔

ریاض۔ میں آپ سے زیادہ ان کے حالات اور رائے سے واقف تھا۔ انہیں آپ سے اور جمیل سے بے شک بہت محبت تھی لیکن رشتوں کے معاملے میں ان کی یہ پختہ رائے تھی کہ جہاں تک ہو سکے خاندان سے باہر کیا جائے۔ طبی اصول بھی یہی ہے کہ قریبی عزیزوں میں شادی نہیں کرنی چاہیئے۔

جمیلہ۔ تم مجھ سے ابھی ڈاکٹری تو چھانٹو نہیں۔ میں نے چار سال سے عذرا کا نام دے رکھا ہے اور برسوں سے تم لوگوں نے مجھے اُدھر میں لٹکا رکھا ہے ولایت جا کر اور بڑا آدمی بن کر انسان کو اپنے کو بھول جانا چاہیئے۔ مانا کہ تم اور تمہاری بہن امیروں میں بیاہے ہو مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ غریب عزیزوں کی بے عزتی کی جائے۔ میں غریب ہوں مگر اللہ نہ کرے میرا لڑکا کسی کا محتاج تو نہیں اپنی محنت کی روٹی

روہ باغ علی خاتین جہاں اس کی ملاقات بعض مشہور خواتین سے ہوئی
اتوار کو کبھی کبھی اصغر علی گڑھ سے آجاتا تھا۔ ایک بار جمیل اور دوتین ما
فرصت بھی ملنے آئے اب عذرا اور سیدہ کی صحت بحال تھی عذرا نے لکھنے
کا شغل پھر سے شروع کردیا تھا لیکن اس کی تحریروں میں شگفتگی اور رمہ دلی
کے بجائے درد و سوز نظر آتا تھا سارے دن کے مشاغل سے تھک کر رات
کو جب وہ سوتے کو لیٹتی تو رات گئے تک ستاروں کی طرف ٹکٹکی لگائے ماضی
کے اوراق الٹتی پلٹتی رہتی اکثر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے،
انہیں وہ اسی طرح بہنے دیتی اور تکیہ بھیگ جاتا۔ کبھی کبھی اس کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوجاتی —
اور ایسے وقت عذرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی کہ کسی نے اسے اس
حال میں دیکھ تو نہیں لیا؟

نسیمہ خاتون مرحومہ کی چھ ماہی کا دن قریب آگیا۔ فرح سیدہ سے دس دن
پہلے اکبر پور آگئی تھی اور تیاری میں مصروف تھی بہت بھر پہلے ناصر اور
تین دن پہلے ریاض بھی وہاں پہنچ گئے سیدہ کا امتحان ہو رہا تھا اس
لئے وہ نہیں جاسکتی تھی اور اس کی وجہ سے عذرا کو رکنا پڑا یعنیں اور
بڑے میاں دونوں بوڑھے معتبر اور قدیمی ملازم تھے۔ ریاض ان کو اپنا
بزرگ سمجھتے تھے اس لئے وہ بغیر کسی پس و پیش کے ان دونوں کو بہنوں
کے پاس چھوڑ کر اکبر پور چلے آئے۔ جمیلہ خاتون نے جب یہ سنا کہ لڑکیاں اکیلی
دلی میں ہیں اور بھائی بھاوج چلے آئے ہیں تو انھیں بہت ناگوار گزرا۔

چھ ماہی کی فاتحہ کے تیسرے دن جمیلہ خاتون بھاوج کے پاس آئیں
اور کہا مجھے تم سے اکیلے میں کچھ باتیں کرنی ہیں۔ ناصرہ اس کا مطلب سمجھ کر

پچیسواں باب

سیدہ کو ریاض نے اسکول میں داخل کردیا۔ عذرا کالج میں داخل ہونا چاہتی تھی مگر وہاں پردے کا انتظام نہیں تھا اس لئے مجبوراً اسے اپنی خواہش دبانی پڑی اور گھر پر بھائی سے انگریزی فارسی پڑھتی رہی۔ ریاض لائبریری سے اردو کی عمدہ عمدہ منتخب کتابیں اور آسان انگریزی کی کتابیں ہاجرہ اور عذرا کے لئے لاتے رہتے تھے۔ عذرا لکھنے کا کام کرتی، چند گھنٹے انگریزی پڑھنے میں صرف کرتی۔ رات اور دوپہر کو مطالعہ کیا کرتی۔ باقی وقت بھاوج کے ساتھ گھر کے کام کاج اور سینے پرونے میں صرف کرتی تھی۔ دہلی میں ان کی اکثر عورتوں سے ملاقات ہو گئی تھی۔ اکثر شام کو تینوں نند بھاوجیں ملنے ملانے چلی جاتیں۔ رات کے کھانے کے بعد ریاض ان تینوں کو لے کر چہل قدمی کے لئے نکل جاتے کبھی کبھی عذرا اور ہاجرہ

عذرا۔ تم خود ہی لکھ دینا۔
ہاجرہ۔ کیوں تم نہیں لکھو گی؟
عذرا۔ نہیں۔
ہاجرہ۔ انھوں نے تمھارے نام تعزیت کا خط لکھا ہے تمہیں ضرور اس کا جواب دینا چاہیئے۔ انھیں بھی اماں جان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا ہوگا۔ پردیس میں کوئی تسلی دلاسا دینے والا بھی نہیں تمہارے خط سے انھیں بہت تسکین ہوگی۔
عذرا۔ ہاجرہ ـــ بھئی ـــ میں نہیں لکھ سکتی۔
ہاجرہ۔ آخر ہرج کیا ہے۔ تم ہمیشہ ان کو خط لکھتی رہی ہو اب کیوں نہ لکھو۔ تمہارے بھائی تو خود مجھ سے کہہ رہے تھے کہ عذرا سے خط کا جواب ضرور لکھنا۔
عذرا۔ کوئی بھی کچھ کہے میں خط نہیں لکھ سکتی۔
ہاجرہ۔ خواہ اس سے انصار بھائی کو کتنا ہی صدمہ ہو۔ تمہاری یہ باتیں تو سمجھ میں نہیں آتیں آخر ایسے دنیا کے سے حالات کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔
عذرا۔ تم خالہ جان اور مجھلی چچی کی باتیں بھول گئی ہو مگر میرے دل پر نقش ہیں۔
ہاجرہ۔ ان کے کہنے سے کیا ـــ"
عذرا۔ بھئی میں نے کہہ جو دیا۔ خواہ مخواہ کے اصرار سے کیا فائدہ۔ تم خود میری طرف سے لکھ دینا۔
ہاجرہ۔ کیا؟
عذرا۔ جو مناسب سمجھو۔

عذرا۔ ایک غریب الوطن، حس کی وہ ماں بھی اس سے رخصت ہوگئی
جس کو اس نے دوبارہ پایا تھا اور جسے اب کوئی سمجھا جاتا ہے والا نظر نہیں آتا،
صرف تمہاری یاد اور محبت کے سہارے زندگی گذار رہا ہے تمھیں اپنی
صحت اور زندگی اپنے لئے نہیں تو اس کے لئے ضرور عزیز ہونی چاہیئے۔
نہ جانے تم میرے خط لکھنے کی جرأت کو پسند بھی کروگی یا نہیں ریاض بھائی
کی طرف سے مجھے اطمینان ہے کہ وہ اسے بار بار سمجھیں گے یا تمھاری طبیعت سے
ڈرتا ہوں بہرحال میرا دل نہ مانا کہ اس موقع پر اپنی عذرا کے غم میں شریک نہ ہوں
جواب مل گیا تو اپنی قسمت پر ناز کروں گا، نہ ملا تب بھی مایوس نہ ہوں گا

شریک غم
صرف تمہارا انصار

عذرا نے بار بار خط پڑھا اور ہر مرتبہ اس کی آنکھوں سے اشک جاری ہوئے
لگی آخر اٹھی آنسو خشک کئے منھ دھویا اور خط لاکر ناحرہ کے ہاتھ میں دے دیا
ناحرہ نے اس کا منھ دیکھ کر کہا "پڑھ لوں ؟" عذرا نے کہا "ہاں ضرور" ناحرہ خط
پڑھنے لگی اور عذرا کو ریاض کے نام والا خط دیا۔ عذرا نے پڑھا تو قریب قریب
وہی مضمون تھا جو عذرا کے خط کا۔ اتنا اور لکھا تھا کہ مجھے عذرا کی صحت کی
طرف سے بڑی فکر ہے وہ پہلے ہی سے اس طرف سے لاپرواہ رہتی تھیں
اب خدا جانے کیا حال ہو آپ سے کہنے کی تو ضرورت نہیں۔ ان کے دل بہلانے کا
کوئی انتظام ضرور کیجئے آخر میں تھا کہ ساتھ ڈپٹی نعیم احمد اپنی صاحبزادی کو
لے کر یورپ آئے ہیں اور عنقریب انگلستان آنے والے ہیں۔
ناحرہ۔ عذرا انصار بھائی کے خط کا جواب لکھو تو مجھے بھی بتا دینا میں بھی
ایک پرچہ بھیجوں گی۔

عدرا تھا جس کو جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ لے دے دیتی تھیں کسی کو روپیہ، کسی کو صلاح مشورہ، کسی کو خدمت اور ہمدردی اور کسی کو محبت اور شفقت۔

ایسی انمول ہستی کا صدمہ اس کی اولاد کو جتنا بھی ہو کم ہے اور پھر تم جو اپنی ماں کو سب سے زیادہ چاہتی تھیں۔ دنیا کی ہر چیز اور ہر ہستی سے زیادہ ان کو عزیز رکھتی تھیں۔ میں یہ خیال کر کے کانپ جاتا ہوں کہ تمہارے دل کی کیا حالت ہوگی۔ جس کا دل اتنا نازک، اتنا حساس اور اتنا پُر محبت ہو وہ کیسے اس جان فرسا صدمہ کو سہے گی۔ کاش میں اس وقت وہاں ہوتا اور اپنی عذرا کی کچھ دلجوئی کر سکتا۔ میری جان عذرا — مجھے یقین ہے کہ اس وقت تم اپنی سیرت کی پختگی دکھاؤ گی، اپنی قوت برداشت اور قوت ارادی سے کام لے کر اس صدمہ کو جھیل لوگی اور اپنی صحت کو بحال رکھو گی۔ تمہیں اس سے تقویت اور روحانی مسرت ہونی چاہیئے کہ تمہاری ماں ایسی ہستی تھیں جن کا صدمہ ہزاروں آدمیوں کو ہے۔ مبارک ہیں وہ مرنے والے جن کا غم سچے دل سے اتنے آدمی کریں۔ تم اکیلی نہیں تمہارے غم کے بہت سے شریک ہیں۔ جن کی ایسی زندگی اور ایسی موت ہو اس کی اولاد کے لئے غم کی نہیں خوشی کی بات ہے۔ وہ مری نہیں۔ مر ہی نہیں سکتیں۔ ان کی خوبیاں دلوں پہ ثبت رہیں گی۔ وہ زندہ رہیں گی۔ اپنی نیکیوں کی شکل میں اپنی نیک اور سعادت مند اولاد کی صورت میں۔ اور ہزاروں دلوں میں۔ خدا اور اس کی مخلوق سے سچی محبت کرنے والی ہستی کہاں مر سکتی ہے؟ اسی چیز کے سہارے ہم یہ غم سہار سکتے ہیں۔

سارے دن پاگلوں کی سی حالت رہی کوئی ایسا نہ تھا جو مجھے سمجھاتا یا تسلی دیتا یا جس
سے ذکر کرکے جس کے سامنے دل کھول کر رو کے میں دل کی بھڑاس نکالتا۔ کئی
دن تک میری حالت ایسی رہی کہ خط تک نہ لکھا آج تین چار دن کے بعد اس
قابل ہوا ہوں۔

عذرا۔ میں تم سے کس طرح اظہار تعزیت کروں ۔ کیا لکھوں ۔ کیسے
سمجھاؤں؟ آہ میری آپا جان بے مثل صفات کی حامل اور سراپا محبت تھیں
جنھوں نے غیروں اور دشمنوں کو بھی اپنا لیا تھا۔ ان کا صدمہ چند لوگوں
تک محدود نہیں بلکہ جو ایک بار بھی ان سے ملا ہے انھیں کبھی نہیں بھلا سکتا
پھر ان کے غم کی کیا انتہا ہو سکتی ہے جن کی وہ ماں تھیں یا جن کو ماں کی
طرح چاہتی تھیں۔ جس وقت میں ماما ابا کے ساتھ حیدرآباد سے آیا تو یتیم و
بے آسرے ماں کا بچہ اور محبت کا بھوکا تھا ۔ میں نے ایسی ماں کو نہیں دیکھا
تھا اور نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ ماں کیا ہوتی ہے؟ لیکن آپا جان کے سایۂ
عاطفت میں آنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ ماں کیسی شفیق، غمگسار کیسی
چاہنے والی کتنی پیاری اور انمول چیز ہے ۔ مجھے اکبر نو۔ آکر ایک ماں مل گئی
جس نے مجھے کبھی یہ احساس نہ ہونے دیا کہ میری حقیقی ماں نہیں ہے۔
عذرا ۔ ان کی سیرت کی سب سے جامع تعریف یہی ہے کہ وہ ماں
تھیں اصلی، حقیقی، صحیح اور وسیع معنوں میں۔ جو صرف اپنے بچوں
ہی کی نہیں بلکہ ساری دنیا کے بچوں کی ماں تھیں۔ جس عورت کے دل
میں ساری دنیا کی ماں بننے کی صلاحیت موجود ہو اس میں دنیا کی سب
بہترین خوبیاں اور نیکیاں موجود ہو سکتی ہیں ۔ اس دل کی وسعت کتنی
ہوگی جس میں ہر ایک کے لئے جگہ تھی۔ ہر ایک کی خدمت اور ہمدردی کا

عدرا تم یہ سوچ کر سیدھے کے بیٹھے سے دل کا کیا حال ہوگا تمہیں اب اس کی ماں بن کر دکھانا چاہئے۔ تم اپنے بھائی کا تو خیال کرو جس سے تمہیں اتنی محبت ہے اس کا صدمہ تم سے کہیں زیادہ سخت ہے اس کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ فکریں بڑھ گئی ہیں تم بجائے انکی کم کرنے کے اور بڑھاتی ہو جس کے ایسے جیسے والا بھائی ہو اسے اور کیا چاہئے؟
عدرا کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی ریاض نے اُٹھ کر بہن کو گلے سے لگایا تو وہ اور بھی بے قرار ہوگئی اور اس کے منہ سے نکلا "اے بھائی جان میری اماں" اس پر ریاض اور سب لوگ زیادہ رونے لگے دیر بعد عدرا نے اپنی طبیعت کو قابو میں کیا آنسو پونچھ کر سسکیوں کے درمیان آہستہ کہا چچا جان آپ صحیح فرماتے ہیں واقعی میں سخت نالائق ہوں لیکن اب آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔"
محمد احسان میاں ریاض اب تم ان سب کو لے کر دہلی چلے جاؤ وہاں سیدہ اور عدرا کو ڈاکٹر کو دکھا کر دوا وغیرہ تجویز کرانا ان کی غذا کا خیال رکھنا اور ان کی تفریح کا انتظام کرنا تم بھی کام میں لگو گے تو طبیعت بہلے گی۔
ہاجرہ۔ (دل ہی دل میں) چچا جان سب لوگ اعتراض کریں گے کہ چہلم سے پہلے گھر بند کر کے چلی گئیں۔
احسان (سخت لہجے میں) بکنے دو۔ ہم لوگوں کے کہنے کی پرواہ کریں یا اپنے بچوں کی صحت کی
چار پانچ دور لبو۔ فرح اپنے میاں کے پاس چلی گئی اور ریاض ہاجرہ سیدہ اور عدرا کو لے کر دہلی آ گئے۔ دہلی آنے کے تیسرے دن اکبر پور سے ہوتا ہوا الطاف کا تعزیتی خط آیا۔ ایک ریاض کے نام ایک عدرا کے نام۔ عدرا خط لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ بند کر کے پڑھنے لگی۔
عدرا۔ ریاض بھائی کے تار سے اس روح فرسا سانحہ کا حال معلوم ہوا۔

غفلت کرکے برباد کرلیا تو اس سے ماں کا دیدار تو نصیب ہوگا؟ اس ساری زندگی برباد ہوجائے گی۔ دلہن سے میں بہت خوش ہوں انھوں نے باوجود انتہائی صدمہ کے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پوری طرح اور خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ فرح نے بھی اپنی سی پوری کوشش برداشت کی کی ہے فرح میرا خیال ہے کہ اب تم نسیم کے ساتھ چلی جاؤ وہاں تمہاری طبیعت بہلے گی لیکن عذرا تم سے مجھے بہت شکایت ہے میں تو تمھیں سب سے زیادہ باہمت سمجھتا تھا لیکن تم نے تو بالکل ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے۔ تمھاری صحت گر رہی ہے۔ دیکھو کس قدر دبلی اور زرد ہوگئی ہو میں نے سنا ہے کہ تم نے کھانا پینا بھی برائے نام کردیا ہے۔ پڑھنا لکھنا، گھر کا کام کاج یہاں تک کہ بات کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ خادم بچاری کا ذرا سا ہاتھ نہیں بٹاتیں چھوٹی بہن کی دلدہی نہیں کرتیں۔ تم تو بڑی ہو اس کا خیال کرنا چاہیئے وہ ہر وقت تمہاری فکر میں گھلی جاتی ہے۔ تم شاید سمجھتی ہو کہ اس طرح کرنے سے اپنی زندگی ختم کرلوگی؟ مگر پیاری بیٹی (عذرا کو گلے سے لگاکر) زندگی کو اس طرح ٹھکرانا کفران نعمت ہے اور خودکشی گناہ کبیرہ ہے اور اپنی صحت برباد کرلینے سے لازمی نہیں کہ انسان مر ہی جائے ہاں زندگی بھر کے لئے اپاہج اور مریض ہوکر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے عذاب جان ضرور ہوجاتا ہے جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اس قسم کی حرکتوں سے کیا حاصل؟ تمہاری ماں ایک بے مثل ہستی تھیں وہ بھولنے والی چیز نہیں۔ جب تک ہم سب زندہ ہیں ان کی میٹھی یاد ہمارا قیمتی سرمایہ ہے۔ ان کی یاد اور صفات تمہارے لئے رہنما کا کام دے گی ان کی روح کو اب بھی تم سے تعلق باقی ہوگا جیسے تم ان کی مرضی اور خوشی کا خیال کرتی تھیں اسی طرح اب بھی کرو اور یہ سمجھو کہ وہ غیر مرئی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہی ہیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھو اپنی چھوٹی بہن اور بھائی کی دلجوئی کرو اپنا لکھنا پڑھنا دوبارہ شروع کرو اور دوسرے مشاغل میں اپنے کو بہلاؤ۔

چھوڑ دی تو صحت اور بگڑنے لگی۔ وہ روز بروز دُبلی اور کمزور ہوتی جاتی۔ حرارت رہنے لگی۔ کبھی سر اور بدن میں درد طبیعت گری گری مگر اس کا وہ کسی سے ذکر نہ کرتی۔ ناصرہ اور رياض اور محمد احسان باہر کے کاموں میں اس قدر مصروف تھے کہ انھیں اس کی طرف توجہ کرنے کا وقت نہ ملا تھا جہلم کے بعد اور سے عورتوں کا ہجوم کم ہوا تو محمد احسان اور ریاض نے عذرا کی حالت دیکھی تو ڈر گئے۔ ماں تو دق کی کھیت چڑھ ہی گئیں کہیں جوان جواستہ بیٹی بھی اس مرض کا شکار نہ ہو جائے محمد احسان اب اپنی نوکری پر جانا چاہتے تھے، ریاض کو بھی جانا تھا مگر دونوں عذرا اور سیدہ کی طرف سے پریشان تھے سیدہ غریب منہ سے کچھ نہ کہتی مگر سہمی سہمی اور بے حد اُداس رہتی تھی۔ کونوں میں چھپ چھپ کر روتی اور حتی المقدور ناصرہ کا ہاتھ بٹاتی مگر اس کی صورت پر ایسی یتیمی یسیری اور بے کسی رستی تھی کہ اُسے دیکھ کر ہر ایک کو رونا آ جاتا۔

جہلم سے اگلے دن محمد احسان نے سب لڑکے لڑکیوں کو اپنے پاس بُلایا پہلے بڑی دیر تک نسیمہ خاتون کے صبر و استقلال کا ذکر کرتے رہے کہ انھوں نے کس طرح اپنی ماں اور باپ اپنے جوان بھائی اور آخر میں شوہر کا صدمہ ہمت کے ساتھ سہا اور صبر سے کام لیا کس استقلال سے اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالا اور کس خوبی سے اپنے فرائض ادا کئے۔ ان کا دل ہم سب سے زیادہ حساس تھا مگر وہ خدا کی مشیت پر راضی تھیں اور اپنی صحت کی طرف سے معلقہ رہنے کو خودکشی کے مترادف سمجھتی تھیں۔ پھر بہت دیر تک دلجوئی کرتے رہے اور سمجھاتے رہے کہ ماں کی روح کو خوش کرنے کا بہترین طریقہ اور ان کی محبت کا اعتراف یہی ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلو اور نیکی کے کام انجام دو، بیٹیا کھانا پینا چھوڑنا سب لاحاصل ہے اگر اس سے اپنی گم شدہ ہستی مل جایا کرتی تو انسان زندگی بھر روتا رہتا۔ مگر جو خدا صدمہ ڈالتا ہے وہ صبر بھی عطا کرتا ہے اگر تم لوگ شدتِ غم میں روزمرہ کے کاموں سے بے پروائی برتنے لگے اور اپنی صحت کو

کرنے والی، بیماری میں تیماردار، پریشانی میں مونس و غمگسار، غلطی پر نصیحت اور
تنبیہ کرنے والی، قصوروں کو درگزر کرنے والی میری مشیر اور دوست، میری عاشق او
محور میری عزیز ترین ہستی دنیا سے رخصت ہو گئی اور میں اس وسیع دنیا میں تنہا ـــ
اکیلی ـ رہ گئی ـــ اب کیوں اور کس کے سہارے زندہ رہوں مجھے موت کیوں نہیں
آئی اماں کے بغیر زندہ رہنا؟ یہ خیال ہی اسے ہولناک معلوم ہوتا کاش موت آکر
ن آنکھوں سے، اماں کی فرقت سے نجات دیدے اس وقت موت اسے ایسی
شیریں، دلفریب اور پیاری معلوم ہوتی کہ کبھی زندگی بھی ایسی دلکش نہ معلوم ہوئی
گی کبھی کبھی، ریاض اور انصار کا خیال آتا میرے مرنے کا ان دونوں کو صدمہ ہوگا
ادہ ـ بھائی جان بھابی سے، سیدہ اور فرح سے، اپنے بچوں سے بہل جائیں گے ـ سیدہ کا
ساہ ہو جائے گا وہ بھی مجھے بھول جائے گی ـ مگر انصار ـــ وہ میرے بغیر کیسے زندگی
گزاریں گے؟ اس کا دل ڈوبنے لگتا مگر وہ پھر سوچتی مرد کا کیا اعتبار ـ برسوں کی
رس کو بھول جاتا ہے ـ وہ بھی مجھے آسانی سے بھول سکتے ہیں ـ شادی کرلیں گے
پھر کل جانے ان کے آنے تک کیا ہو؟ خالہ جان اور محمدی خمی نے طرح پیچھے پڑی
ہیں اگر کہیں چچا جان اور بھائی جان ان کے کہنے میں آگئے تو کیا ہوگا؟ مجھ میں
کی ہمت کہاں کہ صاف صاف انکار کرسکوں گی ـ آہ اماں تم چل بسیں اور مجھے
ان الجھنوں میں گرفتار کر گئیں ـــ اگر کہیں انصار کے سوا ـ اور کسی کے ساتھ؟
اس خیال ہی سے اس کی روح کانپ جاتی ـ نہیں نہیں اماں اور انصار کے بغیر اس
دنیا میں رہنا بے کار ہے ـ تکلیف دہ ہے ـــ روح فرسا ہے ـــ موت ـــ
اے موت تو کتنی دل کش ہے ـــ

ماں کی تیمارداری، فکر اور صدمہ سے پہلے ہی کمزور اور بے حد حساس ہو گئی تھی
اب تو کھانا پینا چھوڑ دیا ـ گم صم رہنے لگی ـ زندگی کی رسی پکڑے رہنے کی خواہش

محبت۔ تھی سسرال والوں کا لحاظ پاس نہیں۔ فرخ سے کہا کہ تم خود حل کیوں نہیں
دیتیں کھادح کو کیا پروا کہ تمہارے کیسے کا خیال کرے۔ فرخ نے کہا میں خود ایسی
حالت میں گرفتار ہوں اس کا جو جی چاہے کریں گھر بار اُس کا ہے میں تو یہاں ہوں
کیوں دخل دے کر بُری بنوں۔ عذرا تو کھادح کے خلاف ایک لفظ بھی نہ سنتی تھی
اگرچہ جمیلہ اور مجیدی دونوں طرح طرح سے اس سے ہمدردی اور اظہار محبت کرتیں
جمیلہ باتوں ساتھ ہی لکچر بھی دیتی رہتیں کہ ماں کی روح کو خوش کرنے کا یہ طریقہ ہے اور
وہ طریقہ ہے باتوں باتوں میں یہ بھی سُنائیں کہ مجیدی سلیم جاہل اور اس کا لڑکا لا مذہب ہے
اور جو بھی ولایت گیا وہ لا مذہب اور دہریہ ہو کر آتا ہے۔ عذرا ان دونوں کی ہمدردیوں
نصیحتوں اور اعتراضوں کو اور اس کے سبب کو خوب سمجھتی تھی۔ خالہ اور چچی کو دیکھ کر
اس کی روح جاہوے لگتی اور جہاں تک ن پڑتا ان سے الگ کھلے لگ نہیں اکیلے
میں پڑی رہتی۔ وہ مہینہ بھر میں آدھی رہ گئی تھی۔ گھر کا کام کاج بچوں سے دلچسپی
ہم عمروں میں گپ شپ، لکھنا پڑھنا اس نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا اسے کسی کی شستی
اور منہ سے کچھ نہ کہتی۔ ماتو منھ لپیٹے پڑی رہتی ماسوا کے بعد گھنٹوں کلام پاک کی
تلاوت کرکے ماں کی روح کو بخشتی ماں کا خیال ایک منٹ کو دل سے دور نہ ہوتا۔
ماں کی محبت شفقت نصیحت اور سلیقہ اس کی بے مثل صفات نے یا یادیں جو یاں یاد
آتیں اس کی بیماری، تکلیف اور اس میں اس کی برداشت صبر اور بہت ایسی تکلیف
بھول کر تیمارداروں کا خیال پھر اس کی آخری گفتگو۔ اور موت کا وقت وہ آخری
دیدار اور ہمیشہ کی جُدائی یہ سب مناظر سینما کی تصویروں کی طرح اس کے دماغ کے
پردے پر یکے بعد دیگرے اُبھرتے۔ بعض وقت دور خدمات سے اسے ایسا
محسوس ہوتا کہ سینہ شق ہو جائے گا ماں کے بغیر اسے بھرے گھر میں سناٹا
بھیانک سناٹا ہیبت ناک، روح فرسا تنہائی محسوس ہوتی۔ وہ سوچتی میری محبت

چوبیسواں باب

یسرہ جاتوں کا دسواں بیسواں ہوچکا اگلی جمعرات کو چالیسواں ہونے والا ہے
ناکر درد دیا دلایا، کیسے برادری کی دیکھ بھال وغیرہ سب کچھ اکیلی ہاجرہ کو کرنا پڑی
ماں کی اپنی صحت ٹھیک نہ تھی، پیٹ میں بچہ، ماں کا صدمہ، بچے کی بیماری اسے آئے دن پریشان
ست رہنے نہ دیتی، صغرا تھی چھوٹے بچے والی تھی، سیدہ اور عمدہ کی حالت کسی کام کے قابل
تھی، سارے دن منہ لپیٹے پڑی روتی رہتیں، یوں سارا کنبہ گھر میں بھرا ہوا تھا مگر کوئی
ایسا نہ تھا جو ہاجرہ کو صحیح مشورہ اور صلاح دے۔ ہاں اعتراض کرنے کو سب موجود تھے
میاں کے سسر دولوں کا حکم تھا کہ محض دکھاوے اور رسم رسوم کی خاطر کچھ نہ کرو۔ جو لوگ
گھر میں ہیں انہیں کھلا دو، باقی جو کچھ بھیجنا ہو غریبوں کو کھلاؤ اور دیسا دے کیسے برادری
میں حصے بخرے بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ہاجرہ غریب پر سب نے بہت
لے دے کی، منہ پر اور پیٹھ پیچھے خوب خوب اعتراض ہوئے۔ کنجوسی کا طعنہ دیا، ساس نے

جوان، امیر، غریب، محلے پڑوس کنبے برادری کی عورتیں اس طرح میں کر کر کے تڑپ رہی تھیں جیسے ان کا کوئی قریبی عزیز گزر گیا ہو ہر ایک زباں پہ ان کی صفات حسنہ اور اخلاقِ پسندیدہ کا بیاں تھا۔ محتاج اور بیوہ غریب اور بے کس عورتیں ان کی بے غرض خدمت اور فیاضی کا بیاں کر کر کے رو رہی تھیں کنبے برادری کی عورتیں ان کی ہمدردی، غم گساری اور محبت کا ذکر کر کر کے تڑپ رہی تھیں باہر مردوں کی مستقل مزاجی، جواں ہمتی اور فہم و فراست کی تعریفیں کر رہے تھے کوئی ایسا نہ تھا جس کا دل سچے غم سے بھرا ہوا نہ ہو جب غیروں کا یہ حال تھا تو اپنوں کا کیا ذکر۔ اصغر اور صغرا تڑپ رہے تھے کہ آج ہم دوبارہ بے ماں کے ہو گئے جمیلہ خاتون اپنی اکلوتی بہن کی جُدائی میں دل خراش بیں کر کے اپنا سر و سینہ پیٹ رہی تھیں حبیب الٰہی ضعف اور صدمے سے تھر تھر کانپ رہے تھے بچوں کو سمجھانا چاہتے تھے مگر منہ سے آواز نہ نکلتی تھی ناجرہ کی تڑپ، سیّدہ فرح اور عذرا کی بے قراری ناقابلِ بیاں تھی ان چاروں کے بین سے سننے والوں کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا ریاض اور محمد احساں مردتے صبط کی انتہائی کوشش کر رہے تھے مگر نسیمہ جیسی بے مثل ہستی کی جُدائی جنہیں بھائی اور بیٹا دونوں جاں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ناقابلِ برداشت تھی۔

شام ہوتے ہوتے ہزاروں آدمیوں کے جلوس کے ساتھ ریاض اور محمد احساں نے اپنے خاندانی قبرستاں میں، محسن کے پہلو میں، اسی عاشق زار، جاں نثار، عزیز ترین ہستی کو سپرد خاک کر دیا۔

سکون اور طمانیت جھلک رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اُن کے لب ہلے" اشہدُ ان لَا اِلٰہ اِلّا اللہ۔" کی خفیف آواز اُن کے منہ سے نکلی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہونے لگیں دو شفاف آنسو اِدھر اُدھر ڈھلک گئے اور انھوں نے نہایت سکون سے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

ریاض کے ہاتھ سے ماں کا ہاتھ چھوٹ گیا اور لڑکھڑا کر گر پڑے۔ عذرا کی بے حسی ختم ہو گئی۔ ایک دل شگاف چیخ اس کے ہونٹوں سے نکلی وہ کھڑی ہوئی اور چاہتی تھی کہ جھک کر ماں کو دیکھے مگر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ عذرا کی چیخ سے سارا گھر جاگ اُٹھا اور سب کے سب حواس باختہ ننگے پاؤں دوڑے دیکھا ایک طرف عذرا بے ہوش پڑی ہے دوسری طرف محمد احسان بھتیجے کو گلے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ سارے گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ سیدہ ماں کے منھ پر منھ رکھ کر تڑپنے لگی۔ فرح، جمیلہ خاتون اور ہاجرہ نسیمہ کی پٹی پکڑے دل خراش بین کر رہی تھیں نسیم، جمیل، اصغر سب کی روتے روتے ہچکی بندھی ہوئی تھی صغرا اپنا سر اور سینہ پیٹ رہی تھی۔ کچھ دیر یہی حالت رہی آخر محمد احسان نے اپنے کو سنبھالا۔ ریاض کو باہر لے گئے اور اس کے پاس نسیم اور اصغر کو بٹھایا خود دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ آناً فاناً یہ خبر مشہور ہو گئی۔ دوست احباب سب جمع ہو گئے۔ آٹھ بجے نسیمہ خاتون کا جنازہ لاری سے اکبر پور روانہ ہوا اور ساڑھے دس بجے تک وہاں پہنچ گیا۔ جس وقت اکبر پور میں یہ خبر پہنچی سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ کیا اپنے کیا غیر سب اس نیک سیرت شریف بی بی کے لئے اشک بار تھے سارا گھر عورتوں سے اور تمام گلی اور سڑک مردوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سیکڑوں بوڑھی

وہاں سے ہٹایا۔
رات کو اصغر، جمیل اور نسیم بھی آ گئے مسز نعیم اور محمدی بیگم بھی آئیں
رات گئے تک یہ سب لوگ نسیمہ کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے بارہ بجے کے
بعد سب لوگ اپنے اپنے پلنگوں پر جا کر سو گئے۔ دو بجے کے قریب ریاض
دبے پاؤں ماں کے پلنگ کے پاس آئے اور جھک کر نبض دیکھنے لگے۔
محمد احسان کی ابھی ابھی آرام کرسی پر لیٹے لیٹے ذرا آنکھ جھپکی تھی۔ عذرا نے
بھائی کے پاؤں کی چاپ سُنی تو وہ بھی آ کر بیٹھ گئی۔ نسیمہ خاتون پلنگ پر
ساکت اور چت لیٹی ہوئی تھیں۔ سانس آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ ایک ہاتھ
سینے پر رکھا تھا دوسرا پہلو میں پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف بیٹھے محمد احسان
حسرت اور مایوسی سے بھاوج کا منہ تک رہے تھے۔ دوسری طرف ریاض
بار بار ماں کی نبض دیکھتے اور بے قرار ہو کر ادھر اُدھر ٹہلنے لگتے۔ عذرا ماں
کے سرہانے اس کے سر پر ہاتھ رکھے بے حس و حرکت بیٹھی اس کی محبوب اور دلکش
صورت کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سوائے قوتِ باصرہ کے
اس کی تمام حِسیں ختم ہو چکی ہیں۔ ایک گھنٹہ۔ دو گھنٹے۔ تین گھنٹے۔
اسی طرح گزر گئے۔ ریاض بار بار نبض دیکھتے اور ماں کے حلق میں دوا ٹپکاتے
محمد احسان بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہے تھے اور عذرا اُسی طرح پتھر کے
بُت کی مانند ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔
گھڑی نے پانچ بجائے — محمد احسان بھاوج کے سرہانے آ کھڑے
ہوئے اور دلدوز، بھرائی ہوئی آواز میں یاسین پڑھنے لگے — پڑوس کی
مسجد سے صبح کی اذان کی آواز آئی اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ ایک مرتبہ
نسیمہ خاتون نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بڑی بڑی دلکش آنکھیں جن میں

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر احسان ہے کہ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے گھر بار کے ہو گئے۔
بری دلہن کی ہمیشہ قدر کرنا ایسی بیوی نصیب والے ہی کو ملتی ہے۔ جیسا کہ
لے کیا کہوں تمہاری ایسی بہنیں ہیں۔ ہاں اس کا ہمیشہ خیال رہے کہ ان کے
دکھے دلوں کو رنج نہ پہنچے۔ بلکہ یہ تقویت رہے کہ اللہ رکھے بھائی
تمہارے دم سے میکہ آباد ہے۔ اور وہ دونوں ماں باپ کی جگہ ہیں —
ریاض میاں رو دہیں — تم نے تو ماں کے علاج دوا میں کوئی کسر اٹھا نہیں
رکھی مگر خدا کی مشیت میں تو کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ یہی خدا کی مصلحت
تھی کہ اس نے اب تک مجھے زندہ رکھا ورنہ تمہاری ماں تو اسی دن ختم ہو جاتی
جس دن تمہارے باپ دنیا سے سدھارے تھے بشکر ہے کہ اب یہ کھن زمانہ
ختم ہو رہا ہے ہاں تم لوگوں کی جدائی کے خیال سے میرا دل ضرور دکھتا ہے
لیکن اگر تم نے — میرے بچوں — نیکی شرافت، محبت اور دین داری
کی زندگی بسر کی — تو تمہاری ماں کی روح ہمیشہ شاد اور تم سے قریب رہے گی۔
میری بس یہی آرزو ہے کہ میری اولاد مخلص، ہمدرد، دیندار اور بہت بہت
... کی ہوئے تو لیسم کی طرف ...
... ارے سے اُسے پاس ... گئے ہے ...
... لی میرا بہت خیال رکھنا ...
... مت کبھی ...
... ہمیشہ ... ہو
... بہت ...
... ہو ...
تمہاری دکھیا ماں

دیکھنے کو تڑپ رہا ہے!" محمد احسان اس سے زیادہ ضبط نہ کر سکے مینات ہو کر باہر نکل گئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ بچوں کے سامنے رو کر ان کو اور زیادہ ہراساں کریں ریاض نے ماں کو سنترے کا عرق پلایا۔ نسیمہ خاتون نے دھیرے سے مسکرا کر کہا "فرح بیٹی مجھے تم سے یہی کہنا ہے کہ اپنی سسرال کے رنگ میں ایسی رنگ جانا کہ مذہب کو اور میری تعلیم کو بھلا دو۔ اور اپنی بھاوج کو میری جگہ سمجھنا۔ ناہرہ بیٹی خدا تجھے شاد آباد رکھے۔ تیری گود بھرے۔ تو نے مجھے بہت سکھ دیا۔ دیکھو دلہن ریاض کی صحت کا بہت خیال رکھنا۔ ہر سال اس پر سے صدقہ دیتی رہنا اور میری ساری منتیں پوری کیا کرنا۔ بیٹی مرد کا دل بڑا نازک ہوتا ہے میرے بعد اس کو نہ جانے کتنا سخت صدمہ ہو۔ جہاں تک ہو سکے اس کا دل بہلانا۔ کہیں دشمنوں کی صحت پر برا اثر نہ پڑے۔ اب احمد اور سعدی تمہارے حوالے ہیں مجھے اطمینان ہے کہ تم دونوں بھائی بھاوج ان کے دل میلے نہ ہونے دو گے۔ افسر کو پھر نہ دیکھ سکی اس کا صدمہ میرے دل پر ہے۔ تم اسے لکھ دینا کہ تمہاری آپا مرتے دم تک تمہیں یاد کرتی رہیں۔ عذرا، فرح، سعیدہ، ناہرہ چاروں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔ عذرا خاموش بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ گلا گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ مگر وہ انہیں اندر ہی اندر پی جاتی تھی ریاض حسن کا چہرہ ضبط کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا اب برداشت نہ کر سکے۔ اٹھے اور آ کر ماں کے سینے پر سر رکھ دیا۔ نسیمہ خاتون کا سینہ ریاض کے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ ماں نے دونوں ہاتھ بیٹے کے گرد حائل کر دیئے اور آہستہ آہستہ کہنے لگیں "میری جان مرد ہو۔ اپنی بیوی اور بہنوں کو سنبھالنا اور تقویت دینا اب تمہارا فرض ہے اب تم اپنے کنبے کے سرپرست اور بزرگ ہو۔

حمیلہ خاتون نے بہت احتیاط اور آرام سے انھیں غسل کرایا۔ صاف ستھرا
پاکیزہ لباس پہنا کر اور دیئے اور صاف بستر پر لیٹ کر نسیمہ خاتون بہت
خوش ہوئیں۔ وضو کر کے لیٹے لیٹے اشارے سے نماز پڑھی اور اس کے بعد
سب کو پاس بٹھا کر دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ ریاض نے کچھ دیر بعد کہا
"اماں اب زیادہ باتیں نہ کیجئے۔ تکان ہو جائے گا۔" نسیمہ نے پیار کی نظروں سے
بیٹے کو دیکھ کر حسرت بھرے لہجے میں کہا "میاں آج میرا تم سب سے دل کھول کر
باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔۔۔ آج منع نہ کرو پھر خدا جانے تم لوگوں سے کچھ
کہہ سکوں یا نہ کہہ سکوں؟" ریاض سر جھکا کر خاموش ہو گئے۔ عذرا ماں کا سر دبا رہی
تھی اور فرح اور راحت ٹانگیں سیدہ ماں کا ہاتھ ہاتھ میں لئے ٹکٹکی لگائے
ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

نسیمہ نے محمد احسان کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا "احسان بھائی اب
یہ سب تمہارے حوالے ہیں۔ آج تک تم ان کے باپ کی جگہ تھے اب ماں بھی
تمہیں ہو اور باپ بھی کہنے کو یہ جوان ہیں مگر انھیں ہمیشہ تمہاری رہبری، نصیحت،
سرپرستی اور دلدہی کی ضرورت رہے گی۔ میری آرزو تھی کہ اپنی زندگی میں
عذرا اور سیدہ کے فرض سے سبکدوش ہو جاتی مگر اللہ کو یہ منظور نہ تھا۔ عذرا
کے لئے تم دونوں چچا بھتیجے سوچ کر اس کی بہبودی کا خیال رکھ کر مناسب
فیصلہ کر دینا۔ رہی سیدہ اس کے لئے تمہاری بیوی کی آرزو تھی کہ اصغر
سے ہو۔ صغرا بھی چاہتی ہے۔ تمہاری اور اصغر کی رائے بھی یہی ہو تو جلد
سے جلد دونوں کی شادی کر دینا۔ یہ فکر مجھے چین نہیں لینے دیتی کہ نہ جانے
میرے بعد اجی اور ستی کا صدمہ سے کیا حال ہوگا۔ بیاہ ہو گیا تو ماں کا غم
پیچھے پڑ جائے گا۔۔۔ اصغر کو آج ہی تار دے کر بلا لو میرا دل اس کے

ہو جاتے اور اس قدر گھبراہٹ ہوتی کہ اُس کا جی چاہتا کہ کپڑے پھاڑ کر گھر سے نکل جاؤں وہ لاحول پڑھتی، قرآن کی سورتیں اور دعائیں پڑھتی سوچتی شیطان مجھے بہکا رہا ہے خدا کی ذات سے ناامید ہونا گناہ کبیرہ ہے وہ ضرور میری ماں کو تندرست کر دے گا۔ محنت میں راحت ہے جب ان کی صحت کے لئے اس قدر دوڑ دھوپ ہو رہی ہے تو وہ ضرور اچھی ہو جائیں گی۔ وہ یوں ہی گھنٹوں بیٹھ کر ماں کی صحت کے لئے دعائیں کرتی رہتی۔ پھر جب کسی طرح میں نہ آتا تو دبے پاؤں اٹھ کر ماں کے پاس چلی جاتی اور انھیں اکثر جاگتا اور کچھ سوچتا ہوا پاتی کبھی نسیمہ عذرا کو اس حالت میں دیکھ لیتیں تو اسے پاس بلا کر بٹھا لیتیں اور پیار کر کے سمجھاتیں "میری جان اتنی پریشان نہ ہو جاؤ آرام کرو۔ میں اچھی ہوں گھبرانے کی ضرورت نہیں خدا سے دعا کرو وہ شافی مطلق صحت دینے والا ہے" عذرا چپ چاپ بیٹھ کر ماں کے پاؤں دبانے لگتی یا کوئی دعا پڑھ کر دم کرتی اگر محمد احسان جاگ جاتے تو ڈانٹ کر زبردستی اسے سونے کے لئے بھیج دیتے۔ سیدہ ابھی کم عمری اور ناسمجھی کی وجہ سے ماں کی حالت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتی تھی اُسے ماں کی بیماری اور تکلیف سے پریشانی اور صدمہ تو بہت تھا لیکن ساتھ ہی یقین واثق بھی تھا کہ میری اماں ضرور تندرست ہو جائیں گی وہ ماں کو لاجانی ہستی سمجھتی تھی۔

غرض ان کی بیماری نے سارے خاندان کو بے کل اور بدحواس کر رکھا تھا ہر شخص اپنی اپنی جگہ جان توڑ محنت اور کوشش کر رہا تھا کہ ان کو آرام پہنچائے اور انھیں موت کے ظالم ہاتھ سے بچا لے۔ مگر مشیت خدا کے سوا کون جان سکتا تھا۔

ایک دن نسیمہ خاتون کی طبیعت ذرا بحال تھی۔ بخار بھی کم تھا۔ انھوں نے کہا کہ میں آج غسل کروں گی لاکھ سب نے منع کیا مگر وہ نہ مانیں۔ ناچار ریاض نے اجازت دے دی کہ بند کمرے میں لیٹے لیٹے نہلا دیا جائے۔ عذرا سیدہ ہاجرہ اور

،عادروداعمل وغیرہ کرتی رہتیں عذرا اپنے ہاتھ سے ماں کے لئے پرہیزی
قت پر کھلاتی۔ پھلوں کے عرق، کچا انڈا اور دودھ آش جو
وئی نہ کوئی جیرا اپنے ہاتھ سے انھیں کھلاتی بھی ماں کا بستر
نا منہ دھلانا، پیشاب پاخانہ کرانا سارے کام وہی کرتی تھی
کا ہاتھ بٹاتی۔ عذرا کو اکثر خالہ کی جھڑکی بھی برداشت کرنی پڑتی
انے پینے کی چیزیں جنھیں وہ مضر سمجھتی تھی اور بعض دوائیں ان کا
اکہ چپکے سے پھینک دو اور جو میں دوں وہ کھلاؤ۔ عذرا ان کی
ٹ جھڑکی سب کچھ سہتی مگر کرتی وہی تھی جس کی ہدایت ریاض نے کر رکھی
کو محمد احسان تو وہیں سوتے تھے جمیلہ بھی وہیں رہتیں اور ساری
ت جاگ کر گزار دیتیں۔ عذرا کو بھی نیند نہ آتی تھی۔ وہ چچا کے اصرار
رہ کر برابر کے کمرے میں سوتی تھی۔ لیکن ذراسی آہٹ پر اٹھ کر بیٹھ
زبار بار دبے پاؤں جا کر ماں کو جھانک آتی اس کی نیند اور بھوک
ن اڑگئی تھیں۔ اکثر عذرا دیکھتی کہ ریاض بھی رات میں کئی کئی مرتبہ آکر
کو دیکھ جاتے ہیں اسی طرح بچاری بچے کی بیماری سے پریشان تھی اسے
ماں کے پاس بیٹھنے کا وقت بھی نہیں ملتا تھا اگر وہ ذرا دیر کو آتی اور بچہ
سے لگتا تو سب لوگ اسے مجبور کرتے کہ جاؤ بچے کو لو کیونکہ بچے کی آواز سے
مریم سا تو ان کے پریشان ہونے کا ڈر تھا۔ اس پر طرح جھنجھلا جاتی رونے لگتی کبھی
کبھی سیم کو پیٹ ڈالتی کم بخت تو نے مجھے کسی قابل نہ رکھا۔
عذرا دن رات اس قدر مصروف رہنا چاہتی تھی کہ اسے سوچنے کا وقت
ام ٹ نیا دیو — لیٹتی تو بجائے نیند کے آنے والی ہولناک مصیبت
لگتی، دل دھڑکنے لگتا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے

نسیمہ کی طبیعت سنبھلی تو وہ بھی اکبر پور چلی گئیں۔
مہینہ بھر تک نسیمہ خاتون کو افاقہ رہا لیکن ایک دن اچانک طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ ریاض اس قدر بدحواس تھے کہ ان کی عقل کام نہ کرتی تھی انھوں نے دہلی کے سارے بڑے بڑے ڈاکٹر بلا کر جمع کر لئے۔ نسیمہ کو انجکشن دیئے گئے طاقت کی دوائیں دی گئیں اور کئی دن بعد جا کر طبیعت سنبھلی مگر دو چار دن بعد پھر بخار تیز ہوگیا۔ محمد احسان نے لمبی چھٹی لی اور آکر بھاوج کی تیمارداری میں مشغول ہوگئے۔ وہ سارے سارے دن اور پوری پوری رات نسیمہ خاتون کی پٹی کے پاس گزار دیتے سمجھدار اور جہاں دیدہ آدمی تھے انھیں نظر آرہا تھا کہ ان کی حالت اچھی نہیں لیکن دنیا امید قائم ہے وہ انتہائی حد تک دوا علاج پرہیز اور تیمارداری کرنا چاہتے تھے کہ کوئی کسر باقی نہ رہ جائے اُن کی چہیتی بھاوج لاڈلی بہن غمگسار ہمدرد، مشیر، دوست، ماں کی طرح شفیق، بہن، اس سے چھوٹ رہی تھیں وہ بے بسی سے دیکھتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ ان کی تیمارداری اور دوا علاج میں اپنے کو تج دیں۔ جمیلہ خاتون کو بہن کی زیادہ بیماری کی اطلاع ملی تو وہ پھر دوڑی آئیں۔ صغرا کو معلوم ہوا تو وہ حیدرآباد سے بھیا سے بچے کو لے کر فوراً چلی آئی یوں بھی کوئی نہ کوئی عزیز دوست جان پہچان والے، مرد اور عورتیں روز ہی مزاج پرسی کو آجاتے تھے۔ ہاجرہ کے سپرد گھر کا انتظام، مہمانوں کی خاطر مدارات، پکوانا کھلوانا غرض دنیا بھر کے کام تھے اور پھر نسیمہ خاتون کے پاس گئے بغیر بھی چین نہ آتا تھا ایک کام کرتی اور ایک پھیرا ان کے کمرے کا کر آتی۔ ریاض ذرا دیر کے لئے مطب جاتے اور باقی تمام وقت ماں کی دیکھ بھال میں صرف کرتے۔ جمیلہ خاتون دن رات تعوید

تیئیسواں باب

بیگم خاتون دو مہینے سے دہلی میں زیرِ علاج ہیں۔ ریاست نے دہلی کے بہترین
ڈاکٹروں کو جمع کیا اور مشورہ کر کے مناسب علاج کا انتظام کیا گیا۔ اکبر پور
جانے کے بعد پہلے تو ان کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی لیکن ڈاکٹر انصاری کے
علاج سے رفتہ رفتہ فائدہ محسوس ہونے لگا۔ مہاراج احسان کو جو چھٹی لے کر آ گئے
تھے کچھ اطمینان ہوا تو وہ واپس نوکری پر چلے گئے۔ فرح کو پہلے تو بیگم خاتون
نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ میری بیماری کی اطلاع نہ دی جائے کیونکہ پیٹ میں بچہ
ہے اس پر برا اثر پڑے گا مگر بعد کو خاموش رہا نہ گیا۔ اس نے چپکے سے اس کو
لکھ دیا۔ بہت گھبرا کر بے قرار ہو گئی اور باوجود میاں کے منع کرنے کے
اسی وقت نوکر کو لے کر دہلی روانہ ہو گئی۔ جمیلہ خاتون بھی کی بیماری
سے سخت پریشان تھیں اور ان کے ساتھ دہلی آئی ہوئی تھیں۔ جب

تیسرا حصّہ

سنہ ۱۹۲۹ء سے سنہ ۱۹۳۱ء تک

مسز نعیم۔ میں نے کہا بھائی نے صحیح کیا۔ میں نے سمجھایا مگر وہ بھلا کسی کی سنتی ہے یاسمین تو میرا کہا مان بھی لیتی ہے بلکہ بہت خیال کرتی ہے اور اللہ رکھے نسیم کو وہ تو میرا ایسا کہا مانتا ہے کہ کیا بیٹیاں مانیں گی بس یہی ایک ایسی نکل گئی باپ نے بگاڑا ہے جب سے یہ سنا ہے کہ وہ اتنی دور جا رہی ہے کچھ نہ پوچھو دل کا کیا حال ہے مگر کیا کروں بے بس ہوں۔

نسیمہ۔ یہ ڈپٹی صاحب کی بڑی نا روا بات ہے کہ تمھاری مرضی کے خلاف لڑکی کو اُکساتے ہیں۔

عذرا اور ہاجرہ بھی آکر بیٹھ گئیں۔ مسز نعیم نے نسیمہ سے پوچھا "دلہن کو کچھ ہے؟" ہاجرہ نے آنکھیں جھکا لیں نسیمہ نے کہا ابھی تو نہیں۔

مسز نعیم۔ اب دہلی جانے کا کب تک ارادہ ہے؟

نسیمہ۔ دیکھو ذرا طاقت آجائے تو پھر کچھ طے کروں گی۔

کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد مسز نعیم رخصت ہوئیں

تاماتاما کا خیال ہے۔ رہا فرحت وہ مجھے خاصا پسند ہے۔ صورت شکل اچھی ہے مزاج بھی بُرا نہیں۔ پانسو کی آمدنی ہے اور مجھ سی کھالی رود بھی بہت لگارہی ہیں۔
مسز نعیم۔ پھر کیا تامل ہے کہ کیوں نہیں دیتیں بہت اچھا رشتہ ہے۔
نسیمہ۔ مجھ کی بھابی کا مزاج بڑا تیز ہے اور ان لوگوں میں امیری کی ذرا تکبر ہے جسے میں پسند کرتی ہوں نہ میری لڑکیاں۔ بس اس سے گھبراتی ہوں دوسرے ریاض کو فرحت سے زیادہ انصار پسند ہے۔
مسز نعیم انہیں انصار کیوں پسند نہ ہوں گے بیوی کے بھائی ہیں۔
نسیمہ اب خیر سے رضیہ کا رشتہ کب کرو گی ماشاءاللہ کافی عمر ہوگئی
مسز نعیم پیام تو دسیوں جگہ سے آرہے ہیں مگر اس کے پاپا کی نظروں میں کوئی جچتا ہی نہیں اس سال خیر سے بی اے تو اس نے کرلیا ہے اب اپنے باپ کے ساتھ ولایت جانے کی ضد کررہی ہے۔
نسیمہ۔ (حیرت سے) ولایت جائے گی؟ اے بہن سالس ہے تمہاری ہمت کو اپنے سے الگ جوان لڑکی کو اتنی دُور کیسے بھیج دو گی۔
مسز نعیم۔ میرا جی تو نہیں چاہتا مگر تم جانتی ہو ان باپ بیٹی کی ضد کے آگے میری کبھی بھی چلی ہے؟ اپنی عزت اپنے ہاتھ میں اسی لئے دخل نہیں دیتی کہ کیوں کہہ کر بھی اپنی بات کھوؤں۔ ڈپٹی صاحب کی طبیعت عرصے سے خراب رہتی ہے اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ ولایت جاکر علاج کرائیں بیٹی سدا کی دادا کی لاڈلی ہیں۔ اس نے ساتھ جانے پر ضد کی۔ وہ لے جانے پر راضی ہوگئے۔ مجھ سے پوچھا تک نہیں۔
نسیمہ۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ کنواری لڑکی اور اتنی دور سفر؟

نسیمہ۔ کیا بتاؤں میرا دل کہیں بھی نہیں ٹھکتا۔ ایک طرف آپا کی
ناراضگی کا خیال ہے دوسری طرف محمدی بھائی جان کھائے جاتی ہیں
ریاض تو انصار کو پسند کرتا ہے۔
مسز نعیم۔ بہن اصلی مرضی ماں کی ہوتی ہے۔ ماں بیٹی کی پسند الگ
الگ نہیں ہو سکتی جس لڑکے کو تم خود پسند کرو اللہ کا نام لے کر اسی سے کر ڈالو
نسیمہ۔ جمیل ہے تو میرا بھانجا اور اللہ نہ کرے اس میں کوئی خاص عیب
بھی نہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کا اور آپا دونوں کا مزاج ایسا ہے کہ
میری لڑکی کی ان لوگوں سے کبھی بہت مشکل ہے۔ انصار سے خود مجھے
بیٹوں کی طرح محبت ہے مگر اس کے مزاج میں کچھ خودسری اور ضد ہے
جس سے میں ڈرتی ہوں۔ دوسرے حسیب بابا کا خیال ہے وہ انصار
سے ناراض ہیں یورپ سدھارا تو جاتے ہوئے اس سے ملے تک نہیں
بابا امیرے محسن ہیں انھیں ناراض کرنا نہیں چاہتی۔ اگر پست ہو گئی
تو کہیں وہ مجھ سے بدگمان نہ ہو جائیں۔ انھی سے لوگ باتیں بنا رہے ہیں
کہ اسی لئے میل جول بڑھایا تھا کہ لڑکا لڑکی دونوں کو ایسا کرلیں
مسز نعیم۔ ہاں بہن مارے کا ہاتھ پکڑ لے کہتے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی
دنیا کے کہنے کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ انصار باوجود
بہت سی خوبیوں کے ضدی اور خودرائے ہے۔ جس نے ایسی ضد کے
آگے باپ سے زیادہ چاہنے والے بابا کی پرواہ نہ کی وہ بیوی کا کیا
خیال کرے گا۔ عذرا اور انصار کا جوڑ تو میں بھی مناسب نہیں سمجھتی۔
پھر رشتہ بھی تو ماموں بھانجی کا ہے۔ بد نما سا لگتا ہے۔
نسیمہ۔ خیر یہ تو کوئی بات نہیں۔ آخر ہاجرہ اور ریاض کا جو ہوا؟ ہاں

جواب سنانی دو اور ایک دن ایک تاریخ دیکھ کر اس عرص سے سکدوش ہو جاؤ۔ نسیمہ نے ٹالنا چاہا تو وہ سر ہو گئیں کہ تم تو امیروں میں کرو گی۔ مں اور سیرالؤ کا غریب ہیں اس لئے تم ہمیں ذلیل سمجھتی ہو۔ مگر یاد رکھو لاد بپ اور کرسٹوں میں کر کے پچھتاؤ گی۔ فرح کو دیکھو کسی لا مذہب لے پردہ اور بے حیا ہو گئی ہے ـــ اشارتاً انصار اور فرحت کی کچھ برائیاں بھی کہیں نسیمہ خاتون صبر سے ان کی باتیں سنتی رہیں آخر میں اتنا کہا آپا کیا تم قسمت کی قائل نہیں؟ نصیب بھی تو کوئی چیز ہے اگر اچھی کو تمہارے گھر ہی آنا ہے تو پھر یہ بات ہو کر رہے گی ورنہ جمیل کو لڑکیوں کی کمی نہیں۔ میں عذرا کے چچا اور بھائی کی خلاف مرضی کیسے ہاں کر سکتی ہوں تم ان ہی سے بات کرو۔ وہ جانیں اور تم"۔ جمیلہ خاتون ناراض تو ہوئیں مگر انھیں امید اب بھی تھی کہ احسان اور ریاض کو قائل کر کے راضی کر لوں گی۔

دو چار دن بعد ایک روز مسز نعیم ان سے ملنے آئیں۔ نسیمہ بچاری ان دنوں عذرا کی طرف سے بہت پریشان رہتی تھیں انھیں کوئی ایسا دکھائی نہ دیتا تھا جس سے مشورہ لیں۔ ہاجرہ لاکھ کچھ ہو آخر انصار کی بہن تھی اور بھائی ہی کی سی کہتی۔ سیدہ تھی، فرح دور تھی احسان کو فرحت، جمیل، انصار کوئی بھی پسند نہیں تھا۔ ریاض انصار پر لٹو تھے ـــ مشورہ کریں تو کس سے اور فیصلہ کریں تو کیا؟ ذکر کیا۔ مسز نعیم انھیں غیر جانبدار نظر آئیں باتوں باتوں میں ان سے

مسز نعیم۔ تم خود کسے پسند کرتی ہو۔

اگرچہ انھیں بیوی اور بہن کی اداسی کا بڑا خیال تھا وہ دونوں انصار کے جانے سے بہت رنجیدہ تھیں ناجرہ اکثر روتی رہتی تھی اور عذرا عجیب خاموش اپنے دل پر سب کچھ سہہ رہی تھی ریاض نے ایک ڈاکٹر کو مقرر کیا کہ وہ روز آکر نسیمہ کو دیکھ جایا کرے۔ بیوی اور بہنوں کو دلاسا دیا کہ میں جلدی جلدی آتا رہوں گا۔

چند دن بعد نسیمہ خاتون کی طبیعت سنبھل گئی۔ بخار کسی کسی دن ہوتا کھانسی بھی کم تھی کمزوری البتہ باقی تھی اور خیال تھا کہ ذرا طاقت آجائے تو دہلی چلی جائیں۔

ایک دن نسیمہ کی مزاج پرسی کے بہانے محمدی بیگم آئیں ادھر ادھر کی باتیں کرکے فرحت کا ذکر چھیڑا کہ اب ماشاء اللہ پانچ چھ سو روپیہ ماہوار کما رہا ہے۔ پھر عذرا کی نسبت کا ذکر کیا اور بہت اصرار سے فرحت کے پیام کا اعادہ کیا۔ بڑی مشکل سے نسیمہ خاتون نے انھیں ٹالا کہ بھائی اصل مرضی عذرا کی ہے۔ میرے تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جہاں اس کو منظور ہوگا وہاں ہوگا۔ محمدی بیگم چلتے چلتے بھی اصرار کرتی گئیں اور کہا عذرا میری ہے ہیں تم سے لوں گی۔ جمیلہ خاتون کو بھی محمدی بیگم کے آنے کی سن گن مل گئی۔ آئی تو دوڑی تھیں مگر ایک دن خاص اس ارادے سے آدھمکیں۔ عذرا اور رشیدہ لوں تو ہمیشہ سے ان سے گھبراتی تھیں مگر اب توجب سے عذرا نے ان کی وہ باتیں سُنی تھیں ان کے سایہ سے بھی بھاگنے لگی تھی دونوں بہنیں سلام کرکے ادھر ادھر ہوگئیں۔ ناجرہ گھر کے کام کاج میں مصروف تھی انھوں نے موقع دیکھ کر بہن سے کہا تم کہاں تک ٹالے جاؤ گی اب مجھے

اور اندر سے دروازہ بند کرلیا انصار کو بے حد صدمہ ہوا بولا "ناجرہ میری بدقسمتی ہے کہ ابا اماں مجھ سے اس درجہ ناراض اور بیزار ہیں۔ تم ان سے میرا آداب کہہ دینا اور یہ کہ میں بہرحال ان کا خادم اور جاں نثار ہوں" ناجرہ نے بھائی کے ہاتھ پاؤں باندھا۔ انصار نے اسے گلے سے لگا لیا اور ناجرہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بڑی مشکل سے ریاض اور سیدہ نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا اور انصار باہر آئے۔ سارے نوکر چاکر انصار کے جانے سے رنجیدہ اور آب دیدہ تھے۔ انصار کے والد کے وقت کا ملازم رحمو کا تو روتے روتے بُرا حال تھا۔ انصار اس کے گلے سے لپٹ گئے۔ ریاض، انصار، رحمو گاڑی میں اور دوسرے ملازم تانگوں میں سوار ہوئے کوچوان نے چابک لگایا گاڑی روانہ ہوئی۔ گھر کی ایک کھڑکی سے سیدہ دوسری سے ناجرہ جھلک دیکھ رہی تھیں مگر بدرالنساء نہیں آئی۔

ریاض نے دہلی میں ڈاکٹر انصاری کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا تھا صبح کو تین چار گھنٹے وہ ان کے ساتھ کام کرتے شام کو اپنا مطب کرتے تھے انھوں نے قرول باغ میں ایک مکان اور قریب ہی ایک دکان لے لی تھی اور وہیں پریکٹس کرتے تھے۔ ریاض کا ارادہ تھا کہ ماں بہنوں اور بیوی کو ساتھ دہلی لے جائیں۔ نسیمہ خاتون کی طبیعت صاف نہیں تھی اس لئے وہ اور بھی چاہتے تھے کہ ماں کو اپنے ساتھ رکھیں مگر نسیمہ نے کہا کہ جب طبیعت سنبھل جائے گی تب دہلی آؤں گی اس حالت میں سفر کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ ریاض مجبوراً اکیلے دہلی چلے گئے۔

اُٹھا کر انصار کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنسو بھری آنکھیں ایک لمحے کے لئے ملیں اور پھر عدرا نے نظریں جھکا لیں ۔ انصار کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ انصار نے اسی لہجے میں کہا "عدرا ــــ میری اپنی عدرا ــــ اب دیر ہو رہی ہے مجھے رخصت کی اجازت دو۔ مگر دیکھو یاد رکھنا کہ صرف تمھاری یاد اور تمھاری محبّت مجھے وہاں تقویت دے گی۔ ورنہ میں دنیا میں تنہا ہوں ۔" عدرا کا جواب چند گرم گرم آنسو تھے جو انصار کے ہاتھ پر گرے انصار نے چند لمحے آنگوں آنکھوں سے عدرا کی طرف دیکھا ـــ ایک مرتبہ پھر دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ انصار نے عدرا کا ہاتھ ایک مرتبہ زور سے دبا کر چھوڑ دیا اور واپس جانے کو مڑے اسی وقت ریاض کمرے میں داخل ہوئے۔ بہن کو دیکھا کہ مثل تصویر کے ساکت کھڑی ہے۔ چُپ چاپ انصار کو لے کر باہر آگئے۔

نسیمہ خاتون نے دوبارہ انصار کو گلے لگایا۔ سیدہ کی روتے روتے آنکھیں سُوج گئی تھیں۔ انصار نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "دیکھو سیدہ بی بی ہمیں بُھلا نا نہیں۔ خط لکھتی رہنا ـــ" سیدہ نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا "انصار ماموں آپ بہت یاد آئیں گے" انصار نے مڑ کر عدرا کے کمرے کی طرف دیکھا۔ عدرا کواڑ کی آڑ میں کھڑی اس طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور لب کانپ رہے تھے۔ انصار نے ہاتھ سے رخصتی اشارہ کیا اور جلدی سے باہر نکل گئے۔

گھر جا کر انصار کو معلوم ہوا کہ باوجود ہاجرہ کے سخت اصرار کے حبیب الٰہی انصار سے ملنے پر راضی نہیں ہوئے ملکہ ہاجرہ کو ڈانٹ دیا

اصرار ہے کہ سب انتظام ہو چکا ہے چلے جاؤ۔
نسیمہ ہاں میاں گھبراؤ نہیں اپنا سر گھونٹا نہ کرو میں اچھی ہو جاؤں گی۔
انصار انشاء اللہ۔

ریاض نے چاروں طرف دیکھا۔ عذرا کہیں نظر نہ آئی وہ چاہتے تھے کہ جاتے ہوئے انصار اور عذرا ایک دوسرے سے ضرور مل لیں۔ اٹھ کر چبوترے والے کمرے میں گئے جو عذرا کے لئے مخصوص تھا۔ دیکھا عذرا بڑے انہماک سے ایک کتاب پڑھ رہی ہے ریاض نے کہا عذرا انصار روانہ ہو رہے ہیں ملنے آئے ہیں چلو باہر آ کر ان سے مل لو۔" ریاض کہہ رہے تھے کہ انصار بھی وہاں آ گئے عذرا نے ہاتھ سے انصار کو سلام کیا اور چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اس کی بوجھل پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ سے کرسی کا ہتھا زور سے پکڑ رکھا تھا۔ دوسرا ہاتھ کانپ رہا تھا، نچلا ہونٹ دانتوں سے بھینچ رکھا تھا۔ انصار کا چہرہ دورِ جذبات سے سُرخ تھا، ماتھے کی رگیں اُبھر آئی تھیں اور وہ بُت سے کھڑے عذرا کو دیکھ رہے تھے ریاض نے ان دونوں کی کیفیت دیکھی تو کمرے سے باہر چلے گئے۔ انصار آگے بڑھے۔ گلا صاف کر کے صرف اتنا کہا "تو عذرا اب ہم جا رہے ہیں۔ زندہ رہے تو پھر آ ملیں گے"۔ عذرا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو زمین پر گرنے لگے مگر وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی انصار نے عذرا کا سر اور کانپتا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور گلوگیر آواز میں بولے" عذرا۔ اتنی خاموش کیوں ہو۔ کوئی بات تو کرو۔" عذرا نے کچھ بولنا چاہا مگر مُنہ سے آواز نہ نکلی۔ انصار نے پھر کہا "عذرا۔ مجھے بھلاؤ گی تو نہیں۔ میری ہی رہو گی نا؟" عذرا ساری کانپنے لگی۔ اس نے پلکیں

نسیمہ خاتون رضائی اوڑھے والان میں لیٹی ہوئی تھیں سیدہ ان کا سر دبا رہی تھی الصار نے جاکر سلام کیا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ سرہانے سے امام ضامن نکال کر الصار کے بازو پہ باندھا اور دعائیں پڑھ کر دم کیں الصار نے جھک کر اپنا سر ان کے سینے سے لگا دیا۔ انھوں نے بڑی شفقت سے اُسے گلے سے لگایا اور بے اختیار رونے لگیں۔ الصار کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے نسیمہ نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھالا اور کہا جاؤ میاں خدا کے سپرد کیا۔ خیر سے جاؤ خیر سے واپس آؤ۔ خط برابر لکھتے رہنا ورنہ ہم سب فکرمند رہیں گے۔ اپنی صحت کا بہت خیال رکھنا۔ اور میاں مذہب کی پابندی کا خیال رکھنا ریاض کی طرح وہاں سے ایسے ہی واپس آنا جیسے گئے تھے۔

الصار۔ آپا جان آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہوں گی تو میں بخیریت واپس آجاؤں گا اور آپ مجھے ایسا ہی پائیں گی جیسا اب ہوں۔

نسیمہ۔ ہاں میاں بس میری یہی دعا ہے کہ خدا تم سب کو شاد و آباد رکھے اور سچا مسلمان بنائے اللہ جانے اب نہیں ملنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں صحت دن بدن جواب دے رہی ہے۔

الصار (بے قرار ہو کر) آپا جان خدا آپ کو جلد صحت دے اور ہمارے سروں پر قائم رکھے میں بہت جلد آ کر پھر آپ کی قدم بوسی کروں گا آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔ میرے ماں نہیں تھی مگر آپ نے مجھے ماں کی محبت سے آشنا کیا۔ آپ کو چھوڑتے ہوئے میرا دل اسی طرح تڑپ رہا ہے جیسے کہ ماں سے چھٹتے ہوئے۔ میرا جی آپ کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا خصوصاً جب کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے مگر ریاض بھائی کا

بائیسواں باب

انصار کا سب اسباب باہر تانگوں پر رکھا جا چکا تھا۔ ریاض انصار
سے باتیں کر رہے تھے۔ ہاجرہ ڈبیہ میں پان بنا بنا کر رکھ رہی تھی اور
آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے جنھیں وہ انصار اور ریاض کی نظر
بچا کر پونچھ لیتی تھی۔

انصار نے نوکر سے پوچھا "کیا بابا ابا بیدار ہو گئے" ملازم گیا
اور آیا۔ "چھوٹے میاں کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے آج سرکار ابھی
تک بیدار نہیں ہوئے" انصار نے ریاض کی طرف دیکھا اور افسردگی
کے لہجے میں کہا "نانا ابا آج جان بوجھ کر نہیں اٹھے تاکہ اس وقت بھی
میری منحوس صورت نہ دیکھیں" ہاجرہ نے آنسو پونچھ کر کہا "انصار بھائی
آپ جا کر اماں جان وغیرہ سے مل آئیے اتنے میں شاید ابا بھی اٹھ جائیں"

کہیں مردوں سے سب باتیں کہی جاتی ہیں میں ایسے طریقے سے سمجھا کر کہوں گی
عذرا۔ ہاں میری بھابی دلہن تم بڑی عقلمند ہو۔
ہاجرہ مگر میرا بھائی بیچارا جو پریشاں رہے گا۔ ان سے تو ضرور کہوں گی۔
عذرا۔ جو تمہارا جی چاہے کرو میں نہیں جانتی
ہاجرہ نے گھڑی دیکھی تو باتوں میں دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے
بولی تو بڑی دیر ہو گئی اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔ لو وہ سارا قافلہ
ہمیں ڈھونڈتا آرہا ہے۔
ریاض۔ (پاس آکر) سارے باغ میں تلاش کر ڈالا کہیں تم دونوں کا
پتہ ہی نہیں تھا۔ یہاں خلوت میں کیا راز و نیاز ہو رہے تھے؟
ہاجرہ مسکرائی۔ عذرا شرمندہ ہو کر رہ گئی یہاں سے سب باغ کے
اندرونی حصے میں گئے جہاں سیدہ اور اصغر چائے تیار کئے بیٹھے تھے
سب نے چائے پی آم کھائے عذرا اس دوراں میں بالکل خاموش رہی۔
چائے کے بعد سب چلنے کو تیار ہوئے باہر گاڑی کھڑی تھی۔
ایک گاڑی میں فرخ نسیم اور اصغر بیٹھے دوسری میں ہاجرہ سیدہ اور
عذرا۔ ریاض اور انصار نے کہا ہم پیدل جائیں گے۔
گاڑی روانہ ہونے کو تھی کہ انصار ہاجرہ کے سامنے آکھڑے ہوئے
"کیوں ہاجرہ مجھ سے کیا قصور ہو گیا عذرا کس بات پر منہ پھلائے ہیں؟"
ہاجرہ ہنسنے لگی، عذرا کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے دوسری طرف
منہ پھیر لیا۔ سیدہ نے حیران ہو کر بہن کو دیکھا کوچواں نے گھوڑے کے
چابک لگایا۔ گاڑی روانہ ہو گئی۔

اس کی جڑیں بہت گہری ہیں جب وہ اس امتحان میں پورے اُتریں گے تب ان کے پیام کا جواب دوں گی۔ بس یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔ رہی میں تو تم اطمینان رکھو کہ یا تو یوں ہی عمر بھر خلق خدا کی خدمت کروں گی اور اگر ــــ اگر ـــ

ہاجرہ (جملہ پورا کر دیتی ہے) شادی کی تو صرف انصار سے کروں گی

عذرا۔ (شرما کر) ہاں۔ مگر خدا کے لئے کسی سے یہ بات کہہ نہ دینا۔

ہاجرہ۔ اور کسی سے نہ سہی پر انصار بھائی سے تو ضرور کہوں گی ورنہ وہ کس امید پر اتنا زمانہ کاٹیں گے۔

عذرا۔ تمھیں میری قسم جو کسی سے کہو۔

ہاجرہ۔ واہ ہم ایسی قسموں کی قائل نہیں اور اگر تمھارے بھائی کو یہ باتیں نہ بتائیں تو کام کیسے چلے گا۔

عذرا۔ ہائے اللہ میں کیسے بھائی جان کو منہ دکھاؤں گی ـــ اچھا یہ آخری بات نہ کہنا۔

ہاجرہ۔ میں تو ضرور کہوں گی۔

عذرا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم ہر بات اپنے میاں سے کہہ دیتی ہو ورنہ کیوں تمھیں اپنا راز داں سمجھ کر دل کی بات کہتی۔

ہاجرہ۔ اب کیا ہو سکتا ہے اب تو کہہ چکیں۔

عذرا۔ خدا کی قسم اب میں بھائی جان کو منہ نہ دکھاؤں گی۔

ہاجرہ۔ اور انصار بھائی کو۔

عذرا۔ (کھسیانی ہو کر ایک تھپڑ مارتی ہے) چلو ہٹو میں نہیں بولتی

ہاجرہ ہنس پڑی "تم بڑی عقلمند بنتی ہو مگر ہو بڑی بھولی بھلا

کہیں مردوں سے سب باتیں کہی جاتی ہیں میں ایسے طریقہ سے سمجھا کر کہوں گی
عذرا ہاں میری بھابی دلہن تم بڑی عقلمند ہو۔
ناجرہ مگر میرا بھائی بیچارا جو پریشاں رہے گا۔ اس سے تو ضرور کہوں گی۔
عذرا۔ جو تمہارا جی چاہے کرو میں نہیں جانتی
ناجرہ نے گھڑی دیکھی تو باتوں میں دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے
بولی تو بڑی دیر ہو گئی اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔ لو وہ سارا قافلہ
ہمیں ڈھونڈتا آرہا ہے۔
ریاض۔ (پاس آکر) سارے باغ میں تلاش کر ڈالا کہیں تم دونوں کا
پتہ ہی نہیں تھا۔ یہاں خلوت میں کیا راز و نیاز ہو رہے تھے؟
ناجرہ مسکرائی۔ عذرا شرمندہ ہو کر رہ گئی یہاں سے سب باغ کے
اندرونی حصے میں گئے جہاں سیدہ اور اصغر چائے تیار کئے بیٹھے تھے
سب نے چائے پی آم کھائے عذرا اس دوران میں بالکل خاموش رہی۔
چائے کے بعد سب چلنے کو تیار ہوئے باہر گاڑی کھڑی تھی۔
ایک گاڑی میں فرخ نسیم اور اصغر بیٹھے۔ دوسری میں ناجرہ سیدہ اور
عذرا۔ ریاض اور انصار نے کہا ہم پیدل جائیں گے۔
گاڑی روانہ ہونے کو تھی کہ انصار ناجرہ کے سامنے آکھڑے ہوئے
"کیوں ناجرہ مجھ سے کیا قصور ہو گیا عذرا کس بات پر منہ پھلائے ہیں؟"
ناجرہ ہنسنے لگی، عذرا کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے دوسری طرف
منہ پھیر لیا۔ سیدہ نے حیران ہو کر بہن کو دیکھا کوچواں نے گھوڑے کے
چابک لگایا۔ گاڑی روانہ ہو گئی۔

اس کی جڑیں بہت گہری ہیں جب وہ اس امتحان میں پورے اُتریں گے
تب ان کے پیام کا جواب دوں گی۔ بس یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔
رہی میں تو تم اطمینان رکھو کہ یا تو یوں ہی عمر بھر خلقِ خدا کی
خدمت کروں گی اور اگر ــــ اگر ــــ
ہاجرہ (جملہ پورا کر دیتی ہے) شادی کی تو صرف انصار سے کروں گی
عذرا۔ (شرما کر) ہاں۔ مگر خدا کے لئے کسی سے یہ بات کہہ نہ دینا۔
ہاجرہ۔ اور کسی سے نہ سہی پر انصار بھائی سے تو ضرور کہوں گی ورنہ
وہ کس امید پر اتنا زمانہ کاٹیں گے۔
عذرا۔ تمھیں میری قسم جو کسی سے کہو۔
ہاجرہ۔ واہ میں ایسی قسموں کی قائل نہیں اور اگر تمھارے بھائی
کو یہ باتیں نہ بتائیں تو کام کیسے چلے گا۔
عذرا۔ ہائے اللہ میں کیسے بھائی جان کو منہ دکھاؤں گی ــــ
اچھا یہ آخری بات نہ کہنا۔
ہاجرہ۔ میں تو ضرور کہوں گی۔
عذرا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم ہر بات اپنے میاں سے کہہ دیتی ہو ورنہ
کیوں تمھیں اپنا راز داں سمجھ کر دل کی بات کہتی۔
ہاجرہ۔ اب کیا ہو سکتا ہے اب تو کہہ چکیں۔
عذرا۔ خدا کی قسم اب میں بھائی جان کو منہ نہ دکھاؤں گی۔
ہاجرہ۔ اور انصار بھائی کو۔
عذرا۔ (کھسیانی ہو کر ایک تھپڑ مارتی ہے) چلو ہٹو میں نہیں بولتی۔
ہاجرہ ہنس پڑتی ہے تم بڑی عقلمند بنتی ہو مگر ہو بڑی بھولی بھالی

پارہی ہے میں جانتی ہوں کہ تم انھیں نہ صرف پسند کرتی ہو بلکہ دل و جان سے چاہتی ہو لیکن لوگوں کی حاسدانہ باتیں سُن کر اپنی احمقانہ خودداری اور غصے کی وجہ سے انکار کر رہی ہو۔ ذرا ایک بار پھر سوچو یہ احساس تمھیں پسند ہے۔

عذرا پہلے دور خلاء میں نظریں جمائے کچھ سوچتی رہی۔

عذرا۔ فاخرہ تمھارا خیال درست ہے ہم غریب لڑکیوں کو ریوڑیوں میں لے دیا جاتا ہے رد دوں ہر طرح مشکل ہی مشکل ہے۔ میں نے ایک آخری فیصلہ کر لیا ہے اور اب اس پر اماں وغیرہ کو راضی کرنا تمھارا کام ہے۔ انصار یورپ جانے والے ہیں۔ پھر آخر ـــ انھیں اس کی ـــ کیا جلدی ہے۔ وہ فی الحال یورپ جا کر اپنی تعلیم کی تکمیل کریں۔ اس عرصے میں جمیل بھائی اور فرحت بھائی کی شادیاں ہو جائیں گی۔ اور شاید مخالفت اور دل آزاری کا یہ طوفان گزر جائے پھر اگر وہاں سے آنے کے بعد بھی ـــ ان کی رائے برقرار رہی پھر ـــ پھر دیکھا جائے گا۔

فاخرہ۔ مگر منگنی کی رسم تو ادا کر دی جائے؟

عذرا۔ نہیں اس کا بھی وہی نتیجہ نکلے گا جو دوسری بات کا ـــ کیا ـــ ہے کہ اعلان ہی کیا جائے۔ مجھے سب سے زیادہ یہ

کے ماما ما ـــ گے۔ وہ ہمارے محسن ہیں

آ اکھ ـــ کہ پیچھے دوڈھائی سال

ں ـــ ا ـــ یہ بھی معلوم

وقتی ہے یا بقول تمھارے

جواں ہوئی اور لوگوں نے ہاں عذاب میں کرنی شروع کر دی کسی کی شادی
نہ ہو تو یہ لوگ لڑکی اور اس کے بزرگوں کو جینا دشوار کر دیتے ہیں۔
ابھی ہمارے ہاں وہ وقت نہیں آیا کہ کنواری لڑکی نیک نامی کی
زندگی بسر کر سکے۔ ممکن ہے کچھ عرصے بعد جب لوگوں کے خیالات
سدھریں، ان میں زیادہ وسعت پیدا ہو تو ایسا ہونے لگے ابھی
تو محال ہے۔ کیا اس وقت ان لوگوں کے خدانخواستہ بدنام کرنے
کا تمھیں صدمہ نہ ہوگا۔
عذرا۔ انسان کا اپنا دل پاک صاف ہونا چاہیئے کسی کے
کہنے سے کیا ہوتا ہے۔
ناصرہ۔ بس یہی تو میں بھی کہتی ہوں اس معاملے میں بھی لوگوں کو
کہنے دو۔ جانتی ہو اس انکار کا کیا نتیجہ ہوگا؟ انصار بھائی دل شکستہ
ہو کر یورپ چلے جائیں گے اور پھر اماں اور دوسرے بزرگ تمھاری
رائے کو بچوں کی ضد سمجھ کر نظرانداز کر دیں گے اور کسی ایسے لڑکے سے
جسے شاید تم پسند بھی نہ کرتی ہو اور جو تمھارے قابل بھی نہ ہو، زبردستی
تمھاری شادی کر دی جائے گی۔ تم کسی نہ کسی طرح زندگی بسر کر لو گی
مگر تمھارے اونچے ارادے، ادبی ذوق، تعلیمی شوق سب خاک میں
مل جائے گا اور تم معمولی بس بچے پیدا کرنے والی عورت ہو کر رہ جاؤ گی
شاید اس گڑبڑ میں انصار بھائی کو بھول بھی جاؤ۔ مگر میرے بھائی کی
ساری زندگی ناکام اور نامراد گزرے گی انھیں تم سے وہ محبت نہیں
جو وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ گیارہ
سال سے جب تم اور وہ اس نام سے بھی ناآشنا تھے، یہ محبت نشوونما

حوراں بہشتی تمہارے دامن پر سجدہ کریں۔ بے وقوف تم نہیں سمجھتی ہو
کہ لوگ محض حسد سے یہ سب باتیں کہہ رہے ہیں ورنہ وہ خود تمہیں اپنی
بہو بنانے کے لئے بے قرار نہ ہوتے۔

عذرا۔ ناجرہ دنیا کے کہنے کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ
سے میری اماں کو کوئی ایسی بات سننی پڑے جس سے انہیں صدمہ ہو۔

ناجرہ۔ تم یہ بتاؤ کہ انصار بھائی کو دل سے چاہتی ہو؟

عذرا۔ کیا واہیات باتیں کرتی ہو۔

ناجرہ اگر انصار بھائی سے لوگوں کے کہنے سننے کے خیال سے
انکار کرتی ہو تو پھر کسے انتخاب کیا جائے؟

عذرا۔ کسی کو نہیں

ناجرہ۔ خوب تو تمہارا خیال ہے کہ اماں تمہیں س سائیں گی

عذرا میں آزاد زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی تعلیم کی تکمیل
کروں گی اپنے ادبی ذوق کو پورا کروں گی۔ اس کے بعد اپنی ہم جنسوں
کی خدمت میں زندگی گزار دوں گی۔

ناجرہ۔ جی اور اسے اماں اور چچا جان منظور بھی کر لیں گے؟

عذرا اگر انہیں مجھ سے محبت ہے اور میری خوشی کے طالب ہیں
ضرور منظور کر لیں گے۔ آخر سب کی شادی ہوتی ہے اگر ایک کی
نہ ہو تو قیامت نہیں آجائے گی۔

ناجرہ۔ جی ہاں اور اس بارے میں لوگ جو باتیں بنائیں گے اس کی
تمہیں پرواہ ہوگی؟ تم کیا جانو ہماری سوسائٹی میں لڑکیوں کو کنوارا
رہنا کتنا بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں ورا لڑکی

عذرا۔ نہیں باجرہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ ساری دنیا یہ کہے گی کہ لڑکی لڑکے میں پہلے سے خط و کتابت تھی۔ دوستی تھی (غصے میں آواز کانپنے لگی) باجرہ تم کیا جانو کہ ان باتوں کا خیال کر کے میرا خون کس طرح کھولنے لگتا ہے۔ میرے دل کی کیسی عجیب حالت ہو جاتی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنا اور ان لوگوں کا خون ایک کر ڈالوں پھر ان کا کہنا بالکل، لفظاً غلط بھی نہیں۔ بے شک ہم میں دوستی بھی تھی اور خط و کتابت بھی ـــ مگر ایسی جیسی کسی حقیقی بہن بھائی میں ہوتی ہے مگر ہماری سوسائٹی گندے اور جاہلانہ خیالات رکھتی ہے۔ ہر ایک صاف بات میں ہر شریف لڑکے لڑکی میں عیب نکالنا اور الزام رکھنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور اس طرح بظاہر اپنی نیکی اور دراصل اپنی پست ذہنیت کا اظہار کرتی ہے ـــ ہائے ہندوستانی لڑکی تیری بے بسی! جب خود میری چچی اور خالہ نے مجھے اور میری فرشتہ صفت ماں کو ایسی ایسی باتیں کہیں تو تم ہی کہو غیر لوگ جو ہم سے اور ہمارے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں کیا کچھ حاشیہ آرائیاں نہ کریں گے۔ نہیں باجرہ نہیں۔ میرے دل میں اتنی طاقت نہیں کہ یہ سب باتیں سن سکوں گی۔

باجرہ۔ (جو عذرا کا غصہ دیکھ کر سہمی جا رہی تھی) تم احمق ہو جذباتی لڑکی ذرا سی بات کو اتنا نہیں بڑھایا کرتے۔ تم حد سے زیادہ حساس اور نازک مزاج واقع ہوئی ہو۔ کتے بھونکتے رہتے ہیں، انہیں بھونکنے دو۔ چاند پہ خاک ڈالنے سے اس پر پڑ تو نہیں سکتی ـــ آسمان کا تھوکا حلق میں آتا ہے ـــ جاننے والے جانتے ہیں کہ

اگر تم نے مجھے کچھ بھی سمجھا ہے تو تمھیں یہ اندازہ ہوگا کہ میں ان کی کتنی قدر
اور عزت اور ان سے کس قدر ـــــ کتنا خیال کرتی ہوں اگرچہ اس
بات کا مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ یہ بھی ممکن ہے۔

ناحرہ۔ (عذرا سے لپٹ کر) ہاں ہاں میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ تم انھیں
ناپسند نہ کرو گی آخر انصار بھائی کی سچی محبت کا اثر کہاں تک تمہارے
دل پر نہ ہوتا تم نے ٹھیک انھیں پسند کرتی ہو ـ انھیں چاہتی ہو۔
تو کہہ دو نا مجھ سے کیا شرم

عذرا۔ (سر جھکائے ہوئے) میں نہیں جانتی چاہنا اپنا کسے کہتے
ہیں اور نہ میں نے کبھی اس مسئلے پر غور کیا ـ ہاں یہ ضرور ہے کہ
انصار جیسے ـــــ یعنی ـــــ یہ کہ ـــــ ان کی سی طبیعت اور خیالات
والے کے ساتھ ـــــ نباہنا ـــ آسان تھا ـ مگر ناحرہ یہ ممکن نہیں ـــ

ناحرہ۔ (گھبرا کر) کیوں ؟

عذرا۔ تم نہیں جانتی ہو ـــ خالہ جان اور مجیدی چچی میرے اور ـــــ انصار
کے متعلق کیسی ذلیل باتیں کہتی ہیں۔

ناحرہ۔ اچھا وہ باتیں تم نے سُنی تھیں تب ہی تم اس دن اس قدر رو رہی
دھوئی تھیں ـــــ مجھے بھی فرح باجی کی ساس نے کچھ باتیں سُنائی
تھیں۔ خدا سمجھے ان عورتوں کو جو شریف لڑکیوں کے بارے میں
ایسی باتیں سوچیں ـــ میری بہن تم ان جاہل بے وقوف عورتوں کے
کہنے کا ذرا سا خیال نہ کرو۔ ان کے خیالات اور دماغ میں وسعت
نہیں ہر بات کا برا پہلو لیتی ہیں ـــ خیر کوئی بات نہیں شادی کے بعد
سب کی زبان بند ہو جائے گی مجال ہے جو کوئی کچھ کہے۔

راہ نہ پائی تو عذرا کی سُرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگا۔
ناحرہ بڑے غور اور صبر سے عذرا کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی اور اس خیال سے خاموش بیٹھی تھی کہ وہ اچھی طرح سوچ لے تب جواب دے گی لیکن اسے روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئی اور گلے سے لگا کر بولی وہ کیوں میری اچی ـــ خدا کرے روئیں تمھارے دشمن۔ کیوں رو رہی ہو؟ آخر مجھ سے تو کچھ بولو یہ چُپ میر کا درد کیسا؟"
عذرا دیر تک ناحرہ کے کندھے پر سر رکھے چُپ چاپ روتی رہی۔ جب دل کی بھڑاس نکل گئی تو اس نے آنسو پونچھے۔ پھر میں جھک کر منہ دھویا۔
ناحرہ۔ عذرا میری جان خدا کے لئے بتاؤ کہ تم اس قدر رنجیدہ کیوں رہتی ہو۔ اگر انصار بھائی کسی وجہ سے تمھیں ناپسند ہیں تو خدا کے لئے صاف صاف بتا دو۔ تمھیں کوئی مجبور نہیں کرے گا۔
عذرا۔ ناحرہ یہ بات نہیں۔
ناحرہ۔ تو پھر بتاؤ کیا بات ہے ـــ عذرا کیا تم بھول گئیں کہ جب دادا ابا انصار بھائی سے میرا رشتہ کرنا چاہتے تھے، اس وقت تم نے کہا تھا کہ انصار جیسی صفات کے لڑکے بہت کم ہوتے ہیں تم انھیں کیوں ناپسند کرتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں نے ان کو اس لئے ناپسند کیا تھا کہ میرے دل میں کوئی اور بسا ہوا تھا لیکن اب میں تم سے تمہارے ہی لفظوں میں پوچھتی ہوں کہ تم انصار جیسی صفات کے انسان کو کیوں ناپسند کرتی ہو۔
عذرا۔ (رُک رُک کر) یہ میں نے کب کہا کہ میں ناپسند کرتی ہوں۔ ناحرہ

"آہ میرا معصوم اور انجان دل جس میں کبھی کسی سے محبت کا خیال ہی پیدا
نہ ہوا۔ میں نے تو ہمیشہ سب سے کھائی جان کی طرح محبت کی یہ خیال ہی
نہ آیا کہ اس کے کوئی اور معنی بھی لئے جاسکتے ہیں۔ مجھے تو لوگوں کے
خیالات کا ذرا سا احساس نہ تھا نہیں بھائی آپس میں ملتے جلتے بھی
ہیں خط وکتابت بھی کرتے ہیں اس میں رائی کی کیا بات ہوسکتی ہے ؟
کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ یا اللہ میں اتنے قصے کہانیاں ناول غرلیں،
سب کچھ پڑھتی تھی لیکن کبھی بھولے سے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ اس قسم
کی باتیں حقیقت میں بھی پیش آسکتی ہیں۔ انصار ــــ نے اگر دل
دل میں مجھے چاہا تو اس میں میرا کیا قصور۔ کبھی میں نے ان کے طرز عمل
سے یہ سمجھا کہ ان کی محبت کا کوئی اور مطلب بھی ہے ــ پہلی مرتبہ
بھائی جان کی شادی میں کھٹکی ضرور تھی مگر ـــ مگر میں تو انھیں ماموں
سمجھتی تھی جس سے کوئی اور رشتہ ـــ توبہ میں بھی کیسی احمق ہوں۔
آہ اس پر بھی خالہ جان نے میرے اوپر کیسے کیسے شرمناک الزام لگائے
مجھ جیسی سیدھی اور معصوم طبیعت والی پر ـــ ہائے ان لوگوں نے
مجھے کہیں کا نہ رکھا یا اللہ یہ بدگمان لوگ تو نے کس شیطانی مٹی کے
بنائے ہیں۔ انھیں کسی پاک دامن شریف لڑکی پر جھوٹے بہتان رکھتے
شرم نہیں آتی، دل نہیں لرزتا ؟ ہائے میں کیا کروں اگر یہ رشتہ ہوگیا
تو جیسا کہ خالہ جان کہہ رہی تھیں لوگ کہیں گے کہ لڑکے لڑکی میں پہلے
سے دوستی تھی۔ نہیں نہیں ـــ ایسا نہیں ہونا چاہئے ـــ میں اپنی
قربانی دوں گی۔ اپنی زندگی برباد کرڈالوں گی۔ مگر اماں پر اور اپنے
پر ایسے الزام نہ آنے دوں گی ـــ" محمودہ غصے نے جب نکلنے کی اور کوئی

محبت ہے ۔۔۔ یہ سُن کر کہ انصار بھی اسے چاہتا بلکہ اس کی پرستش کرتا ہے (جس کا تھوڑا بہت اندازہ کچھ دن سے اُسے خود بھی ہوا تھا) اس کے جذبات جاگ گئے تھے ۔۔۔ وہ ایک خاص قسم کی خوشی اور ساتھ ہی سخت شرم محسوس کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا لبوں پر ہلکی سی دلفریب مسکراہٹ کھیلنے لگی ۔۔۔ مگر فوراً ہی جمیلہ خاتون اور محمدی بیگم کی باتیں یاد آگئیں اور اس کا سارا جسم کانپنے لگا آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں اور اس نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹ لیا اس کا دل انتہائی کش مکش میں مبتلا تھا ایک طرف انصار کی محبت تھی (جس کی دبی ہوئی چنگاری غیر محسوس طور پر سالہا سال سے سلگ رہی تھی اور آج یکایک زور شور سے بھڑک اُٹھی تھی) اور اس جیسے ہم خیال، ہم مذاق جاں نثار کے ساتھ بقیہ عمر بسر کرنے کی دل خوش کن آرزو اس کا دامن کھینچتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ہاجرہ سے اپنی پسند اور محبت کا اقرار کرلے ۔۔۔ شادی تو بہر حال ہونی ہے۔ اماں اور بہن بھائیوں کی جُدائی برداشت کرنی ہی ہوگی ہندوستانی لڑکی کے لئے شادی موت کی طرح اٹل ہے۔ پھر انصار کے پیام کو جس سے بہتر پیام آ نہیں سکتا وہ کیوں نہ منظور کرلے؟ دوسری طرف محمدی بیگم اور جمیلہ خاتون کی زہر میں بجھی ہوئی باتیں اس کے دل کو زخمی کر رہی تھیں۔ انھوں نے اس کے متعلق کیسی کیسی بُری باتیں کہیں۔ دوستی۔ خط و کتابت۔ اماں پر رکیک الزامات ۔۔۔ لڑکا لڑکی کو قبضے میں اس لئے کیا کہ جائداد ہاتھ لگ جائے۔ لڑکی سے عشق و عاشقی ۔۔۔ شادی ہوئی تو سب الزامات کی تصدیق ہو جائے گی وہ سوچ رہی تھی

امیدوار کا نام ہے ـــــ انصار ـــــ

عذرا کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا کہ ناجرہ اس کی کیفیت نہ دیکھے۔ ناجرہ نے اس کا چہرہ ہاتھ سے اپنی طرف کرتے ہوئے کہا "اچھا تم ابھی سے مجھ سے شرمانے لگیں"

عذرا خاموش رہی پر نظریں گاڑے بیٹھی رہی۔

ناجرہ: عذرا مذاق ختم۔ سچی بات یہ ہے کہ انصار بھائی، تمہارے بھائی جان، امّاں، ابّا، سب کو پسند ہیں ـــ رہی میں، تو میں اس دن کے انتظار میں مری جا رہی ہوں جس دن میری اچھی میری بھاوج بنے گی۔ لیکن اصل چیز تمہاری رائے اور پسند ہے ـــ اب تم بتاؤ کہ تمہیں یہ رشتہ پسند ہے یا خدانخواستہ کسی وجہ سے ناپسند۔

عذرا اب بھی خاموش رہی اور گہری سوچ میں غرق۔

ناجرہ: تمہیں شاید معلوم نہ ہو انصار بھائی نے اسی لئے جائداد کو خوشی سے بیچ دیا تا کہ ناراضگی کی پروا نہ کی۔ وہ خدا جانے کب سے دل ہی دل میں تمہاری پرستش کر رہے ہیں۔ اس پریشانی اور فکر میں آدھے نہیں رہے کہ نہ جانے ان کا پیام منظور کیا جائے گا یا نہیں۔ ان کا ارادہ جلد سے جلد یورپ جانے کا ہے۔ مگر وہ وہاں جانے کا فیصلہ جب تک نہیں کر سکتے جب تک رشتے کا مسئلہ قطعی طور پر طے نہ ہو جائے۔ عذرا میری بہن وہ دل و جان سے تم پر فریفتہ ہیں۔

عذرا کے چہرے پر اس وقت ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ وہ سخت اندرونی کشمکش میں مبتلا تھی۔ آج پہلی مرتبہ وہ اپنے دل کا جائزہ لے کر یہ اندازہ کر رہی تھی کہ خود اسے انصار سے والہانہ

دیا حسب عادت فوراً کوئی عیب نہ نکال دیا۔
عذرا۔ میں نے تو کسی میں عیب نہیں نکالا۔ ہاں جب تم پوچھتی ہو
تو رائے دینے کا مجھے حق ضرور ہے۔
ہاجرہ۔ بے شک ہے۔ اسی لئے تو پوچھ رہی ہوں۔ یہ صاحب
معمولی صورت کے آدمی ہیں۔ جائداد وغیرہ بھی نہیں ابھی کہیں نوکر
چاکر نہیں۔ چند دن بعد یورپ جانے کا ارادہ ہے مخلص خوش مزاج
اور ملنسار طبیعت ہے ہاں ضدی اور خود سر مشہور ہیں۔

عذرا پہلے حیرت سے ہاجرہ کو دیکھتی رہی یکایک اس کی نظریں
جھک گئیں اور پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ وہ بار بار ہاتھ کے رومال کو
انگلی پر لپیٹ اور کھول رہی تھی۔ ہاجرہ دل چسپی سے عذرا کی کیفیت
کو دیکھتی رہی کچھ دیر بعد بولی۔

ہاجرہ۔ کہو تو نام بھی بتادوں اگرچہ نام سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا
اصل چیز حالات اور صفات ہیں وہ میں نے تمھیں بتا دیئے
عذرا۔ پھر بھی آخر ـــ
ہاجرہ۔ فرض کرلو ان کا نام رشید ہے۔
عذرا۔ (چونک کر) رشید؟
ہاجرہ۔ (ہنس کر) میں نے کہا تھا کہ فرض کرلو۔ کوئی سچ مچ کسی ہمدرد
کا پیام تھوڑا ہی ہے۔ ہاں تو ان کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔
عذرا۔ (جیر سر ہو کر) جس کے متعلق انسان کچھ جانتا ہی نہ ہو اس کے
لئے کیا رائے دے سکتا ہے۔
ہاجرہ۔ نہیں تم سب کچھ جانتی ہو۔ خفا نہ ہو بتائے دیتی ہوں۔ اس

اب رہے جمیل اور فرحت تم ان دونوں میں سے کس کو قابلِ ترجیح
سمجھتی ہو۔

عذرا۔ کسی کو بھی نہیں۔

ہاجرہ۔ (مسکرا کر) کیا مطلب۔ دونوں یکساں پسند ہیں؟

عذرا۔ ہاجرہ میں مار بیٹھوں گی۔ شادی کے بعد سے تم بڑی بے ہودہ
ہو گئی ہو۔

ہاجرہ۔ واہ میں نے کیا کہا۔ آخر سادہ سا کہ تمھیں کون بہتر
معلوم ہوتا ہے۔

عذرا۔ تم جانتی ہو کہ خالہ جان اور اُن کے صاحبزادے سے میری
روح جاتی ہے۔

ہاجرہ۔ ٹھیک ہے اور بھی کوئی اس رشتے کو پسند نہیں کرتا اب رہے
فرحت وہ تم جانتی ہو کہ بیرسٹر ہیں۔ ان کی پریکٹس بھی خوب چلنے لگی
ہے ابھی اور کافی ترقی کریں گے۔ خوب صورت ہیں خوش مزاج ہیں
صاحب جائداد ہیں اُن کی ماں بڑی آرزو سے خواستگاری کر رہی ہیں۔

عذرا۔ (چہرے پر فکر و تردد کے آثار ماتھے پر شکن پڑے ہوئے) ہاجرہ
افسوس ہے کہ تم بھی مجھے نہ سمجھ سکیں کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجھے سرکاری
نوکروں اور صاحب ثروت لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے
ان سے نفرت نہ سہی مگر ایسے ماحول میں ساری زندگی نہ بسر کر سکوں گی
یہ اندازہ تو تم لوگوں کو خود لگا لینا چاہیے تھا۔

ہاجرہ۔ ہم نے اندازہ ضرور لگایا تھا۔ مگر قیاس سے اس بات کا
فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے۔ ہاں ایک پیغام اور ہے ذرا سوچ کر جواب

میرا نام تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہاں عذرا مجھے تم سے اس وقت کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔

عذرا۔ (بے کل سی ہو کر) وہ ایسی کیا ضروری باتیں ہیں۔

ناجرہ۔ تمھارے بھائی پرسوں دہلی سدھار رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے جانے سے پہلے یہ مسئلہ طے ہو جائے

عذرا۔ تم تو معمّوں میں باتیں کر رہی ہو۔

ناجرہ۔ پہلے یہ طے کر لو کہ کوئی شرم اور تکلف ہماری گفتگو میں حارج نہ ہوگا

عذرا۔ آج تک تو میں نے تم سے کبھی تکلف کیا نہیں۔

ناجرہ۔ یا یوں کہو کہ میں نے کبھی تم سے کوئی تکلف یا شرم نہیں کی تم میرے ہر راز ہر خیال اور ہر بات سے اسی ہی واقف رہیں جتنی میں خود مگر تم مجھ سے بہت کم کھلیں۔ لیکن اس وقت تمھیں اپنے دل کی بات ٹھیک ٹھیک بتانی ہوگی۔ لو لو بتاؤ گی؟

عذرا۔ (پریشان ہو کر) میرے دل میں کوئی بات ہوئی نہیں بتاؤں گی کیا۔

ناجرہ۔ یہ تو میرے سوال کا جواب نہ ہوا۔ اچھا تو صاف صاف سنو کہ تمھارے بھائی اور اماں کی خواہش یہ ہے کہ تمھاری نسبت کا معاملہ بہت جلد طے ہو جائے مگر "وہ" اس معاملے میں سب سے پہلے تمھاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

عذرا سر جھکائے کسی گہرے سوچ میں غرق رہی۔ ناجرہ نے گفتگو جاری رکھی۔

ناجرہ۔ فرحت حسن، مہدی حسین اور جمیل بھائی کا پیام بہت دن سے آیا ہوا ہے۔ مہدی حسین کو تو ہم میں سے کسی نے قابل غور نہیں سمجھا

کوٹ سرکے نیچے رکھ کر لیٹ گئے اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔
ناجرہ نے عذرا کا ہاتھ پکڑا اور کہا چلو باغ کے مشرقی سرے پہ ندی سے جو چھوٹی نہر کاٹ کر لائی گئی ہے اس کے کنارے چل کر بیٹھیں گے عذرا نے کہا ناجی اور سندہ کو بھی لے لیں مگر ناجرہ نہ مانی کہ بھئی باجی تو ایسے دولہا سے باتیں کر رہی ہیں اور وہ دیکھو سندہ اور اصغر لوڈو کھیل رہے ہیں ہم کیوں ان کی دلچسپی میں حائل ہوں۔
دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خراماں خراماں ندی کی طرف چلیں۔
آج ریاض اور عذرا کی دوست کی اور نسیمہ کی اجازت سے ناجرہ نے گل انار ساڑھی پہنی تھی اور موتیوں کا ہلکا ہلکا زیور پہنے بہت خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔ عذرا موسم کی مناسبت سے دھانی کرتہ دوپٹہ اور سفید شلوار پہنے ہوئے تھی۔ دونوں سرے کو پامال کرتی جاکر ایک درخت کے نیچے ندی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئیں ہلکی ہلکی موجیں آتیں اور ان کے سڈول پاؤں سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتیں۔
عذرا۔ ناجرہ بھئی یہاں تو نام لے سکتی ہوں نا؟ اماں اور باجی گلا گھونٹنے کو بیٹھی ہیں۔
ناجرہ۔ تم ہمیشہ ناجرہ کہا کرو، تمہارے منہ سے میرا نام بڑا اچھا لگتا ہے۔
عذرا۔ مگر سب برا بھلا کہتے ہیں کہ بڑی بھاوج کا نام نہ لو بھابی کہو۔
ناجرہ۔ کہنے دو لوگوں کو تم جو جی چاہے کہہ کر پکارو۔
عذرا۔ (سنجیدگی سے) یہ دنیا ہے ناجرہ۔ لوگوں کے کہنے سننے کی پروا کرنی ہی پڑتی ہے ورنہ زندگی گذارنا دشوار ہو جائے۔
ناجرہ۔ اتنی سی بات کے لئے تم خواہ مخواہ اداس ہوتی ہو سچ تو یہ

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہئے　　کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو بیمار دار　　اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

ریاض ۔ غرض یہ کہ "کوئی نہ ہو"

باجرہ ۔ یہ ابھی سے ترکِ دُنیا کی کیوں ٹھان لی ۔

انصار ۔ ؎ وابستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
اور بھئی عذرا! ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
(پھر عذرا کی طرف دیکھ کر پُر اثر لہجے میں) ؎
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غم اُلفت ہی کیوں نہ ہو

عذرا انصار کی نظروں اور شعر سے گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور باجرہ کی طرف دیکھ کر بولی اب چلنا چاہئے اماں پریشاں ہو رہی ہوں گی ۔

ریاض ۔ تھک گئی ہو تو بیت بازی موقوف کردو ۔ مگر ابھی جانے کی کیا جلدی ہے ۔ اماں سے شام تک کی اجازت لے کر آئے ہیں ہم تو بھئی اب سوئیں گے ۔

اکبر پور سے تین میل پر حبیب دلہن کا ایک بڑا سا باغ تھا ۔ آج ریاض ماں سے اجازت لے کر بیوی بہنوں کو وہاں سیر کے لئے لائے تھے مالیوں کو ہٹا دیا گیا تھا اور پردے کا پورا انتظام تھا ۔ کھانا کھانے کے بعد انصار کی تحریک سے بیت بازی شروع ہوئی جو دو گھنٹے کے قریب جاری رہی ۔ بیت بازی کے بعد انصار اور ریاض تو اپنے اپنے

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ ۔ صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

پھول بے پروا ہیں تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو

ناصرہ۔ اُف کتنے پُر اثر شعر ہیں۔

انصار۔ ایسی بھی کیا مایوسی ؎

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ۔ ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ ۔ جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے ۔ سرِ آدم ہے ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

ریاض۔ شاباش عذرا سے بڑھ گئے۔ تو اسی کے دو شعر مجھے بھی یاد آ گئے ؎

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

ناصرہ ؎ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

عذرا۔ تم نے ایک ہی شعر میں سب کچھ کہہ دیا۔

ریاض۔ ہاں بھئی عذرا اب تمہاری باری آئی۔

عذرا ؎

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ۔ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

یارب نہ جہاں گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنرمند

ہاجرہ۔ ؎ دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

عذرا۔ ؎ آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

انصار۔ ؎ میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ریاض۔ اس طرح کی پابندی سے اچھے اچھے شعر دینے کی نوبت نہیں آتی اب جس کو جو اچھا شعر یا اشعار یاد آئیں پڑھے۔

انصار۔ ارے گئے یا احباب یہاں ایک دن اور رات برابر شعر دے سکتے ہیں۔

ہاجرہ۔ آپ شاعر جو ٹھیرے۔

انصار۔ بس میاں کی طرف داری نہ کرو۔ اچھا چلو منظور۔

ریاض ؎ کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

ہاجرہ۔ (کنکھیوں سے ریاض کو دیکھ کر) ؎
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

عذرا۔ ؎
تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہوگئے ۔ لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
آہ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہوگئی ۔ پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا

عذرا - وں ؟ سے

نہ لٹتا دن کو تو کیوں رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو

انصار - عذرا کو غالب کس قدر یاد ہے - خیر ہم بھی کیا یاد کرو گی سے

واں اس کو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر ہی سے ہو

باجرہ - سے وہ میکش ہوں فروغ مے سے خود گلزار بن جاؤں
ہوائے گل فراقِ ساقیِ نامہرباں تک ہے

اصغر - یہ بھائی دلص اب رٹے رٹے مشکل شعر دینے لگی ہیں ہم تو اب چلے

باجرہ - جی پہلے میرا شعر دیتے جائیے - سنترم نہیں آتی اے
میں پڑھ رہے ہو -

اصغر - اب مجھے یاد نہ آئے تو کیا کروں

نسیم - سیدہ دیکھو تمھیں فرح بلا رہی ہیں -

سیدہ - آپ ہی چلے جائیے

نسیم - چلا تو جاتا مگر ان لڑکے لڑکیوں سے ڈر لگتا ہے -

ریاض - دادا ابا آپ تشریف لے جاتے بیٹھیں گے کبھی تو شعر
کہاں سے دیں گے -

نسیم، سیدہ اور اصغر چلے گئے -

انصار - سارے بھگوڑے بھاگ گئے - نسیم کو تو شعر شاعری
سے ذرا مس نہیں -

ریاض - اچھا مجھے دیا ہے ؟ سے

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

انصار۔ شادی کے بعد اور کیا امید کی جا سکتی ہے۔ لاؤ اصغر لوں

اصغر۔ ؎ نصیحت نے اثر ہے گر نہ ہو درد
یہ گر ناصح کو سکھلانا پڑے گا

سنجیدہ۔ ؎ ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

نسیم۔ صورت تو بہت اچھی ہے مگر ت کا شعر بہت مشکل ہے۔

انصار۔ بھئی بھس آساں کون سا ہے

ریاض آئی بی۔ اس کمبخت شعر شاعری سے واسطہ کیا

نسیم۔ بات تو ٹھیک ہے اچھا یہ کیا شعر ہے ہم کو بھی قلق ہوتا

عذرا۔ جی وہ یہ ہے

؎ گر صاحب دل ہوتے سن کر مری بیتابی
تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

مگر دولہا بھائی یہ گ کا شعر ہے شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔

نسیم۔ تو آخر میں ت کہاں سے لاؤں۔ عذرا میری بہن تم
میرے بدلے دے دو۔

عذرا۔ ؎ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

ریاض۔ ؎ نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

اصغر ۔ ؎ پاس ہی پاس ہے ارمان دل ویراں میں نہیں
ایک سر سبز شجر میرے گلستاں میں نہیں

شیدہ۔ مدارہ کرے ؎

کر دیں مجھ کو محصور جو فردوس میں حوریں
مراد وقتِ جنوں پھر گرمیٔ محفل نہ ہو جائے

مولانا حالی لائیے ہے۔

نسیم۔ (بڑی دیر سوچ کر) بھئی بڑی جلدی میری باری آجاتی ہے۔ خیر لو

؎ یاں دے چکی جواب امید جواب خط
واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز

ریاض۔ اس مرتبہ تو خاصا معقول شعر دے دیا۔

؎ زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

عذرا۔ ہر مرتبہ میرے حصے میں ی آتی ہے۔

یارب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو
بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

انصار ع۔ بڑا غیر شاعرانہ حرف ہے مگر شعر کیا اچھا یاد آیا ہے

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

فرح۔ پھر ے۔ بھئی میں تو باری لوٹے دیتی ہوں۔ نسیم اٹھ گیا ہے
اب لوگ بیت بحثی کھیلنے میں جا رہی ہوں۔

ناجرہ۔ واہ فرح باجی مجھے ے میں پھنسا کر چل دیں ؎

اصغر۔ ؎ نازک ہے میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا

شبنم۔ ؎ آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر ان سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

نسیم۔ پھر میری باری آگئی۔ کون چاہئے لوں۔ اچھا لو یاد آگیا ؎
نہ گالی سے دشنام سے جی چرائیں
نہ حق سے بیزار سے ہچکچائیں

ریاض۔ ماشاءاللہ کیا شعر دیا ہے ؎
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

عذرا۔ ؎ یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

انصار۔ بہت خوب ؎
نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں

فرخ۔ جواب باصواب ہے۔ ؎
نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ہاجرہ۔ یوں ہی یوں آئے چلا جا رہا ہے ؎
نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری تو قتیل شیوۂ آزری

اکیسواں باب

ریاض۔ لائیے لائیے میم کا شعر لائیے۔

عذرا۔ میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا   الف لائیے۔

انصار۔ اک ہم کہ خاک ہو کے بھی تم پہ فدا رہے
اک تم کہ خاک کر کے بھی دامن کشاں رہے   لاؤ فرخ ی سے لاؤ۔

فرخ۔ یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

ناجرہ۔ (آہستہ آواز میں) اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتہ
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

اُداسروں دو۔

سچ بتانا عذرا کو زیادہ چاہتی ہو یا اس کے بھائی کو۔
ماجرہ نے مسکرا کر آنکھیں نیچی کر لیں اور کوئی جواب نہیں دیا!
ریاض۔ مگر ہمیں تمھاری دوست سے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہمیں چاہتی ہو۔
ماجرہ۔ عذرا نے کہا؟ بڑی جھوٹی بدتمیز ہے؟
ریاض۔ اچھا تو کیا یہ جھوٹ تھا؟ تم مجھے پسند نہیں کرتی تھیں؟ بتاؤ۔
ماجرہ۔ ہم نہیں بتاتے۔
ریاض۔ اچھا ہم بتائے دیتے ہیں کہ ہم برسوں سے تمھیں دل دے چکے تھے
ماجرہ نے ایک مرتبہ نشیلی آنکھوں سے ریاض کو دیکھا اور شرما کر سر جھکا لیا۔

ناحرہ۔ (شرمائی ہوئی ادا کے ساتھ) جی ہاں موقع دیکھ کر بات کروں گی۔

ریاض۔ کہیں کسی نے انصار کے پیام کے متعلق تو اس سے کچھ نہیں کہا؟ اس پر تو وہ اس قدر رنجیدہ نہیں ہے؟

ناحرہ۔ (دھیمی آواز میں) میرا تو یہ خیال نہیں۔ عذرا اور انصار بھائی بچپن سے ساتھ رہے ہیں۔ عذرا بغیر کسی خاص جذبے کے انصار بھائی کو بہت پسند کرتی ہے۔ دونوں میں سچی اور بے لوث محبت ہے، عذرا کی محض رشتے کی بات سن کر ایسی حالت نہیں ہو سکتی۔ مجھے تو وہ بہت بیمار معلوم ہوتی ہے۔

ریاض۔ تعجب ہے۔ آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

ناحرہ۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ شاید کسی نے ان کے ملنے جلنے پر کچھ کہہ دیا ہو۔

ریاض۔ خدا بچائے ان عورتوں کی زبان سے۔ ناحرہ، میری جان تم جانتی ہو کہ مجھے عذرا کی بہت فکر ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ اس کا رشتہ انصار سے ہو۔

ناحرہ۔ میری بھی آرزو یہی ہے۔

ریاض۔ مگر جب تک تم عذرا سے اس معاملے میں گفتگو کر کے اس کی رائے نہ معلوم کر لو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ عذرا کی رائے سوا تمہارے اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔

ناحرہ۔ آپ کے کہنے کی ضرورت نہیں مجھے آپ سے زیادہ فکر ہے۔ آپ نہیں جانتے مجھے عذرا سے کتنی محبت ہے۔

ریاض۔ (اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر)

اموں کی مگر بتیوں کی چھوٹی چھوٹی تصویریں چسپاں تھیں۔
کاپی پر نہایت خوش خط اور سلیقے سے ریاض کے وہ مضموں اور افسانے
جو انھوں نے طالب علمی میں لکھے تھے نقل کئے ہوئے تھے اور آخر میں
چار پانچ افسانے خود عدرا کے لکھے ہوئے۔
سب نے تھکے کو بہت پسند کیا۔ ہاجرہ نے لے کر سینے سے لگا لیا عدرا
دلائی اوڑھے چپ چاپ لیٹی رہی۔ سیدہ نے کہا" اماں پریشان ہو رہی
ہیں، چھوٹی ماجی کو بلا رہی ہیں" یہ سن کر عدرا گھر چلی گئی۔ اس کے
ساتھ سیدہ بھی۔
ریاض میری سمجھ میں نہیں آیا کہ بات کیا ہے میں نے کبھی عدرا کو اس قدر
افسردہ نہیں دیکھا۔
فرح۔ ضرور خالہ جان نے کچھ کہا ہے۔ وہ عدرا کے سمدھیوں میں آنے
کے خلاف تھیں اور جب سے اس کا منہ پھولا ہوا ہے۔
انصار جمیلہ آپا سے تو میری روح فنا ہوتی ہے اور عدرا سے تو انھیں ہمیشہ
سے کد ہے خدا جانے کیا کیا کہا ہوگا جو عدرا اس قدر رنجیدہ ہے۔
ریاض۔ اپنی بھابی سے کہو وہ عدرا سے پوچھیں۔
فرح۔ عدرا کسی کو بتانے والی نہیں۔ میں اور کسی سے دریافت کر دیکھی
اچھا بھائی جان میں تو اب جاتی ہوں۔ شمیم اٹھ گیا ہوگا۔ ذرا عدرا کا
بھی دل بہلاؤں گی۔ فرح اُدھر گئی۔ انصار بھی باہر چلے گئے۔ ریاض
اُٹھ کر ہاجرہ کے پاس آبیٹھے اور دوپٹہ ہٹا کر بولے" لو اب تو گھونگھٹ کھول دو
سب غیر آدمی چلے گئے" ہاجرہ مسکرائی۔ ریاض نے کہا" ہاجرہ عدرا کے
بارے میں میں نے جو بات تم سے کہی ہے وہ یاد رکھنا۔

نسیمہ۔ سیدہ کہاں جا رہی ہے اور فرح اور عذرا کہاں ہیں؟
سیدہ۔ چھوٹی باجی کی طبیعت اچھی نہیں تھی سر میں بڑا درد تھا بھائی جان بھی
دلہن بھابی کے پاس لے گئے ہیں باجی بھی وہیں ہیں۔
نسیمہ۔ کیا سر میں بہت درد ہے۔ ٹھہرو میں بھی چلتی ہوں۔
سیدہ۔ اماں آپ کیوں تکلیف کریں اب تو ان کا درد جاتا رہا میں بھی
انہیں بلا لاتی ہوں
نسیمہ۔ ہاں بیٹی تم لوگ آجاؤ۔ دلہن کو سب مل کر پریشان نہ کرو۔
سیدہ۔ (ہنس کر) اماں اب کیا ہاجرہ آپا کچھ اور ہو گئیں۔ ہم تو پہلے
بھی پریشان کرتے تھے اب بھی کریں گے۔ یہ کہہ کر سیدہ چلی گئی اور
پیکٹ لے جا کر ریاض کے ہاتھ میں دے دیا۔ انصار، فرح، سیدہ سب
ریاض پر جھک گئے۔ ہاجرہ گھونگھٹ سے جھانکنے لگی۔ ریاض نے
پیکٹ کھولا۔ اندر سے نرم چمڑے کی سنہری کام کی جلد کی ایک کتاب
نکلی کھولا تو پہلے صفحہ پر ریاض۔ ہاجرہ اور عذرا کی تین تصویریں اس
طرح لگی ہوئی تھیں۔

ریاض

اور

ہاجرہ

کی خدمت میں

عذرا

کا

ناچیز ہدیہ

ہاجرہ نے عذرا کو اپنی مسہری پر لٹا دیا اور خود اس کا سر دبانے لگی
فرح اور سیدہ پاس بیٹھ گئیں۔ ریاض جو باہر چلے گئے تھے ذرا دیر بعد
انصار کے ساتھ اندر آئے۔ ہاجرہ فوراً گٹھری سی بن گئی ۔۔ عذرا کے
کانوں میں محمدی بیگم اور جملہ خاتون کی دلدوز اور زہر ناک باتیں گونجنے
لگیں اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔
انصار۔ کیوں عذرا کیسی طبیعت ہے؟
عذرا نے بڑی مشکل سے گھٹے ہوئے لہجے میں کہا" اچھی ہے" اور اپنا
چہرہ ہاجرہ کی دُلائی سے ڈھک لیا۔ انصار اور ریاض حیران ہو گئے۔
فرح کچھ سمجھی اور اس نے بات ٹالنے کو کہا۔ بھائی جان سُنا آپ نے عذرا
نے بھابی دلہن کو منہ دکھائی نہیں دی۔
ریاض۔ کیوں عذرا کیا ان کا مُنہ اس قابل نہ تھا۔
سیدہ۔ واہ بھائی جان میری بھابی دلہن کو کچھ نہ کہئے گا۔ ان کا سامنہ کسی کا
ہو تو لے جیوٹی باجی نے تو ایک بڑی اچھی چیز ان کے لئے لائی ہے۔
ریاض۔ عذرا۔ بھئی منہ کھولو۔ ہاں بتاؤ تو کیا چیز ہے۔
عذرا۔ (آہستہ سے) اسے تو لینے کا مرض ہے کچھ بھی تو نہیں۔
ہاجرہ۔ (عذرا کے کان میں) دیتی کیوں نہیں ہو۔ میں تو اشتیاق میں
مری جا رہی ہوں۔
عذرا۔ ان سب کے سامنے نہیں چپکے سے دوں گی۔
ریاض۔ بھئی عذرا ابھی منگاؤ۔ تم اجازت دو تو سیدہ لے آئے؟
سیدہ۔ بھائی جان میں ابھی لائی۔ یہ کہہ کر سیدہ ہوا ہو گئی اور عذرا کے صندوقچے
سے ایک لپٹا ہوا پیکٹ نکال کر واپس جا رہی تھی کہ نسیمہ نے آواز دی۔

انگلینڈ کے بہت خوبصورت اور دلکش [illegible]
پہاڑ دیکھے تھے۔ رباس کے رات [illegible]
انھیں سے بہت سخت درد تھا اور [illegible]
ارلیٹ گئی تھی۔ بہت تو بات کا [illegible]
[illegible] نوں کی [illegible]
[illegible] کوئی [illegible]
[illegible] کیا بتہ [illegible]
رباس۔ (آنکھ سے اشارہ کرکے) [illegible]
[illegible] دیں۔ وہ یہاں آئے کو تیار [illegible]
چلو۔

[illegible] عدرا کہاں ہیں؟
[illegible] سر میں [illegible] بھائی جان [illegible]
[illegible] ں ہیں۔
[illegible] یں بھی چلتی ہوں۔
[illegible] تو اس کا درد جاتا رہا [illegible]

[illegible] ل کر پریشان نہ کرو۔
[illegible] اور رہو گئیں۔ ہم تو پہلے
[illegible] ے کہہ کر سیدہ چلی گئی اور
انصار فرح اسدہ سب
[illegible] کنے لگی۔ ریاض نے
[illegible] م کی جلد کی ایک کتاب
[illegible] ندرا کی تین تصویریں اس

عدرا
کیں تو
ہے
جاؤ

آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ غصے سے اس کا عجیب حال تھا وہ اس وقت اپنی پوری قوت ارادی اور ضبط سے کام لے رہی تھی ورنہ خدا جانے کیا کر ڈالتی۔ اُن عورتوں کے باہر جانے کے بعد وہ اپنے کو سنبھال کر جیسے تیسے چھت پر پہنچی اور کاٹھ کباڑ کے انبار میں ایک جھلنگا پلنگ پر گر پڑی۔

فرح نے سارے گھر میں عذرا کو ڈھونڈا۔ سب سے پوچھا جب کہیں نہیں نظر آئی تو پریشان ہو گئی۔ خیال ہوا شاید طاہرہ کے ساتھ چلی گئی ہو۔ سیدہ اور فرح ڈھونڈتی ہوئی کوٹھے پر آئیں۔ کاٹھ کباڑ کے انبار پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک ٹوٹے پلنگ پر عذرا اوندھی پڑی ہے۔ فرح نے پاس جا کر اسے بمشکل سیدھا کیا تو عذرا کو نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھا۔ منہ اور آنکھیں سوجی ہوئی، ہاتھ پاؤں برف اور ہچکیاں بندھی ہوئی۔ فرح بے حد گھبرائی اور سیدہ تو بہن سے لپٹ کر خود بھی رونے لگی۔ فرح نے عذرا کا سر گود میں رکھا منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ ہاتھ پاؤں سہلائے اپنا معطر رومال سونگھایا۔ بڑی دیر میں عذرا کے حواس کچھ درست ہوئے اس نے آنکھیں کھول کر فرح کو دیکھا تو اس کی گود میں منہ چھپا کر اور بھی زیادہ رونے لگی۔ فرح نے سیدہ سے کہا تم چپکے سے بھائی جان کو بلا لاؤ مگر اماں کو خبر نہ ہو۔ سیدہ اُدھر گئی یہاں فرح اسے سمجھانے لگی بہت پوچھا کیا ہوا؟ کہیں درد ہے، تکلیف ہے، کسی نے کچھ کہا۔ مگر عذرا نے ہر سوال پر سر ہلا کر انکار کر دیا۔ شدتِ گریہ سے اس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔

فرح نے بہن کا منہ دُھلایا پانی پلایا اور دعا عذرا کی حالت سنبھلی کہ اتنے میں ریاض گھبرائے ہوئے اوپر کی کھڑکی سے یہاں آ گئے۔ عذرا نے

آہستہ سے کہا ناجی تم بھی عجیب ہو۔ تم نے بھائی جان کو کیوں بلالیا۔ ریاض آکر بہن کے پاس بیٹھ گئے اور اسے گلے سے لگا کر سر سہلانے لگے۔ عذرا چپ چاپ بیٹھی رہی۔ ریاض کے بہت پوچھنے پر اس نے کہا "کچھ نہیں میرے سر میں سخت درد تھا اور دل گھبرا رہا تھا اس لئے یہاں آکر لیٹ گئی تھی۔ ناجی تو بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہیں۔"

فرح۔ میں یہ ہرگز نہیں مانوں گی۔ ضرور حالہ جان نے کچھ کہا ہے سر کے درد میں کوئی اس طرح نہیں روتا ہے۔ دیکھئے تو بھائی جان اس کی حالت کیا ہو رہی ہے۔

ریاض۔ (آنکھ سے اشارہ کرکے) خیر ہو گا۔ عذرا تمھاری بھابی سخت بے قرار ہیں۔ وہ یہاں آنے کو تیار تھیں مگر میں نے کہا میں عذرا کو لئے آتا ہوں۔ چلو۔

عذرا۔ بھائی جان اس وقت نہیں ٹھیر کر آجاؤں گی

ریاض۔ واہ — وہاں تمھاری دوست جوروا شروع کر دیں گی۔

ریاض عذرا کو لئے ہوئے پیچھے پیچھے فرح اور سیدہ، کوٹھے پر ہی سے ناجرہ کے کمرے میں پہنچے — ناجرہ پریشاں بیٹھی ہوئی تھی عذرا کو دیکھ کر ترم ورم تو رکھی بالائے طاق اور دوڑ کر عذرا کے گلے سے لپٹ گئی "اچھی کیا ہوا؟" عذرا نے زبردستی مسکرا کر کہا "ناجرہ تم خواہ مخواہ پریشاں ہو گئیں کچھ بھی تو نہیں۔"

ناجرہ۔ پھر بھی آخر کیا بات ہے۔

عذرا۔ سر میں درد ہے۔

ناجرہ۔ تو آؤ یہاں لیٹ جاؤ میں سر دباتی ہوں۔

آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ غصے سے اس کا عجیب حال تھا وہ اس وقت اپنی پوری قوتِ ارادی اور ضبط سے کام لے رہی تھی ورنہ خدا جانے کیا کر ڈالتی۔ ان عورتوں کے باہر جانے کے بعد وہ اپنے کو سنبھال کر جیسے تیسے چھت پر پہنچی اور کاٹھ کباڑ کے انبار میں ایک جھلنگا پلنگ پر گر پڑی۔

فرح نے سارے گھر میں عذرا کو ڈھونڈا۔ سب سے پوچھا جب کہیں نہیں نظر آئی تو پریشان ہو گئی۔ خیال ہوا شاید ناحرہ کے ساتھ چلی گئی ہو۔ سیدہ اور فرح ڈھونڈتی ہوئی کوٹھے پر آئیں۔ کاٹھ کباڑ کے انبار پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک ٹوٹے پلنگ پر عذرا اوندھی پڑی ہے۔ فرح نے پاس جا کر اسے بمشکل سیدھا کیا تو عذرا کو نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھا۔ منہ اور آنکھیں سوجی ہوئی، ہاتھ پاؤں برف اور ہچکیاں بندھی ہوئی۔ فرح بے حد گھبرائی اور سیدہ تو بہن سے لپٹ کر خود بھی رونے لگی۔ فرح نے عذرا کا سر گود میں رکھا منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ ہاتھ پاؤں سہلائے اپنا معطر رومال سونگھایا۔ بڑی دیر میں عذرا کے حواس کچھ درست ہوئے اس نے آنکھیں کھول کر فرح کو دیکھا تو اس کی گود میں منہ چھپا کر اور بھی زیادہ رونے لگی۔۔۔ فرح نے سیدہ سے کہا تم چپکے سے بھائی جان کو بلا لاؤ مگر اماں کو خبر نہ ہو۔ سیدہ اُدھر گئی یہاں فرح اسے سمجھانے لگی بہت پوچھا کیا ہوا؟ کہیں درد ہے، تکلیف ہے، کسی نے کچھ کہا۔ مگر عذرا نے ہر سوال پر سر ہلا کر انکار کر دیا۔ شدتِ گریہ سے اس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔

فرح نے بہن کا منہ دھلایا پانی پلایا اور ذرا عذرا کی حالت سنبھلی کہ اتنے میں ریاض گھبرائے ہوئے اوپر کی کھڑکی سے یہاں آ گئے۔ عذرا نے

تھیں اب تو پرواہ بھی نہیں کرتیں کہ یہ کون ہے اور کیا بک رہی ہے میں نے
لاکھ سر پٹکا کہ کنواری لڑکی سمدھنوں میں نہ جائے مگر یہ لڑکی نے مانا نہ
اس کی ماں نے۔ بی عذرا اس شش کر وہاں پہنچیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ کنواری
تمہاری اس چھوکرے کو رجھانے کے لئے یہ سب کرتی ہے۔

مسز نعیم۔ جمیلہ آپا بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ ایسی بہن بھابی کے
لئے ایسے رکیک الفاظ کہتی ہیں نسیمہ اور عذرا کی سی نیکی، شرافت اور
حیاداری کسی میں ہو تو لے ہاں سر ماتھے، دل ہیں اگر وہ آپ دونوں
کے ہاں کے پیام منظور نہیں کرتیں تو اس کے بدلے آپ ان کی کنواری بچی
کو بدنام کریں گی۔ چھی اور ماں ہو کر؟

جمیلہ۔ ہائے چل عورت ہوش کی دوا کر۔ آئی ہے مجھے سبق پڑھانے۔ میری
جوتی کو غرض پڑی ہے کہ کسی کو بدنام کرتی پھروں۔ جیسا دیسا دیکھے گی
کہے گی۔ اور لڑکے کا رشتہ وہ کیا منظور نہیں کرتی میں خود ایسی شوخ اور
بے باک لڑکی کو اپنے لڑکے سے بیاہنا کب پسند کرتی ہوں۔

محمدی بیگم۔ میں خالوں لڑکی کی مرضی دیکھ کر ہی ماں اور بھائی مجبور ہو گئے۔

مسز نعیم۔ تو۔ تو۔ میں تو تم لوگوں سے ایک بات کہہ کر گنہگار ہو گئی دونوں
اس غریب بچی کے پیچھے پڑ گئیں۔ آپ نے اپنے لڑکوں کا پیام دیا تو کچھ نہیں
اور انصار کا پیام آیا تو فوراً لڑکے لڑکی اور اس کی ماں میں ہزاروں کیڑے
پڑ گئے۔ بُری بات ہے آپ کے آگے بھی لڑکیاں ہیں۔

مسز نعیم غصے میں بھری وہاں سے اُٹھ کر چلی گئیں۔ ذرا دیر اور
جمیلہ اور محمدی کھسر پھسر کرتی رہیں پھر وہ بھی باہر جا بیٹھیں۔
عذرا نے یہ ساری باتیں لفظ بلفظ سنیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا

تھے کھیل کود، ہنسی مذاق، سیر تماشے سب کچھ ہوتا تھا۔ ہر وقت کا ملنا جلنا تھا۔ میں نے تو سنا ہے کہ ناجرہ کی ریاض سے اور عذرا کی انضا سے خط و کتابت تک ہوتی تھی۔

مسز نعیم۔ آپ لوگوں کی مائیں تو حد درجہ دقیانوسی ہیں اگر کبھی کبھار انھوں نے ایک دوسرے کو خط لکھ بھی دیا ہو تو اس میں عیب کیا ہے

حمیلہ۔ (جل کر) یہ تھا ہی ہی صحبت کا اثر ہے جو میری بہن بھانجیاں اتنی بے باک اور آزاد ہو گئیں۔ غضب خدا کا ایک تو وہاں لڑکیوں کو لڑکوں کے سامنے کیا پھر ان میں خط و کتابت ہوتی رہی اور یہاں غفلت کی نیند سوتی رہی، آخر کو یہ نوبت پہنچی کہ انصار نے ناجرہ کو چھوڑ کر عذرا کو تاکا۔ میں تو پہلے ہی دیکھا کرتی تھی کہ جہاں عذرا نے انصار کو دیکھا اور ناچیں کانوں کو پہنچیں۔

محمدی بیگم۔ اگر ہمارے لڑکے بھی ایسے ستوح اور بے باک ہوتے اور لڑکیوں سے بیٹھیں لڑاتے عشق عاشقی کرتے تو ان کو بھی لڑکی پسند کر لیتی۔ وہ بیچارے سیدھے سادے شریف بچے ان باتوں کو کیا جانیں۔

جمیلہ۔ (غصہ سے ایک لہجے میں) نسیمہ کی حماقت نے خاندان بھر کی ناک کاٹ دی غضب خدا کا اس ساری دنیا یہ کہے گی کہ لڑکے لڑکی میں پہلے سے میل جول اور خط و کتابت تھی۔ کہیں منہ دکھانے کو جگہ نہ رہی۔

محمدی بیگم۔ خدا نسیمہ کو عقل دے تو ہرگز انصار کا پیام منظور نہ کریں ورنہ جھوٹی افواہیں بھی لوگ سچ سمجھیں گے۔

حمیلہ۔ بہن کے گھر کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر ایسا جی جلتا ہے کہ نہ اس کو اپنی صورت دکھاؤں نہ اس کی دیکھوں پہلے لڑکیاں میری بات مان لیتی

عی نہیں کرتیں کہ یہ کون ہے اور کیا لگ رہی ہے میں نے
ی لڑکی سمدھیوں میں نہ جائے مگر یہ لڑکی نے ماما نہ
، نی عذرا اس کش کر وہاں پہنچیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ کنواری
ے کو رحالے کے لئے یہ سب کرتی ہے۔
یار بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ اپنی بہن بھائی کے
عاط کہتی ہیں نسیمہ اور عذرا کی سی میلی، سترامت اور
ں ہو تو لے۔ ہاں نسیمہ صاف دل ہیں اگر وہ آپ دونوں
منظور نہیں کرتیں تو اس کے بدلے آپ اس کی کنواری بھی
ں۔ بیچی اور بالہ ہو کر ؟
عورت ہوش کی دوا کر۔ آئی ہے مجھے سبق پڑھانے۔ میری
ں ہے کہ کسی کو بدنام کرتی پھروں صیاد سا دیکھے گی
ے کارستہ وہ کیا منظور نہیں کرتی ہیں جو ایسی سوچ اور
یے لڑکے سے بیاہنا کب پسند کرتی ہوں۔
ں حالوں لڑکی کی مرضی دیکھ کر ہی ماں اور بھائی مجبور ہو گئے۔
ہ تو۔ میں تو تم لوگوں سے ایک بات کہہ کر گنہ گار ہو گئی دونوں
پیچھے پڑ گئیں۔ آپ نے اپنے لڑکوں کا پیام دیا تو کچھ نہیں
ام آیا تو فوراً لڑکے لڑکی اور اس کی ماں میں ہزاروں کیڑے
ت ہے آپ کے آگے بھی لڑکیاں ہیں۔
م غصے میں بھری وہاں سے اُٹھ کر چلی گئیں۔ ذرا دیر اور
کھسر پھسر کرتی رہیں پھر وہ بھی باہر جا بیٹھیں۔
یہ ساری باتیں لفظ بلفظ سنیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا

بہت سی وہاں عورتیں جا چکی تھیں بسیمہ دردادیہ کو لیٹ کر آرام کر رہی تھیں۔ فرح پریشاں ہو گئی۔

منہ دکھائی کے وقت عذرا ایا تحفہ نکالنے صندوقوں کی کوٹھری میں گئی۔ دراوپر لعد سہ دری میں مسز نعیم، جمیلہ ماتوں اور محمدی بیگم کے بولنے کی آواز آئی۔ باتیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ وہ لغیر سُنے نہ رہ سکی۔ سانس روکے کان لگائے سُنتی رہی۔

جمیلہ ہاں بس۔ بڑا گھر امیر لوگ میری لڑکی بھلا اس کا کیا مقابلہ کرتی۔

محمدی بیگم۔ ہم تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ذکیہ سے ہو گا۔

جمیلہ اسے میں خود کب چاہتی تھی ذکیہ کے لئے مجھے ولایت کا پڑھا ہوا چاہئے تھی نہیں جس کا دین درست نہ ایمان۔

مسز نعیم۔ یہ تو نہ کہئے۔ یاص ماشاء اللہ ہزاروں میں ایک ہیں۔ اور اب بھی مذہب کے پورے پابند ہیں۔ رضیہ کے ابا کو تو وہ بہت ہی پسند تھے مگر میں نے ہی روکا کہ ذکیہ کی موجودگی میں ہمارا ارادہ ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ جمیلہ آپا اصلی حقدار ہیں۔

جمیلہ۔ بس لوار ہنے دو۔ میں کاہے کو حقدار ہوتی۔ جب میری ٹھیکری کی مانگ تم بیاہ کرنے گئی تھیں اس وقت میں حقدار نہ تھی؟ دُنیا دولت کو دیکھتی ہے وہی نسیمہ نے کیا۔

مسز نعیم۔ یہ سارا اصلی کی بات ہے نہ طعن تشنیع کی جہاں قسمت میں ہوتا ہے وہیں بیاہ ہوتا ہے نہ میرا قصور ہے نہ نسیمہ کا۔

محمدی بیگم۔ تمہیں تو ابھی بہو سے معلوم ہوا ہو گا عذرا کے لئے ان لوگوں کا کیا ارادہ ہے۔

مسز نعیم۔ مجھے پوری طرح علم نہیں۔
محمدی بیگم۔ میں نے فرحت کا پیام دیا تھا مگر بسیمہ برابر ٹالے جاتی ہیں۔
جمیلہ۔ عدرا کے لئے تو جمیل کا پیام گیا ہوا ہے۔ بسیمہ نے مجھ سے فرخ کی نسبت کے وقت ہی وعدہ کر لیا تھا اب وہ کیسے پھر سکتی ہے۔
مسز نعیم۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ انصار سے کریں گی۔
جمیلہ۔ (چونک کر) انصار سے؟ تم نے کس سے سنا؟
مسز نعیم۔ میں نے کسی سے سنا تھا۔
محمدی بیگم۔ ہوں تو یہ چال تھی۔ کہ دونوں لڑکے اور لڑکی کو ہتیا لیا جائے۔ تمہی حسیب الٰہی کی ناک کا مال ستی ہوئی تھیں پہلے تیں کی نسبت چھپا کر ناحرہ کو پاس سے بیاہ لیا اسی طرح انصار بھی میٹھے چڑھ گیا جو سا ترکیب کی کہ جائداد اُن کے قبضے میں آجائے دیکھنے میں بڑی نیک اور سیدھی ہیں۔ پیٹ میں جو گُن بھرے ہیں الٰہی کون جانے۔
جمیلہ۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ محال ہے نسیمہ کی کہ مجھ سے وعدہ خلافی کرے میں اپنا اور اس کا خون ایک کر ڈالوں گی۔ وہ بھی جانے گی کہ کسی سے سابقہ پڑا تھا۔
مسز نعیم۔ سنا ہے کہ ماموں کو انصار نے پیام دیا ہے۔
جمیلہ۔ کیا کہا انصار نے دیا ہے کہ اس کے نانا سے؟
مسز نعیم۔ وہ تو انصار سے سخت ناراض ہیں کہ اس نے ناحرہ سے شادی نہیں کی۔ یہ تو انصار کی اپنی خواہش ہے۔
محمدی بیگم۔ ہاں لو سارا زمانہ نئی نئی باتیں۔ بسیمہ نے پہلے ہی سے یہ سب سوچ رکھا ہو گا تھی تو سامنے لڑکے لڑکیاں آپس میں ملتے جلتے

بہت سی مہمان عورتیں جا چکی تھیں۔ نسیمہ ذرا دیر کو لیٹ کر آرام کر رہی تھیں۔ فرح پریشان ہو گئی۔

سہ دکھائی کے وقت عذرا اپنا تحفہ نکالنے صندوقوں کی کوٹھری میں گئی۔ ذرا دیر بعد سہ دری میں مسز نعیم، حمیلہ خاتون اور محمدی بیگم کے بولنے کی آواز آئی۔ باتیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ وہ بغیر سُنے نہ رہ سکی۔ سانس روکے کان لگائے سُنتی رہی۔

جمیلہ۔ ہاں بہن۔ ڈاکٹر۔ امیر لوگ میری لڑکی بھلا ان کا کیا مقابلہ کرتی۔

محمدی بیگم۔ ہم تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ذکیہ سے ہوگا۔

جمیلہ۔ اے میں خود کب چاہتی تھی ذکیہ کے لئے مجھے ولایت کا پڑھا ہوا چاہئے بھی نہیں جس کا نہ دین درست نہ ایمان۔

مسز نعیم۔ یہ تو نہ کہئے۔ ریاض ماشاء اللہ ہزاروں میں ایک ہیں۔ اور اب بھی مذہب کے پورے پابند ہیں۔ وصیہ کے ابا کو تو وہ بہت ہی پسند تھے مگر میں نے ہی روکا کہ ذکیہ کی موجودگی میں ہمارا ارادہ ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ حمیلہ آپا اصل حقدار ہیں۔

حمیلہ۔ بس لوار ہے دو۔ میں کاہے کو حقدار ہوتی جب میری ٹھیکری کی مانگ تم بیاہ کرلے گئی تھیں اس وقت میں حقدار نہ تھی؟ دنیا دولت کو دیکھتی ہے وہی نسیمہ نے کیا۔

مسز نعیم۔ یہ سارا اصلی کی بات ہے نہ طعن تشنیع کی۔ جہاں قسمت میں ہوتا ہے وہیں بیاہ ہوتا ہے نہ میرا قصور ہے نہ نسیمہ کا۔

محمدی بیگم۔ تمھیں تو ابھی بہو سے معلوم ہوا ہو گا عذرا کے لئے ان لوگوں کا کیا ارادہ ہے۔

گود میں اٹھا کر پالکی میں بٹھایا گیا اس کی گود میں کلام مجید رکھا، اور محمدی بیگم اور فرح اس کے پاس بیٹھیں۔ محمدی بیگم کھچڑی بالوں پر لال دوپٹہ اوڑھے تھیں اور پوپلے منہ پر بڑی سی نتھ تھی۔ (بچاری کے دانت وقت سے پہلے ٹوٹ گئے تھے مگر دولہن کے ساتھ جانے والی کو نتھ پہننی ضروری ہے) دولہن کو مسجد امام باڑے میں سلام کرایا گیا گشت کرتے کراتے ایک بجے کے بعد دولہن کی پالکی سسرال پہنچی

اگلے دن صبح کے وقت بڑے دالان میں دری اور چاندنی کے فرش پر ہاجرہ کے جہیز کی کارچوبی مسند بچھی ہوئی تھی جس پر ہاجرہ زری کا بھاری جوڑا پہنے سر جھکائے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ اس کا سر فرح کے گھٹنے پر تھا جو سب کو منہ دکھا رہی تھی۔ پہلے مردوں نے منہ دیکھا۔ جب وہ باہر چلے گئے تو عورتوں نے دیکھنا شروع کیا۔ بیگم نے جھومر، جمیلہ نے جگنی، فرح نے لاکٹ، اسد نے انگوٹھی اور چوڑیوں کا پورا سٹ منہ دکھائی میں دیا۔ سیدہ نے انگوٹھی اور باقی سب نے روپے دیئے اصغر نے چاندی کا عطردان تحفہ میں دیا۔ کئی گھنٹے کے بعد منہ دکھائی کا جھگڑا ختم ہوا۔ ہاجرہ کی خالہ ممانی اور رشتے کی کئی عورتیں اور انصار لینے آئے ہوئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ لوگ ہاجرہ کو لے کر چلے گئے ریاض بھی دولہن کے ساتھ گئے۔

دلہن کے جانے کے بعد فرح کو خیال آیا کہ بڑی دیر سے عذرا دکھائی نہیں دی اور اس نے دلہن بھابی کو منہ دکھائی بھی نہیں دی کہاں گئی؟ سیدہ نے پوچھا تو اس نے کہا میں نے دیر سے انہیں نہیں دیکھا

کھڑے بیٹھے سب لوگ رو رہے تھے۔ ریاض کی آنکھوں میں بھی آنسو
بھرے ہوئے تھے۔ ڈومیاں اپنا فرسودہ مگر پُر اثر گیت "کاہے کو بیاہی
بدیس رے لکھی بابل مورے" الاپ رہی تھیں حبیب الٰہی صاحب
کی دُھندلی بوڑھی آنکھوں سے ہاجرہ کے سر پر آنسوؤں کی بارش ہو رہی
تھی جس کی خنکی اور اثر اس کے زرتاریں دوپٹے اور معطر بالوں کے علاوہ
اس کے دل تک پہنچ رہا تھا۔

نسیمہ نے آگے بڑھ کر کہا "بابا ابا آپ کیوں دل بھاری کرتے
ہیں۔ ہاجرہ کیا کہیں دور جا رہی ہے۔ ریاض آپ کا بیٹا ہے۔ میں نے
تو بیٹا دے کر بیٹی لی ہے۔ دیکھئے تو بچی کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی
اسے تسلی دیجئے اور رخصت کی اجازت مرحمت فرمائیے۔" حبیب الٰہی
صاحب نے ہاجرہ کے سر کو پیار کیا اور زبردستی کی ہنسی ہنس کر کہا
"بیٹی دل بھاری نہ کرو۔ اچھا میری جان اب سدھارو۔ خدا کی
حفظ و اماں میں دیا۔"

ریاض کی نظر انصار پر پڑی جو ایک ستون سے لگے آنکھوں پر
رومال رکھے ہچکیاں لے رہے تھے۔ اس سے تھوڑی دور عذرا کھڑی
ہوئی پریشان نظروں سے کبھی انصار اور کبھی ہاجرہ کو دیکھ رہی تھی
ریاض نے انصار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "واہ میاں —
لڑکیوں کی طرح رونا دھونا شروع کر دیا۔ بھئی مرد ہو یہ کیا حماقت
ہے۔ دیکھو لڑکیاں تمھیں روتا دیکھ کر بے قرار ہو رہی ہیں۔" انصار
سنبھلے ریاض ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئے۔
دروازے سے پالکی لگی ہوئی تھی۔ رستے چلنے کے بعد ہاجرہ کو

فرح۔ اور کیا مطلب تھا؟ آپ سدھار جائیں گے تو سوا ہاجرہ کے آپ کو کوئی یاد نہ کرے گا؟

انصار۔ اندیشہ تو یہی ہے۔

فرح ۔ ایسے خود آپ ہیں۔

عذرا۔ اور کیا انسان اپنا جیسا دوسروں کو بھی سمجھتا ہے۔

انصار نے دل نظر سے عذرا کی طرف دیکھا" کیا واقعی تمھیں۔ آپ لوگوں کو یاد آؤں گا؟ پھر تو میں بڑا خوش قسمت ہوں" عذرا نے جواب نہ دیا۔ فرح ہنسنے لگی۔ ہاجرہ مسکرائی۔ باہر سے شور ہوا کہ ہن کو باہر لاؤ۔ فرح نے گود میں اٹھا کر ہاجرہ کو باہر چھپر کھٹ پر لا کر بٹھا دیا۔ باہر سے حبیب الٰہی ریاض اور انصار اندر آئے۔ ریاض ہری جوڑا پہنے تھے اور سہرے کی لڑیاں سامنے پر لپیٹ دی گئی تھیں۔ حبیب الٰہی لکڑی کے سہارے اندر آئے۔ ان کا سارا جسم کانپ رہا تھا ہاجرہ کے پاس بیٹھ کر انھوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور رک رک کر کانپتی آواز میں بولے" بیٹی جاؤ اپنے گھر سدھارو۔ خدا تمھیں شاد آباد رکھے۔ تم سدھار جاؤ گی اور اپنے بڈھے باپ کو اکیلا چھوڑ جاؤ گی - - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج تم اکیلی نہیں بلکہ سارا خاندان۔ جو بہت پہلے ختم ہو چکا ہے۔ مجھ سے بچھڑ رہا ہے تم مجھے ابھی ماں اور باپ اپنے چچا اور پھوپی سب کا بدل تھیں آج تمھارا دادا دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ مگر خدا تمھیں اور تمھارے دولھا کو زندہ سلامت رکھے۔ بس اسی میں خوش ہوں" ہاجرہ کا سر دادا کی گود میں رکھا تھا باوجود ضبط کی کوشش کے اس کی چیخیں نکل گئیں۔

الصار۔ ناجرہ یہ تمہاری دوست خواہ مخواہ مجھ سے خلی کٹی کر رہی ہیں۔ ہم بقول بڑی بوڑھیوں کے اپنے جگر کا ٹکڑا ان کے حوالے کر رہے ہیں۔ انھیں ہم سے ہمدردی اور ہمارے دل کی حالت کا احساس ہونا چاہئے تھا۔

عذرا۔ (چشم پیم بار سے انصار کی طرف دیکھ کر) یہ تم نے کیسے سمجھا کہ ہمیں اس کا احساس نہیں؟

فرح اور سیدہ کمرے میں آئیں تو دیکھا انصار پیار سے ناجرہ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں آنکھوں میں آنسو ہیں "ناجرہ میری پیاری بہن خدا تمھیں خوش و خرم رکھے۔ میرا دنیا میں اب سوا تمہارے اور کون ہے ابا اماں مجھ سے بیزار ہو چکے ہیں۔ میں چند دن بعد تم سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ نہ جانے پھر کب ملنا ہو مگر مجھے یہ خوشی رہے گی کہ وطن میں کم سے کم میری ایک بہن مجھے یاد کرنے والی موجود ہے نئی زندگی کی دلچسپیوں میں کہیں مجھے بھلا تو نہ دو گی؟"

ناجرہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کبھی کبھی سسکی بھی نکل جاتی تھی۔

فرح۔ (بات کا رخ بدلنے کے لئے) عذرا تم نے سنا انصار بھائی کیا کہہ رہے ہیں۔

عذرا۔ جی؟ کیا؟

فرح۔ کہتے ہیں دنیا میں صرف ایک ناجرہ میری عزیز ہے ہم سب نے جو ہمیشہ ان پر جان دی انھیں بھائی جان کے برابر سمجھا۔ اماں انھیں بیٹے کی طرح چاہتی ہیں وہ کچھ بھی نہیں۔ یہ ہمیں غیر ہی سمجھتے ہیں۔

الصار۔ (شرمندہ ہو کر) تم نے تو خواہ مخواہ بات پکڑ لی میرا یہ مطلب تو نہ تھا۔

چھپرکھٹ باہر بچھایا گیا۔ ہاجرہ ابھی کمرے ہی میں تھی کہ انصار کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ انصار لٹھے کا آڑا پاجامہ اور حیدر آبادی جامہ دار کی شیروانی پہنے کمرے میں داخل ہوئے دروازے پر سیدہ سے مڈبھیڑ ہوئی "اوہو! سیدہ آج تو بڑے ٹھاٹ ہیں پرستان کی پری لگ رہی ہو" سیدہ شرما گئی" انصار ماموں آپ چھیڑا نہ کیجئے"

ہاجرہ سر جھکائے منہ چھپائے بیٹھی تھی اور اس کے برابر عذرا بیٹھی ہوئی تھی انصار کی نظر منٹ بھر کے لئے عذرا کے چہرے پر جم کر رہ گئی عذرا کی پیشانی پر پسینہ موتیوں کی طرح چمکنے لگا۔

انصار۔ آہا عذرا آپ تو آج کئی دن میں نظر آئیں۔

عذرا آپ ہمارے ہاں آئے ہی نہیں تو نظر کیسے آتی۔

انصار۔ مجھے آج شبہ ہو رہا ہے کہ میں دھوکے سے کسی پرستان میں تو نہیں آگیا جو ہے وہ رشکِ ______

عذرا (بات کاٹ کر) بس رہنے دیجئے جانتے ہیں آپ کی لسانی کو۔

انصار۔ آج تو دماغ عرش معلٰی پر ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔

عذرا۔ (ناز سے) کیوں نہ ہو۔ جسے دنیا کی سب سے قیمتی اور پیاری چیز ملی اس کا دماغ عرش معلٰی پر کیوں نہ ہو اپنی اپنی قسمت ہے۔

انصار۔ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ ہمارے خاندان کا قیمتی ہیرا لئے جا رہی ہو۔ جتنا بھی غرور کرو کم ہے۔ رہے کنکر پتھر، ان کو کون پوچھتا ہے۔

عذرا نے ہاجرہ کے گھونگٹ میں منہ ڈال کر کہا " سن رہی ہو دلہن اپنے بھائی کی لسانی"

پلو اُٹھاکر دیکھا مگر اندھیرے میں پہچان نہ سکی۔ گھبراکر اُٹھ بیٹھی۔ آنے والا اڈمیں ہوگیا۔ باحرہ سمجھی کہ محض اس کا وہم تھا۔ اس نے ہاتھ پاؤں کا تکلیف دہ زیور اتار کر سرہانے رکھا اور ستھ بڑھانے کی کوشش کرنے لگی کہ کسی نے پیچھے سے اس کی آنکھیں بند کرلیں۔ باحرہ نے ہاتھ ہٹانا چاہا تو دوسرا ہاتھ اس کے گلے میں ڈال دیا۔ باحرہ کے منہ سے دبی چیخ نکلی اور اس نے زور لگاکر ہاتھ ہٹا دیا تو دیکھا۔ عدرا کھڑی مُسکرا رہی ہے۔ باحرہ جلدی سے جھک گئی اور مُنہ چھپالیا۔ عدرا باحرہ سے لپٹ کر اس سے لڑنے لگی۔ ”بڑی بچاری شرم والی۔ بس ساری شرم مجھی سے رہ گئی ہیں بس بند ہی تو ہوں اور تو کوئی واسطہ نہیں؟ اچھا دیکھیں گے۔ یہ شرم بھائی جان کے لئے اٹھا رکھو“ باحرہ اور زیادہ جھک گئی۔ عدرا نے خفا ہوکر کہا ”اچھا بولو۔۔ میں جاتی ہوں ہاں ہاں اب مجھ سے کیوں بولوگی۔ اب تو بھائی جان مل گئے نا؟“ یہ کہہ کر عدرا اُٹھنے لگی تو باحرہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر جو باحرہ نے مُنہ چھپایا چاہا تو عدرا نے اسے گدگدا گدگدا کرکے دم کردیا۔ ذرا دیر میں ساری رسمی شرم ختم ہوگئی اور پھر وہی عدرا اور باحرہ ایک جان دو قالب دوست ہوگئیں۔ صبح کو باحرہ کی بھاوج اور خالہ جب اسے اٹھانے کے لئے آئیں تو یہ دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبالی کہ دلہن اپنی نند کے گلے میں باہیں ڈالے سو رہی ہے اور عدرا کا سر اسکے سینے پر ہے۔۔ توبہ توبہ آج کل کی لڑکیوں کی شرم غیرت بالکل اڑ گئی دودن کی دُلہن ہی کو شرم نہیں کی جاتی۔

ناشتہ سے فارغ ہوکر جہیر باہر نکلا بہت قیمتی اور عمدہ جوڑے اور زیور دیا گیا تھا اور دنیا بھر کا گھرداری کا سارا سامان تھا۔ جہیر کا

باہر جائے اور بارات روانہ ہو۔" نسیمہ نے آنسو پونچھ کر کہا "جاؤ سدھارو" پھر اس نے فرح اور عذرا کو پاس بلا کر گلے سے لگایا سعدہ کو پیار کیا تھوڑی دیر بعد برات روانہ ہوگئی۔ دولہا سجے سجائے گھوڑے پر سوار اور باقی سب براتی پیدل تھوڑا سا چکر کھا کر حبیب الٰہی صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔

سمدھنیں روانہ ہونے لگیں۔ باوجود سب کے اصرار کے جمیلہ خاتون خود گئیں نہ رقیہ کو جانے دیا۔ نسیمہ کو بہت رنج ہوا مگر وہ بہن کو راضی نہ کر سکیں۔

ہاجرہ کی خالہ، ممانی اور ان کی بہو اور بیٹی اور بعض اور رشتے کی عورتیں آئی ہوئی تھیں قاعدے کے مطابق سمدھنوں کی پیشوائی کی گئی ڈومنیوں نے گالیاں دینی شروع کیں تو نسیمہ نے روک دیا کہ تمہارا حق تمہیں مل جائے گا۔ بے ہودہ بکواس کی ضرورت نہیں لڑکیاں میرے ساتھ ہیں انھوں نے منہ تو بہت بنایا مگر نسیمہ کا رعب اس قدر تھا کہ اس کا حکم نہ ٹال سکیں۔

مغرب عشا کے درمیان عقد ہوا۔ مہر پہ ہاجرہ کی خالہ وغیرہ نے بہت شور مچایا کہ دس ہزار کیوں بندھے اس کی ماں کا سوا لاکھ تھا اتنا ہی بندھنا چاہیئے مگر حبیب الٰہی صاحب نے ڈانٹ دیا کہ میرا اختیار ہے چاہے گا بندھواؤں گا۔ رات کو دولہا اور اس کے دو چار دوست دلہن کے یہاں رہے باقی لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

عقد سے فراغت پا کر لوگ اپنے اپنے مقام پر سو رہے۔ ہاجرہ نکاح کا سرخ جوڑا پہنے چاروں ہاتھ پاؤں میں مہندی، ناک میں نتھ سرخ رومال سے منہ چھپائے مسہری پہ آب دیدہ و افسردہ لیٹی ہوئی تھی کوئی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ ہاجرہ چونک پڑی۔ ذرا سا

محمدی بیگم۔ اے نہیں سہرا بھوپی باندھے گا۔

سہرا کسہرا دُلھن کے ہاں سے آیا تھا، پھولوں کا بھوں سے خود گوندھا تھا۔ نسیم نے سہرا ہاتھ میں اُٹھایا۔ سب بھوں نے ماری ماری اسے ہاتھ لگایا نسیم سہرا باندھنے کو تھے کہ فرح نے روک دیا۔ اے یوں نہیں پہلے نیگ تو لے لو۔ ساری لڑکیاں نسیمہ کے سر ہو گئیں کہ نیگ لائیے نیگ دلوائیے۔ نسیمہ نے کہا احسان ریاض کے باپ ہیں وہ دیں گے اب سب کی سب خصوصاً سیدہ اور صغرا احسان سے جھگڑنے لگیں انھوں نے پچاس روپے نکال کر دیئے سب کی سب چیخ اٹھیں۔ دولھا بھائی ہرگز نہ لیا۔ واہ بس پچاس روپے، ہم سب میں تو یہ چٹنی ہو جائیں گے اپنا حق مانگ رہے ہیں خیرات نہیں، محمد احسان مُسکرا مُسکرا کر دو دو چار چار روپے بڑھاتے رہے اور لڑکیاں جھگڑتی رہیں جیسے ہی نسیم سہرا باندھنے کو ہاتھ بڑھاتے عذرا اور صغرا ہاتھ پکڑ لیتیں آخر میں سو روپے پر سمجھوتہ ہوا۔ محمد احسان نے ہنس کر کہا اچھا لو میرے بچے کا صدقہ، فرح نے ہنس کر کہا خیر ہم بھائی جان کا صدقہ بھی لینے کو تیار ہیں۔ نسیم نے سہرا باندھا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور ہونے لگا ڈومنیاں پہلے ہی سے سہرا گا رہی تھیں۔ نسیمہ نے آگے بڑھ کر سر سے پیر تک بیٹے کی بلائیں لیں اور کلیجہ سے لگا لیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ریاض جو پہلے ہی سے بہت متاثر تھے بے اختیار رونے لگے عذرا فرح اور سیدہ کی تو ہچکی بندھ گئی۔ اور سب لوگ بھی آب دیدہ ہو گئے۔ محمد احسان پر بھی بہت اثر تھا۔ مگر انھوں نے بہت ضبط سے کام لیا اور نسیمہ سے کہا" بھائی اب اجازت دیجئے کہ ریاض

باہر جائے اور بارات روانہ ہو۔" نسیمہ نے آنسو پونچھ کر کہا " جاؤ سدھارو"
ریاض نے فرح اور عذرا کو پاس بلا کر گلے سے لگایا۔ سدرہ کو پیار کیا تھوڑی
دیر بعد برات روانہ ہو گئی۔ دولہا سجے سجائے گھوڑے پر سوار اور باقی
سب براتی پیدل تھوڑا سا چکر کھا کر حبیب الٰہی صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔
سمدھنیں روانہ ہونے لگیں۔ باوجود سب کے اصرار کے جملہ خاتون
نہ جو گئیں نہ دکھیڑ کو جانے دیا۔ نسیمہ کو بہت رنج ہوا مگر وہ بہن کو راضی نہ کر سکیں۔
ہاجرہ کی خالہ، ممانی اور ان کی بہو اور بیٹی اور بعض اور رشتے کی عورتیں
آئی ہوئی تھیں قاعدے کے مطابق سمدھنوں کی پیشوائی کی گئی ڈومنیوں
نے گالیاں دینی شروع کیں تو نسیمہ نے روک دیا کہ تمہارا حق تمہیں مل
جائے گا۔ بے ہودہ بکواس کی ضرورت نہیں لڑکیاں میرے ساتھ ہیں
انھوں نے منہ تو بہت بنایا مگر نسیمہ کا رعب اس قدر تھا کہ ان کا حکم
نہ ٹال سکیں۔
مغرب عشا کے درمیان عقد ہوا۔ مہر پر ہاجرہ کی خالہ وغیرہ نے
بہت شور مچایا کہ دس ہزار کیوں بدھے اس کی ماں کا سوالاکھ تھا اتنا
ہی بدھنا چاہیئے مگر حبیب الٰہی صاحب نے ڈانٹ دیا کہ میرا احتیاج
چاہے گا بدھواؤں گا۔ رات کو دولہا اور اس کے دو چار دوست
دلہن کے یہاں رہے باقی لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔
عقد سے فراغت پا کر لوگ اپنے اپنے مقام پر سو رہے۔ ہاجرہ
نکاح کا سرخ جوڑا پہنے چاروں ہاتھ پاؤں میں مہندی، ناک میں نتھ
سرخ رومال سے منہ چھپائے مسہری پر آب دیدہ وافسردہ لیٹی ہوئی
تھی کوئی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ ہاجرہ چونک پڑی ذرا سا

محمدی بیگم۔ اسے نہیں سہرا بھی باندھے گا۔
سہرا دلہن کے ہاں سے آیا تھا، پھولوں کا بہنوں نے خود
گوندھا تھا۔ نسیم نے سہرا ہاتھ میں اُٹھایا۔ سب بہنوں نے ماری ماری
اسے ہاتھ لگایا۔ نسیم سہرا باندھنے کو تھے کہ فرح نے روک دیا۔ اے یوں
نہیں پہلے نیگ تو لے لو۔ ساری لڑکیاں نسیم کے سر ہو گئیں کہ نیگ لائیے
نیگ دلوائیے۔ نسیم نے کہا احسان ریاض کے باپ ہیں وہ دیں گے۔
اب سب کی سب خصوصاً سیدہ اور صغرا احسان سے جھگڑنے لگیں انھوں
نے پچاس روپے نکال کر دیئے۔ سب کی سب چیخ اٹھیں۔ دولھا بھائی
ہرگز نہ لیا۔ واہ بس پچاس روپے، ہم سب میں تو یہ چٹنی ہو جائیں گے
اپنا حق مانگ رہے ہیں خیرات نہیں، محمد احسان مُسکرا مُسکرا کر دو دو
چار چار روپے بڑھاتے رہے اور لڑکیاں جھگڑتی رہیں جیسے ہی نسیم
سہرا باندھنے کو ہاتھ بڑھاتے عذرا اور صغرا ہاتھ پکڑ لیتیں آخر میں
سو روپے پر سمجھوتہ ہوا۔ محمد احسان نے ہنس کر کہا اچھا لو میرے بچے کا
صدقہ، فرح نے ہنس کر کہا خیر ہم بھائی جان کا صدقہ بھی لینے کو تیار
ہیں۔ نسیم نے سہرا باندھا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور ہونے لگا
ڈومنیاں پہلے ہی سے سہرا گا رہی تھیں۔ نسیم نے آگے بڑھ کر سر سے
پیر تک بیٹے کی بلائیں لیں اور کلیجہ سے لگا لیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ
آنسو گرنے لگے۔ ریاض جو پہلے ہی سے بہت متاثر تھے بے اختیار
رونے لگے عذرا فرح اور سیدہ کی تو ہچکی بندھ گئی۔ اور سب لوگ بھی
آب دیدہ ہو گئے۔ محمد احسان پر بھی بہت اثر تھا۔ مگر انھوں نے بہت
ضبط سے کام لیا اور نسیم سے کہا "بھائی اب اجازت دیجئے کہ ریاض

سے سایا تھا ہاتھوں میں کڑے اور جوہے وتیاں، کانوں میں کرن پھول جھوکے گلے میں گلوسد اور چمپا کلی، پاؤں میں نئی وضع کی چاندی کی سک یا بیت اور سعید سینڈل پہنے، چہرے پر کریم لی آنکھوں میں سُرمہ لگایا، سیدھی مانگ نکال کر چوٹی گوندھی جس میں کلاتوں کی بڑوں کی سیاہ چوٹی ڈالی اور آئینہ میں دراسدیدگی کی نظر سے اپنے کو دیکھا، کپڑوں کی شکنیں درست کیں اور بری حالے کا شور سُن کر جلدی سے باہر نکل آئی اور عورتوں کے مجمع کو چیر کر اندر گھس کر سجی سجائی بری دیکھنے لگی۔ نسیمہ پسینے میں تر انتظام میں پھر رہی تھیں۔ فرح اور صغرا عدرا کو دیکھ کر مسکرائیں اور آنکھ ماری عدرا جھینپ گئی۔

نسیمہ۔ لڑکیو اب تم سب تیار ہو چکیں جاؤ چچا جان سے کہو ریاض میاں کو دولھا بنائیں تاکہ سویرے سویرے برات چلی جائے۔

عدرا نے جاکر چچا سے کہا وہ آکر سب سامان باہر لوالے گئے مائی نے ریاض کو بری کا جوڑا پہنایا۔ اعلےٰ درجہ کا لٹھے کا آڑا پاجامہ، عمدہ سلک کی شیروری قمیص، ارلعفت کی شیروانی، سارسی صافہ، ساری دوپٹہ کمر میں بندھا ہوا۔ ہاتھ میں ریشمی رومال، پاؤں میں دہلی کی جوتی۔

شور ہوا کہ دولھا اندر آرہا ہے۔ پردے والیاں آڑ میں ہو کر جھانکنے لگیں، ریاض، محمد احسان، اصغر، نسیم، جمیل وغیرہ کے ساتھ اندر آئے۔ عدرا اور فرح دروازے سے بھائی کے سر پر آنچل ڈال کر لائیں اور دالان میں فرش پر کھڑا کر دیا۔ ماں، خالہ، چچی بہنوں نے آکر سر سے پاؤں تک بلائیں لے کر صدقہ اتارا۔

نسیمہ۔ لڑکیو بسم اللہ کرو اور بھائی کے سہرا باندھو۔

ایڑی کے جوتے۔ ہلکا ہلکا زیور، ہاتھوں میں مہندی، اس کا سفید رنگ دوپٹے کے عکس سے جگمگا اٹھا تھا۔ بہنیں دیکھ کر مسکرائیں اور صغرا نے گلے سے لپٹا کر پیار کیا۔

فرح نے زبردستی عذرا کو کوٹھری میں ڈھکیلا کہ جلدی سے کپڑے بدل کر آؤ۔ وہ اُدھر گئی، اِدھر بری آ گئی۔ ایک جوڑا مع اور سب ساماں کے دولہا کا اور تیس جوڑے مردانے زنانے پہناؤنی کے۔ سب بیویاں دیکھنے کے لئے ٹوٹی پڑ رہی تھیں۔

نسیمہ۔ فرح یہ سب ساماں نکال لو اور دلھن کے جوڑے اور بری کا میوہ ان ہی حوالوں میں رکھ دو تاکہ بری جلدی سے چلی جائے۔

فرح کے ساتھ صغرا، وکیہ اور یاسمین وغیرہ لگ گئیں کھیلوں بتاشوں سے بھرے ہوئے چھوٹے میں دلھن کا ریت کا جوڑا جو سُرخ ٹول کا تھا اس کے اوپر بھاری جوڑا، سُرخ جالی کا کارچوبی دوپٹہ سُرخ ساری قمیص اور زربفت کا غرارہ، رومال، اچوٹی، ازار بند موزے، میاں وغیرہ جو سب سُرخ ریشمی تھے، چاندی کی سرمہ دانی تیل کی کٹوری، کنگھی، عطردانی، دہلی کی سُرخ مخمل کی جوتی میں عطر کی شیشی اور مسّی کی پڑیا۔ مہنوں کے ہاتھ کا سایا ہوا کارچوبی سہاگ پٹا اور سوا من بری کا میوہ متعدد حوالوں میں سجایا گیا۔ ایک مخملی ڈبہ میں سچے موتیوں کی ستھ، سُرخ نگ کی انگوٹھی اور سونے کی اکیس ٹکلی کی سراسری۔

عذرا نے اندر جا کر کاسنی ساٹن کا غرارہ، دھانی ریشمی قمیص دوپٹہ پہنا جس پر سلمہ ستارہ کا کام جو اس نے اپنے ہاتھ

عذرا۔ ایک بیچاری لومڑی کی کہیں دُم کٹ گئی تھی اس نے خدا سے دعا کی یا اللہ سب لومڑیاں لنڈوری ہو جائیں۔
صغرا۔ وہ تو ایک دن ہو گی ہی۔ اچھا جاؤ جلدی سے کپڑے بدل آؤ آج بھی یہ سوتی کپڑے پہنے پھر رہی ہو شرم نہیں آتی۔
عذرا۔ شرم کی کیا بات ہے سب سے زیادہ آرام دہ اور عمدہ لباس تو یہی ہے۔
فرخ۔ اچھا بس قابلیت نہ چھانٹو۔ بری آنے والی ہے۔ اس کے فوراً بعد سمدھیں جانا شروع ہو جائیں گی تم ابھی تک یونہی سر جھاڑ منہ پہاڑ پھر رہی ہو۔
عذرا۔ میں کپڑے ویڑے نہیں بدلتی۔ خالہ جان کہہ رہی ہیں لڑکیاں سمدھنوں میں نہیں جایا کریں۔ بس تو گھٹ کر مر جانا چاہئے۔
فرخ۔ واہ بڑی آئیں خالہ جان کہنے والی کہیں۔
عذرا۔ ایک تو ہمارے بھائی۔ کب سے ان کے بیاہ کا ارمان دل میں تھا اور اب یوں ہر بات میں بھاجی ماری جاتی ہے۔
فرخ۔ تم کیوں خواہ مخواہ اپنا دل کڑھا رہی ہو۔ تم ضرور جاؤ گی اور تم دونوں نہ گئیں تو میں بھی نہیں جاؤں گی سیّدہ کہاں گئی؟
عذرا۔ سیّدہ کو انھوں نے منع تھوڑا ہی کیا ہے۔ مجھے اور زکیہ کو کہا ہے
صغرا۔ تم پر اس کا کوئی زور نہیں۔ زکیہ کو نہ جانے دیں۔
فرخ۔ زکیہ بیچاری کو تو اس کا بس چلے تو گھونٹ کر مار دیں۔
سامنے کی سہ دری سے سیّدہ باہر آئی۔ گلنار ریشم کا دوپٹہ، قمیص سفید سلک کی شلوار، پاؤں میں ریاض کے لائے ہوئے اونچی

یاسمین۔ مگر ہماری بھابی ماشاء اللہ اس وضع میں بھی پیاری لگتی ہیں۔
بس ایسی میں ملکہ نور جہاں معلوم ہوتی ہیں۔
فرخ۔ (مسکرا کر) بولیں ماؤ نہیں۔
رضیہ۔ اس میں تو شک نہیں کہ ہماری بھابی کی صورت سب سے
زیادہ پیاری ہے۔
فرخ۔ مجھے تو ایسی بھاوج اچھی لگتی ہے۔ تمھاری بھاوج کی سی
کھونڈی صورت نہیں۔
رضیہ۔ جی ذرا دل سے پوچھئے۔
یاسمین۔ یا آئینہ سے
رضیہ۔ اور بھائی جان سے!
عذرا صبح سے کام میں بے حد مصروف تھی۔ کسی کام سے دالان
میں آئی تو ان تینوں کو دیکھ کر مسکرائی۔ "ماشاء اللہ بیگمات ٹھاٹ سے
بیٹھی ہیں ماما ئیں، چھوکریاں، کام کرتی پھر رہی ہیں۔" فرخ اور صغرا
شرمندہ ہوگئیں۔ "ہاں بھئی معاف کرو کپڑے بدلنے میں دیر ہوگئی سارا
کام تم پر پڑ گیا۔ چلو اب تم جاکر کپڑے بدلو جو کام ہوگا ہم دیکھ لیں گے۔"
عذرا۔ اس زیور اور لباس میں آپ کام کے قابل رہ بھی گئی ہیں؟
معاف کیجئے آپ جاکر اپنی ساسوں کے پہلوؤں میں حلوہ اور رہ جائیے
کام سب ہو جائے گا
فرخ۔ بس دینے لگی طعنے — اللہ وہ دن کرے کہ تم اسی طرح کابل
بن کر بیٹھو اور میں کام کروں۔
صغرا۔ آمین ثم آمین۔

(اندر آکر) تم لوگ اب تک تیار نہیں ہوئیں۔

نجمہ۔ چچی اماں دیکھئے صعرا اور فرح جھومر نہیں لگاتیں۔ فرح کہتی ہیں میں بڈھی ہوگئی۔

نسیمہ۔ لڑکی ہوش کی دوا کر۔ خدا کا شکر نہیں ادا کرتی کہ اس نے یہ دن دکھایا کہ بھائی کو بیاہنے جا رہی ہے۔ آج بھی پورا زیور نہ پہنو گی تو پھر کب پہنو گی۔ چلو تم دونوں اٹھو نکالو جھومر اور نتھ۔

صعرا۔ نتھ بھی؟ نہیں چچی اماں نتھ سے تو شرم آئے گی اور بُری بھی لگتی ہے۔

نسیمہ۔ اللہ نہ کرے بُری کیوں لگنے لگی اور فرح تم بھی چاند پتے، جھومر اور نتھ پہنو۔ یہ بیس کے زیور ایسے ہی سدکے بیاہ میں پہنا ― اور جلدی سے تم دونوں باہر آؤ ― آخر سمدھیں کب جانا شروع ہوگی؟

نسیمہ کے جانے کے بعد نجمہ خوب ہنسی دیکھا کیسی ڈانٹ پڑی۔ اب پہنئے سیدھی طرح سب بھاری چیزیں

صعرا اور فرح نے جھومر لگائے، سی سی کرکے نتھیں پہنیں اور سمٹ کر لجاتی ہوئی باہر نکلیں۔ نجمہ کو ایک چھوکری گود میں اٹھا کر باہر لائی۔ رضیہ اور یاسمین ان تینوں کو دیکھ کر مسکرائیں۔

رضیہ۔ واہ بھائی واہ تم نے بھی ان لوگوں کی ریس میں اپنی گت بنا ڈالی

مسز نعیم۔ گت کیسی! آخر یہ بھائی کا بیاہ ہے۔ بھاری جوڑے اور بھاری زیور ہوتا ہی اس لئے ہے کہ شادی بیاہ میں پہنا جائے دلہن تم نے بہت اچھا کیا پہن لیا۔

فرح۔ فی الحال میں تو نہیں پہن رہی تھی مگر اماں کا حکم تھا اس لئے پہنا پڑا

ابھی ابھی ربی کے بھاری جوڑے پہنے سا ؤ سنگار میں مصروف ہیں فرح
پاؤڈر اور سرخی کے بعد آنکھوں میں کاجل لگا رہی ہے صغرا کانوں میں
جڑاؤ بالی پتے پہننے کی کوشش کر رہی ہے۔ باریک سوراخ ہونے
کی وجہ سے کان کی لو اور منہ دونوں سرخ ہو گئے ہیں۔ سب سے
زیادہ بھاری جوڑا نجمہ کا ہے۔ تین تھان کا کلیوں کلی کا زر لفت
کا فرشی پائنچوں کا پاجامہ، کار چوبی کام سے لپسا ہوا دوپٹہ اور کرتی
سر پر جھومر، کانوں میں لمبی لمبی جھلملیاں، ناک میں بھاری سی نتھ
پور پور چھلے، پاؤں میں چار چار زیور۔ بیچاری لڑکی کو ہلنا دشوار ہے
نجمہ۔ فرح تم نے جھومر کیوں نہیں لگایا اور کانوں میں بھی۔ ہلکے
سادے پہنے ہیں کئی بار بات نہیں جھلملیاں پہنو۔
فرح۔ اسے نہیں میں بڈھی ہوئی کیا اچھی لگوں گی۔ اب تمہارے
پہننے اوڑھنے کے دن ہیں۔
نجمہ۔ اللہ رے آپ کا بڑھاپا۔ کیوں بائی اماں عدد میں
آپ کی کیا عمر تھی؟
فرح۔ (ہنس کر) پندرہ برس۔
صغرا۔ فرح باجی آپ جھومر نہیں لگائیں گی تو میں بھی نہیں لگا سکتی
اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے جھومر کتنا پسند ہے۔
فرح۔ تم ستوں سے لگاؤ۔ کون منع کرتا ہے پر مجھے اس ترم آتی ہے۔
نجمہ۔ آج بھی۔ لگاؤ گی تو کیا شمیم کے بیاہ میں جھومر لگا کر سمدھنوں
میں جاؤ گی؟
نسیمہ خاتون۔ (باہر سے) لڑکیو! باہر آؤ برسی آنے والی ہے۔

بیسواں باب

آج ریاض کی شادی کی گہما گہمی ہے۔ کمرے اور دالان میں فرش
پر گاؤ تکیوں سے لگی بیویوں کی متعدد ٹولیاں باتوں میں مشغول ہیں، دوسروں
کی غیبت ہوئی، لڑکیوں پر اعتراض، اپنی تعریفیں، پان چھالیہ کھانے
وغیرہ میں راُساں نکالے، دوسروں کے کپڑوں پر فقرے کسے اور ایک
دوسرے کے زیورات اور ملبوسات کے متعلق استفسارات وغیرہ
قسم کے مفید اور ضروری موضوع زیر بحث ہیں۔ بچوں کی گریہ وزاری
اور ماؤں کی ڈانٹ پھٹکار سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔
زیوروں کی جھنکار گونج رہی ہے۔ مسز نسیم کے دونوں طرف ان کی
لڑکیاں قیمتی ساڑیوں اور جڑاؤ زیوروں میں جگمگا رہی ہیں۔ اندر
سہ دری میں فرح، صغرا اور سحر (جس کی اسی مہینے شادی ہوئی ہے)

عذرا۔ صرف خیال نہیں بلکہ یقین ہے، اور وہ آپ کو صرف پسند نہیں کرتی بلکہ ــــ آپ کی پرستش کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سب سے پہلے میں اس رشتے کی مخالفت کرتی۔

ریاض یہ سن کر ایک خاص اثر ہوا اور اس کا چہرہ چمکنے لگا

فرخ۔ عذرا یہ تم نے اپنے دوست سے غداری کی۔

ریاض۔ (مسکرا کر) نہیں بھئی غداری نہیں بلکہ اس کے حق میں اچھا کیا، کیونکہ اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا تو ممکن ہے میں شادی سے انکار کر دیتا۔

عذرا۔ بات تو ٹھیک ہے مجھے کہنا نہیں چاہئے تھا۔ بھائی جان یہ بات سوا آپ کے اور باجی کے کسی تیسرے کے کان میں نہ پہنچے۔ اور باجرہ سے تو ہرگز نہ کہئے گا۔ وہ مجھے مار ڈالے گی۔

ریاض مسکرائے جھک کر بہن کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا فکر نہ کرو ہم سنبھالیں گے۔

عذرا۔ (مسکرا کر) دوست کا راز ظاہر تو نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر خیر جانے
آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی سخی
فرح لوس اب انسانہ اترائو۔
ریاض۔ ہاں ہاں کہو۔
عذرا۔ (سنجیدگی سے) میرا اندازہ تو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ سے ناجرہ کو
پسند ہیں۔ جب آپ ولایت پڑھ رہے ہیں تو اس پر بہت زیادہ اثر
تھا اور جب آپ کے آنے کی خبر سنی تو کیا بتاؤں وہ کیسی خوش تھی
اور اگرچہ وہ خود اچھی طرح اس بات کو نہیں سمجھتی تھی مگر اسے مدت
سے آپ سے ـــ میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کو
ریاض۔ (مسکرا کر) چاہتی تھی؟
عذرا۔ (سر جھکا کر) جی ہاں۔ تب ہی تو وہ انصار ماموں کو ناپسند
کرتی تھی۔
ریاض۔ کیا انصار ناجرہ کو ناپسند تھے؟
عذرا۔ جب حبیب ماما اور انصار ماموں کا جھگڑا ہوا تو میں نے ناجرہ
سے پوچھا تھا۔ اس نے کہا یوں وہ میرے بھائی ہیں مجھے ان سے
بہت محبت ہے لیکن کسی اور رشتہ کے لئے میں ہرگز تیار نہیں
ـــ کیونکہ ـــ کیونکہ ـــ
ریاض۔ کیونکہ؟
عذرا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شادی کے لئے دوسری قسم کے
سیرت کے آدمی کو پسند کرتی ہے۔
ریاض۔ تو تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ مجھے پسند کر سکتی ہے۔

عذرا سے اس کی رائے دریافت کریں گے۔ ریاض مسکرائے۔ عذرا نے کہا "پوچھئے۔"

ریاض۔ تمھاری اور ناحرہ کی بہت گہری دوستی ہے نا؟

عذرا۔ کیا آپ کو اس میں شبہ ہے؟

ریاض۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے دل کے حال سے واقف ہو گی۔

عذرا۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہیں۔

ریاض۔ تو سچ سچ بتاؤ کہ تمھاری دوست اس رشتے کو پسند کرتی ہے؟

عذرا جواب دینے میں ہچکچائی۔

ریاض۔ راز داری کی شرط نہیں۔ میرا اصول یہ ہے کہ شادی ہمیشہ لڑکے لڑکی کی پسند سے ہونی چاہیے۔ ناحرہ کی رائے معلوم نہ ہو سکی تو مجھے اطمینان نہ ہوگا۔

عذرا۔ اچھا میں صرف آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ ناجی تم یہاں سے چلی جاؤ۔

فرخ۔ بڑی اترائیں۔ میں کیوں چلی جاؤں۔ بڑی آئیں بھائی بہادر کی راز دار۔

ریاض۔ کہہ بھی دو عذرا۔ یہ بھی تو اپنی ہی ہیں۔

فرح۔ بھائی جان نے اور اسے سر پر چڑھا لیا ہے

عذرا۔ اپنی کہاں ہیں۔ یہ تو جان بہادر کے خاندان کی ہیں

فرح۔ جیسے تم اپنی سسرال کی بن جاؤ گی

ریاض۔ ہاں عذرا بتاؤ پھر۔

فرخ ۔ (پاس آکر) کہئے۔
ریاض ۔ میں چاہتا ہوں عدرا کا عندیہ بھی معلوم کیا جائے۔
فرخ ۔ میرے خیال میں عدرا ناپسند نہیں کرے گی۔
ریاض میں محض قیاسات سے کام لینا نہیں چاہتا۔
فرخ ۔ بھائی جان وہ بڑی گھُنی ہے اپنے دل کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔
ریاض ۔ ایک تو میری خود یہ رائے ہے کہ لڑکی کو اپنے شوہر کے انتخاب کا ورنہ کم از کم اپنی پسند اور ناپسندیدگی کے اظہار کا پورا موقع دیا جائے دوسرے انصار کا اصرار ہے کہ عدرا سے صاف صاف دریافت کرلیا جائے کہ وہ اس رشتے کو دل سے پسند کرتی ہے یا نہیں یہ بات تم کسی نہ کسی طرح عدرا سے پوچھ کر بتاؤ۔
فرخ ۔ یہ میرے بس کا کام نہیں (مُسکرا کر) اسے تو ناہرہ، وہ تو نہ دلعں بھائی ہی کرسکتی ہیں، عدرا کی صرف ان سے ایسی بے تکلفی اور گہری دوستی ہے کہ دل کا حال بتا دے۔
ریاض ۔ (مُسکرا کر) تو یوں کہو کہ ابھی دو مہینے تک انتظار کرنا پڑے گا تب عدرا کی رائے معلوم ہوسکے گی۔
فرخ ۔ جی ہاں۔
عدرا مُسکراتی ہوئی اوپر سے آئی اور بولی کیا باتیں ہورہی تھیں
ریاض ۔ تمہارا ہی ذکر تھا بڑی عمر ہے ذکر کے ساتھ آ پہنچیں۔
عدرا ریاض کے پاس بیٹھ گئی۔ ریاض نے کہا" ایک بات پوچھیں بتاؤ گی؟"
فرخ نے حیرت سے بھائی کی طرف دیکھا اور یہ سمجھ کر سہم گئی کہ بھائی جان خود

ریاض۔ ہاں اماں انصار نے مجھ سے عذرا کے لئے درخواست کی ہے یہ بات اس نے صاف صاف کہہ دی ہے کہ بابا انہیں مجھے محروم کرچکے ہیں اور میری حیثیت بس یہی ہے کہ اپنے قوتِ بازو سے کچھ کما سکوں لیکن اس میں شک نہیں کہ انصار سے زیادہ قدردان، چاہنے والا اور ہم مذاق دولہا عذرا کو نہیں مل سکتا۔

نسیمہ۔ (سوچ میں پڑجاتی ہے) ابھی وہ بابا اماں سے ناصرہ کے لئے سختی سے انکار کرچکا ہے اب وہ سمجھیں گے کہ ہم نے ہی بہکالیا تھا

فرح۔ واہ ہم کیوں بہکاتے۔

نسیمہ۔ تم ابھی ناتجربہ کار ہو دنیا کی باتیں نہیں جانتیں ایک حسیب بابا کیا سب یہی کہیں گے۔ سب سے پہلے تو تمہاری خالہ ہی کہیں گی کہ لڑکے کو بہکا سکھا کر اپنے قبضے میں کرلیا تھا تاکہ لڑکا لڑکی دونوں اپنے ہاں بیاہیں اور جائداد پر قبضہ کرلیں۔

ریاض۔ افسوس ہے ایسے لوگوں کی زبان بند کرنے کا کوئی طریقہ آج تک ایجاد نہ ہوسکا۔ آپ کہاں تک ان جہلا کی باتوں کی پروا کریں گی آپ تو مجھے یہ بتائیے کہ خود آپ اس رشتے کو پسند کریں گی یا نہیں؟

نسیمہ۔ میں پہلے تمہارے چچا سے مشورہ کرلوں پھر بتاؤں گی۔ یہ ضرور ہے کہ انصار بچپن سے میرے پاس رہا میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں اور مجھے اس سے ریاض کے برابر ہی محبت ہے مگر جیاں اور حسیب بابا نے اس رشتے کو پسند نہ کیا تو میں بھی راضی نہ ہوں گی۔

یہ کہہ کر نسیمہ نماز کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

ریاض۔ ادھر آؤ فرح ایک بات سُنو۔

نسیمہ یہ سُن کر سوچ میں پڑ گئیں لیکن فرح کے چہرے پر شادمانی آگئی اور وہ چپکے چپکے بھائی سے باتیں کرنے لگی۔

ریاض۔ اماں آپ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

نسیمہ۔ یوں تو انصار ہزاروں میں ایک لڑکا ہے مگر اس کی طبیعت میں ذرا خودسری اور ضد ہے اب دیکھو اس نے بابا کو ناراض کر ہی دیا

فرح۔ عیب سے بَری تو بس اللہ کی ذات ہے۔ کوئی نہ کوئی کمزوری تو ہر انسان میں ہوتی ہے۔

نسیمہ۔ حبیب بابا اس سے سخت ناراض ہیں اور کیا عجب ہے کہ جائداد سے بھی محروم کر دیں۔

ریاض۔ اماں وہ انصار کو محروم کر دیں تب بھی اس میں یہ صلاحیت اور قابلیت موجود ہے کہ وہ اتنا کمالے گا کہ اپنی بیوی کے ساتھ آرام سے گزارہ کر سکے ہاں دولت نہیں ہوگی لیکن عذرا بہت مستغنی مزاج اور قانع لڑکی ہے وہ کبھی روپے کی ہوس نہ کرے گی۔

نسیمہ۔ مگر میاں لڑکی دیتے وقت ہر کوئی چاہتا ہے کہ ایسی جگہ دے جہاں کچھ تھوڑی بہت جائداد وغیرہ ہو۔

فرح۔ اماں آپ یہ بھی تو سوچئے کہ عذرا کہاں خوش رہ سکے گی۔ دولت اور جائداد کو لے کر کیا کرے گی اگر مزاج نہ ملے۔

ریاض۔ اس کے اور انصار کے خیالات، مزاج، مذاق اور طبیعت بہت ملتی جلتی ہے۔

نسیمہ۔ تم دونوں بہن بھائی تو ایسی وکالت کر رہے ہو جیسے پیام آ ہی گیا ہے۔

ریاض۔ آپ سارا الزام میرے اوپر رکھ دیجئے کہ اس کا بھائی خلاف ہے اور آپ کہتی گھبراتی ہیں تو میں کہے دیتا ہوں اگر وہ سخت برا مانیں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔
نسیمہ۔ مگر اس طرح۔ کہا کہ آیا اور زیادہ ناراض ہو جائیں۔
ریاض۔ اپنی طرف سے تو یہی کوشش کروں گا لیکن اس پر بھی وہ ناراض ہو جائیں تو میں مجبور ہوں؟
نسیمہ۔ بڑی مشکل ہے تمھیں کوئی رشتہ پسند ہی نہیں آتا فرحت جمیل صغرا کے دیور سب میں عیب نکال دیئے۔ آخر سوچا کیا ہے؟
فرح۔ اماں آپ گھبراتی کیوں ہیں انشاءاللہ اور اچھے رشتے آئیں گے۔
نسیمہ۔ میری صحت روز بروز گرتی جارہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے سامنے عذرا اور ریاض دونوں کو اپنے گھربار کا کردوں۔ ورنہ میرے بعد نہ جانے ان کا کیا حال ہو۔
فرح۔ (بے تاب ہوکر) اماں خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔
ریاض۔ اماں آپ بے وجہ پریشان ہوتی ہیں۔ آپ تو انشاءاللہ تعالیٰ شمیم کی بھی شادی کریں گی۔
نسیمہ۔ ارے میاں یہ سب دل خوش کرنے کی باتیں ہیں۔
ریاض۔ اچھا یہ بتایئے انصار کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟
فرح۔ انصار؟ کیا ان کی طرف سے کوئی تحریک ہوئی ہے؟
نسیمہ۔ کیا حبیب ماما نے تم سے کچھ کہا؟
ریاض۔ جی نہیں۔ میں تو صرف آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ ممکن ہو تو انصار کو آپ پسند کریں گی؟

سے ہو جائے مگر اس نے مانا ہی نہیں اور اب اس پہ اڑا ہے کہ عذرا سے بیاہ ہو۔

فرح۔ عجیب تماشا ہے پہلے تو انھیں عذرا بالکل ناپسند تھی ماں بیٹے دونوں اُسے کالی اور بدصورت کہتے تھے۔ ہمیشہ اس کی تعلیم کی، مضمون نگاری کی مخالفت کی۔ اس کی "آزادی" اور "فیشن" کو برا بھلا کہا اور ہزاروں عیب نکالے۔ اب اُس میں کون سی خوبی پیدا ہو گئی۔

ریاض۔ ان کے خیالات، مزاج، معاشرت سب ہم سے مختلف ہے وہ عورتوں کی ہر قسم کی آزادی کے مخالف اور حد سے زیادہ قدامت پرست ہیں۔ میری بہن تو کسی طرح ان کے ہاں نہیں کھپ سکتی۔ ہر بات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، کہ انھیں اس قدر اصرار کیوں ہے؟

نسیمہ۔ آپا کہتی ہیں کہ اس نے اب تو بی اے بھی کر لیا۔ نوکری بھی ہو گیا اب تم کیا بہانہ بناؤ گی، اتنا ضرور ہے کہ اگر یہ رشتہ نہ ہوا تو آپا مجھ سے عمر بھر کو چھوٹ جائیں گی پہلے فرح سے انکار ہوا پھر ماص اور دکیہ کی نسبت نہیں ہوئی۔ ان دونوں باتوں ہی سے وہ بہت ناراض ہیں اگر یہ رشتہ بھی نہ ہوا تو وہ بالکل قطع تعلق کر لیں گی۔

ریاض۔ (ناگواری سے) حالانکہ تعلق رکھیں یا قطع کر لیں، چاہوں یا خوش ہوں بہرحال یہ رشتہ تو نہیں ہو سکتا۔ ہم ان کی خوشی کے لئے اپنی لڑکی کی ساری زندگی تو نہیں خراب کر سکتے؟

نسیمہ۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر میں آخر کیا کروں کس طرح ان سے کہوں۔

ہر کسی کو صورت سمجھتی ہیں۔ کئی مرتبہ مذاق مذاق میں عذرا کو کالی اور صورت اور نہ جانے کیا کیا کہا ہے۔ جیسے وہ خود بڑی حسین ہیں۔
نسیمہ۔ تم نہیں بھائی ہر ایک میں عیب نکال دو گے تو کیسے کام چلے گا۔
ریاض۔ مگر اماں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لڑکا عذرا کے قابل نہ ہو اسے ہم پسند کر لیں۔
نسیمہ۔ ایک پیام اور ہے اور بڑے زور شور کا۔ سب سے زیادہ مجھے اسی طرف سے ڈر ہے
ریاض۔ وہ کس کا؟
فرح۔ جمیل بھائی کا ہوگا۔
نسیمہ۔ ہاں آپا مدت سے پیچھے پڑی ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے اب تک ٹال ٹال دیا ہے۔
ریاض۔ سبحان اللہ عذرا اور جمیل کا کیا جوڑ؟
نسیمہ۔ میں خود بھی اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی مگر کروں کیا؟ فرح کی دعوت میں انھوں نے بہت زور لگایا تھا مگر اس وقت احسان نے یہ عذر کر دیا کہ لڑکا ایف۔ اے پاس بھی نہیں۔ میں نے بھی ٹالنے کو کہہ دیا تھا کہ اور لڑکیاں بھی تو ہیں اس وقت دیکھا جائے گا۔ اب وہ پیچھے پڑی ہیں کہ وعدہ پورا کرو۔ حالانکہ میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا
فرح۔ آپ نے بھلا کاہے کو یہ کہہ دیا تھا۔ صاف انکار کر دیتیں۔
نسیمہ۔ بھئی مجھے کیا خبر تھی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ کچھ دن بعد یہ خود ہی دکیسے کر لیں گی اور سچی بات یہ ہے کہ آپا نے بہت چاہا کہ جمیل کا دکیہ

ریاض۔ اماں ایسی کیا جلدی ہے اطمینان سے دیکھ بھال کر طے کریں گے ابھی تو وہ اُنیس برس کی بھی نہیں۔

نسیمہ۔ اے خیر سے ستّ برات میں بیسویں میں لگ جائے گی یہی عمر بیاہ کی ہوتی ہے۔ فرح کی تو اٹھارھواں لگتے ہی کردی گئی تھی۔

فرح۔ (مسکرا کر) ہیں تو اماں کو بہت بھاری تھی۔

ریاض۔ پیام کس کس کا ہے

نسیمہ۔ دو تین پیام تو کہیں باہر کے ہیں جن کے متعلق شاید احسان کچھ بتا سکیں گے۔ ان میں سے مجھے تو کوئی جچا نہیں۔ کسی کی ذات ٹھیک نہیں، کسی کے بچے موجود ہیں ایک پیام صغرا کے دیور کا ہے۔ مگر لڑکا صرف دسویں تک پڑھا ہے۔ انجینیری کی تعلیم پائی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو کا نوکر ہے۔

ریاض۔ نہیں اس کی تعلیم بہت کم ہے اور حیدر آباد دور بھی بہت ہے۔

نسیمہ۔ فرحت کے لئے کئی مرتبہ باتوں باتوں میں مجدی بھائی کہہ چکی ہیں۔

ریاض۔ فرحت ویسے تو بہت معقول آدمی ہیں مگر مغرب زدہ بہت ہوگئے ہیں سوٹ کے سوا کچھ پہنتے نہیں چھچے کانٹے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے اور میز کرسی نہ ہو تو شاید کھڑے ہی رہیں۔ پورے صاحب بہادر ہیں عذرا کی اور ان کی طبیعت نہیں مل سکتی۔

فرح۔ مجدی چچی کا مزاج بھی بہت خراب ہے اور دماغ تو گھر بھر کا عرش معلّے پر رہتا ہے۔ ایسے اور گھر کے بھوٹے حسن کے سامنے وہ

نسیمہ۔ تو اس سے جلدی کھلا کیسے ہو سکتا ہے۔
صغرا۔ میں چلی گئی تو آنا مشکل ہو جائے گا۔
فرخ۔ میرے بھی ملاوے کے خط پر خط آ رہے ہیں۔
عذرا۔ بس ان دونوں کو جانے کی پڑ گئی۔ ایسی بھی کیا بے قراری۔
ریاض۔ بھئی کیا کریں دل سے مجبور ہیں۔
نسیمہ۔ جب میں جانے دوں گی تب نا؟ مجال ہے نسیم یا مجید کی کہ میری بغیر اجازت لے جائیں
فرخ مسکرا کر چپ ہو رہی۔ صغرا نے جلدی سے کہا۔ "میری بچی اماں آپ ضرور لکھوا دیجئے کہ ابھی پانچ چھ مہینے صغرا نہیں آئے گی (مسکرا کر) اتنی دور جا کر ایک ایک کی صورت کو ترس جاتی ہوں۔ سب سے دور مجھی کو پھینک دیا۔
نسیمہ۔ بیٹی یہ تو نصیب کی بات ہے۔ جس کا جہاں ہونا تھا وہاں ہوا۔
عذرا۔ دل میں کچھ اور ہے، ظاہر کرتی ہیں کہ جیسے بچاری بالکل جانا نہیں چاہتیں
صغرا۔ تم اعتراض کرنے اور طعنے دینے سے کبھی باز نہ آؤ گی
فرخ۔ عادت سے مجبور ہیں۔
عذرا ہنستی ہوئی اٹھی اور سیدہ کو لے کر ہاجرہ کے ہاں چلی گئی صغرا کی بچی رونے لگی تو وہ دودھ پلانے سہ دری میں چلی گئی۔
نسیمہ نے تنہائی دیکھ کر کہا "ریاض میاں میں چاہتی ہوں کہ عذرا کی نسبت بھی جلدی ہو جائے۔"

جاتا ہے وہی کہیں گے
ستدہ۔ بچاری ہاجرہ آپا کی طرف سے یہ سب کون کرے گا
ماما ابا تو مرد ہیں۔
عذرا۔ کھئی میں ہاجرہ کی طرف ہو جاؤں گی
فرخ۔ اور کیا تم تو سب رسم رسوم سے واقف ہو نا۔
نسیمہ۔ یہ نہ سمجھو حبیب ماما عورتوں سے زیادہ سب باتوں سے واقف ہیں۔ دوسرے انھوں نے ہاجرہ کی خالہ اور خالو کو حیدر آباد سے ملوایا ہے۔
عذرا۔ میں ذرا ہاجرہ کے پاس جا رہی ہوں۔
ریاض۔ (آہستہ سے مسکرا کر) دیکھو بچاری کو زیادہ تنگ نہ کرنا۔
فرخ۔ (ہنس کر) اہاہ بھائی جان کو ابھی سے ہم سب سے زیادہ اس کا خیال ہو گیا۔
عذرا۔ ہاجرہ میری دوست ہے میں اسے جو چاہے کہوں آپ منع نہیں کر سکتے۔
صغرا۔ چچی اماں دیکھئے بھائی جان تو ابھی سے بے قرار ہیں اب جلدی سے شادی کر ہی دیجئے۔
ریاض۔ اوہو آج تو بی صغرا بھی خوب چہک رہی ہیں
صغرا۔ آج بھی نہ چہکوں۔ اس سے زیادہ خوشی کا دن اور کون ہوگا
ہاں تو چچی اماں پھر کب ارادہ ہے؟
نسیمہ۔ میرا خیال ہے کہ شب برات کی پندرہ کو خیر سے عقد ہو جائے۔
فرخ۔ دو مہینے بعد!!

نام لے رہے ہو۔
ریاض۔ (مسکرا کر سر جھکا لیتا ہے) بہت خوب۔
ساری بہنیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔
صغرا۔ چچی اماں اب میرے سامنے ہی جلدی سے شادی بھی کر دیجئے۔
نسیمہ۔ بیٹی بھلا یوں ہتھیلی پر سرسوں کیسے جم سکتی ہے آخر کچھ دن تو مجھے اور انھیں دونوں کو تیاری کے لئے چاہئیں گے۔
فرح۔ اچھا اماں امام ضامن کی رسم تو کر دیں۔
نسیمہ۔ تمھارے چچا جان ضرور مخالفت کریں گے کہ ان رسم رسوم کی کوئی ضرورت نہیں۔
صغرا۔ اماں میاں تو ہر بات میں روڑا اٹکا دیتے ہیں۔ نہیں چچی اماں کچھ بھی ہو منگنی کی رسم تو ہم ضرور کریں گے۔
فرح۔ نہیں کوئی ساری برادری کو تھوڑا ہی جمع کرنا ہے ایسی جوتی کے لئے معمولی سی رسم کر لیں گے۔ ہم یہاں سے امام ضامن انگوٹھی مہندی جوڑی اور مٹھائی لے جائیں گے وہاں سے ماما نانا مٹھائی دیدیں گے تاکہ کنبے میں بانٹ کر اعلان کر دیا جائے۔
ریاض۔ اور ہمارے لئے نہ امام ضامن نہ انگوٹھی؟
فرح۔ آپ گھبرائیے نہیں ماما ابا سے انگوٹھی بھی دلوا دیں گے اور امام ضامن بھی بندھوا دیں گے۔
ریاض۔ تم لوگوں کی زبان بھی خوب ہوتی ہے امام ضامن (معاذاللہ) باندھے جاتے ہیں
صغرا۔ خیر آپ ایسی منطق رہنے دیجئے۔ ہمارے ہاں محاورے میں جو کہا

اُنیسواں باب

نسیمہ۔ خدا کا شکر ہے کہ حبیب ماما اس رشتے پر تیار ہو گئے۔ پہلے تو بہت ٹالنے کی باتیں کیں مگر احسان کے آگے اُن کی ایک نہ چلی۔ احسان نے کہا میں رسم رسوم کا قائل نہیں اگر لڑکا آپ کو پسند ہے تو ابھی ہاں کر لیجئے کوئی ضرورت نہیں کہ "کپڑے پھٹیں اور جوتیاں ٹوٹیں"۔

فرخ۔ یا اللہ تیرا ہزار ہزار شکر۔ کسے امید تھی کہ وہ ہمیں یہ دن بھی دکھائے گا۔

عذرا۔ (بھائی کے گلے میں بانہیں ڈال کر) بھائی جان میں بہت خوش ہوں سب سے زیادہ خوش۔

ریاض۔ (مُسکرا کر) اس لئے کہ ناجِرہ تمھاری سہیلی ہے؟

نسیمہ۔ (ہنس کر) اے میاں اب تو کچھ دن شرم کرو کیا بے دھڑک

طے ہو جائے گی۔
انصار۔ (ہنس کر) ہاں ٹھیک ہے۔ میں تو بھول ہی گیا تھا مگر دوست
تم تو ابھی سے بے قرار ہو گئے۔
ریاض۔ (مسکرا کر) مگر تم نے کچھ نہ بتایا؟
یکایک ایک موٹی سی بوند انصار کی ناک پر پڑی اور ساتھ ہی
تیز ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ دونوں دوست گھبرا کر کھڑے ہو گئے
چند قدم گئے تھے کہ تیز بارش نے آلیا اور یہ دونوں بھیگتے ترتے گھر پہنچے
اور انصار و ریاض کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔

انصار۔ حیدر آباد میں میرے والد مرحوم کا کچھ روپیہ جمع ہے۔ کوئی دس گیارہ ہزار کے قریب ہوگا۔ میرا ارادہ اس روپیہ سے والد مرحوم کی غیر مطبوعہ تصانیف چھپوانے کا تھا۔ مگر اب معاملہ دوسرا آپڑا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اسے لے کر یورپ چلا جاؤں اور جرنلزم کی تعلیم حاصل کروں۔ پہلے پی ایچ ڈی کا خیال تھا مگر اب میں نے اس کا ارادہ ترک کر دیا ہے اس میں زیادہ وقت لگے گا اور زیادہ روپے کی ضرورت ہوگی۔

ریاض۔ یہی ٹھیک ہے یہاں کوئی چھوٹی موٹی جگہ ملی بھی تو ترقی کی بہت کم گنجائش ہوگی۔ تم خدا کا نام لے کر جلد یورپ روانہ ہو جاؤ واپس آکر ذاتی اخبار نکال لینا اس عرصے میں میری پریکٹس بھی جم جائے گی تمھیں جب روپیہ کی ضرورت ہو مجھے بے تکلف لکھ دینا۔

انصار۔ نہیں روپے کی ضرورت کیا ہوگی۔ ریاض بھائی اب میں وہ فضول خرچ اور لاابالی انصار نہیں رہا جو حیدر آباد میں سیکڑوں روپیہ ماہوار خرچ کر دیتا تھا تم دیکھنا میں کسی کفایت شعاری سے خرچ کروں گا اور کیسی ذمہ داری اور مستعدی سے کام کروں گا۔

ریاض۔ انشاء اللہ مجھے پورا یقین ہے کہ تم جس بات کا ارادہ کرلو وہ کرکے چھوڑو گے۔ مگر روپیہ کے معاملہ میں زیادہ تکلیف نہ اٹھانا۔ میں اپنا روپیہ بیٹے کی طرح سختی سے وصول کرلوں گا۔ تم اس کا خیال نہ کرنا۔

انصار۔ اگر ضرورت ہوئی تو تمھارے سوا کون ہے جس سے مدد مانگوں گا؟ تو کب تک چلا جاؤں؟

ریاض۔ پہلے روپیہ اور پاسپورٹ کا انتظام کرلو پھر جانے کی تاریخ مقرر ہو جائے گی۔ شاید اس عرصے میں ماما ابا سے وہ بات بھی

خدا کے برگزیدہ بندے دل کا حال چہرہ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں۔
ریاض۔ جی ہاں کیا کہنے آپ تو پورے ولی اللہ ہیں۔
انصار۔ میں تو مدت سے سمجھے ہوئے تھا کہ جناب ناحرہ کو دل بھینٹ کر چکے ہیں۔
ریاض۔ خیر اگر تمہاری رائے ہے تو میں اماں سے ذکر کر دوں ۔ وہ جب سے میں آیا ہوں میرے سر ہیں کہ کسی لڑکی کا انتخاب کر دو میں جلدی سے بہو بیاہ لاؤں مگر مجھے ڈر ہے کہ ناما انا نامنظور نہ کر دیں۔
انصار۔ عشق نے تمھیں وہمی سا دیا ہے۔ میں شرط کرتا ہوں کہ وہ فوراً منظور کر لیں گے۔
ریاض۔ خیر دیکھا جائے گا۔ مگر اب سچ سچ بتا دو کہ وہ کون یہ کالہ آفت ہے جس نے تم جیسے ہٹ کھٹ کو اپنے بس میں کیا ہے؟
انصار۔ اب تم بدلہ لینے کے لئے خواہ مخواہ چھیڑنے لگے۔
ریاض۔ جو نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے ورنہ تم اس قدر سختی سے انکار نہ کرتے۔
انصار۔ اگر ہے بھی تو تم سے چھپی نہ رہے گی۔ اس وقت تو تم مجھے یہ مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟
ریاض۔ تم کچھ اپنا ارادہ بھی تو بتاؤ۔
انصار۔ دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہاں کسی اخبار میں نوکری کر لوں۔ کامریڈ اور ہمدرد میں کام کر چکا ہوں۔ کوئی نہ کوئی جگہ مل ہی جائے گی اور پیٹ بھرنے کا سہارا ہو جائے گا۔
ریاض۔ دوسری کیا ہے؟

بچ جائے مگر بابا آتا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔
ریاض۔ مجھے اس کا بالکل علم نہ تھا۔ یہ ناحرہ کے لئے اچھا بھی ہے اور برا بھی۔ جو شخص اس سے محض جائداد کے لالچ میں شادی کرے گا اسے بڑی مایوسی ہو گی۔
انصار۔ لیکن اس کی نوبت ہی کیوں آئے کہ کوئی نااہل لالچی شخص اس کا شوہر بنے۔ تم بھی اقرار کر چکے ہو کہ ناحرہ تمھیں بہت پسند ہے پھر کیوں پیام نہیں دیتے۔ بابا اماں مجھ سے تو ناامید ہو ہی چکے۔ تمھیں وہ بہت پسند کرتے ہیں۔ یقیناً اس رشتے کو منظور کر لیں گے۔
ریاض۔ لیکن انصار کیا تم کہہ سکتے ہو کہ ناحرہ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا؟
انصار۔ ریاض بھائی تم ہو کس خیال میں۔ تم جیسا دولہا کسی قسمت والی لڑکی کو مل سکتا ہے جس لڑکی کی بھی تم سے شادی ہو گی وہ اپنی قسمت پر ناز کرے گی۔ تمھیں معلوم نہیں جان بہادر تم پر بہت ریجھے ہوئے تھے اور رضیہ سے تو تمھیں بیڈ لانے تک تخیے میں دے ئے تھے مگر تم ایسے لے دوڑ نکلے کہ اس غریب کو ایک بھی خط نہ لکھا۔
ریاض۔ تم احمق ہو
انصار۔ رہی ناحرہ تو اس کا یہ حال ہے کہ تمھارے سارے گھر کی گرویدہ ہے آپا کو وہ ماں سے بڑھ کر سمجھتی ہے، عذرا میں اُس کی جان اٹکی ہوئی ہے اور (مسکرا کر) میرا خیال ہے کہ عذرا کے بھائی کو بھی وہ ناپسند نہیں کرتی۔
ریاض۔ (بے ساختہ) سچ؟
انصار۔ (ہنس کر) ہاں بالکل سچ، حضرت ہم قیافہ شناس ٹھیٹ واں

ریاض (ڈال کر) بے شک ناحرہ میرے دوست کی بہن اور صبوں کی دوست ہے پسند کیوں نہ ہوتی۔
انصار۔ ٹالو نہیں۔ تم میرا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہو ــــ سچ بتاؤ تم ناحرہ کو پسند کرتے ہو یا؟
ریاض۔ کیا اقبالِ جُرم کرا رہے ہو۔
انصار۔ ہاں اقبالِ جُرم کرا رہا ہوں۔
ریاض۔ تم اس قدر مُصر ہو تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے ناحرہ ہمیشہ سے بہت پسند ہے۔ پورپ میں بھی مجھے برابر اس کا خیال رہتا تھا لیکن مجھے کبھی یہی خیال تھا کہ ناحرہ اور تم دونوں ایک دوسرے کے لیئے ہو اور اس وجہ سے میں ناحرہ کے خیال کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ دوسری وجہ تم خود جانتے ہو
انصار۔ وہ دوسری وجہ کیا ہے۔
ریاض۔ بابا ابا کے احسانات سے میری گردن جُھکی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ناحرہ صاحب جائداد لڑکی ہے۔ اس لئے اس قسم کا خیال کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔
انصار۔ تم بھی بعض وقت عورتوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ کیا اتنی سی بات کے لئے تم اپنی اتنی بڑی آرزو کا گلا گھونٹ دوگے۔ میں تو تمھیں ایسا کمزور نہیں سمجھتا ــــ رہی جائداد تو خاص بھائی میری بات پر یقین کرو نانا ابا کی دیا ضیوں اور شاہ خرچیوں نے پہلے ہی اس کا فیصلہ کر دیا ہے وہ سر سے پیر تک قرضے میں جکڑی ہے۔ اگر احتیاط سے بیچ کر قرضہ ادا کیا جائے تو شاید چالیس پچاس ہزار روپیہ

خوشی میں مست ہیں۔ ان کے چہچہوں کے شور سے سارا جنگل گونج رہا ہے۔
انصار اور ریاض ٹہلتے ٹہلتے رُکے اور ندی کے کنارے لب آب گھاس پر بیٹھ گئے۔

انصار۔ ریاض بھائی یہ بھی میری قسمت کی خوبی ہے کہ سارے بزرگوں میں صرف ایک ماما ہیں وہ بھی مجھ سے ناراض ہو گئے۔ خیر کوئی پروا نہیں، مجھے خدا کی مدد اور اپنی ہمت پر بھروسہ ہے۔ ہاں رنج اس کا ہے کہ میری وجہ سے ماما ابا کو صدمہ پہنچا۔ اور اس سے تو میں بہت خوش ہوں کہ انھوں نے مجھے جائداد کے پھندے سے رہا کر دیا اور میرے خرچ کا بار اُٹھانے سے انکار کر دیا۔

ریاض۔ میرا بھی یہی حال ہے کہ ان کا عقدہ حیدرآباد ہے۔

انصار۔ خیر کتنے ہی دن کا ہو مگر میں اب ان سے کبھی مدد لینا گوارا نہیں کروں گا۔ جائداد، جائداد، جس جائداد پر ساٹھ ستر ہزار کا قرض ہو اس کے لئے اس قدر بے قراری! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان رئیسوں کے دل میں اس قدر جائداد کا شوق کیوں ہوتا ہے؟

ریاض۔ کیا ناجرہ پر تمہارے انکار کا اثر نہ ہوا ہو گا؟

انصار۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ناجرہ کو اس کا بالکل افسوس نہیں ہوا وہ خود مجھے حقیقی بھائی کی طرح سمجھتی ہے۔ ماما ابا تو خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں انھیں ناجرہ کے لئے مجھ سے بہت اچھا لڑکا مل سکتا ہے۔

ریاض۔ ہاں ناجرہ بہت اچھی لڑکی ہے۔

انصار۔ (غور سے ریاض کے چہرے کو دیکھتے ہوئے) کیا واقعی تمھیں ناجرہ پسند ہے؟

ہوگا میں نے پیار و محبت سے سمجھایا، اونچ نیچ سُجھائی، ڈانٹ ڈپٹ کی، عاق کردینے کی دھمکی دی مگر اس ناخلف پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کا باپ بھی اسی کی طرح خود سر، ضدی اور مغرور تھا۔ میرا کیا ہے۔ سمجھوں گا کسی پڑوسی کے یتیم بچے کو پال دیا تھا۔

احسان۔ قبلہ اس قدر سختی نہ کیجئے لڑکا ہے ناتجربہ کار اور ضدی آپ بزرگ ہیں سمجھدار، بردبار اور دوراندیش۔ اس کا قصور معاف کر دیجئے۔

حبیب الٰہی۔ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں۔ وہ ضدی ہے تو میں اس سے زیادہ ضدی ہوں میں نے عہد کرلیا ہے کہ اب اس کی صورت نہ دیکھوں گا۔ وہ اپنے کو سمجھتا کیا ہے۔۔۔ ناسمجھ۔ ناخلف۔۔۔"

غصے سے حبیب الٰہی کانپنے لگے۔ محمد احسان اور ریاض ان کی حالت دیکھ کر ڈر گئے اور زیادہ کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

شام کا وقت ہے اکبر پور کے مشرق میں جو ندی بہتی ہے وہ اس وقت بڑی سُبک روی کے ساتھ آہستہ آہستہ بہہ رہی ہے اس کے دونوں کناروں پر سبز گھاس کا نرم اور خوب صورت مخملی فرش بچھا ہوا ہے۔ ندی کے اُس پار سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا ہے۔ شفق کی سُرخی نے آسمان پر آگ سی لگا رکھی ہے۔ رنگ برنگے بادلوں کے ٹکڑے دوڑ دوڑ کر ڈوبتے سورج کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ درختوں کے پتے ہل رہے ہیں ہوا درختوں کے پتوں میں سرسرا رہی ہے۔ چڑیاں بسیرا لینے کے لئے دور دور سے اُڑتی ہوئی آتی ہیں اور اپنے بال بچوں سے دن بھر کی جُدائی کے بعد ملنے کی

کہ اس نے یہ صورت نکال دی۔ انشاء اللہ انصار بھی اسی طرح ترقی کرے گا۔ آپ اُسے معاف کر دیجئے اور یورپ جانے کی اجازت دے دیجئے۔

حبیب الٰہی۔ شاید اس بات کو میں کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیتا مگر اُس نے تو میرا دل توڑ دیا۔ میری ساری آرزوئیں اور ارمان پامال کر دیئے۔ یہ چھوٹا سا تھا کہ ماں مر گئی۔ پھر باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ میں نے بچپن میں حد سے زیادہ اس لڑکے کی ناز برداریاں کیں ہر قسم کی مصیبتیں اٹھائیں۔ جب سے بڑا ہوا ہر طرح کی نگرانی اور دیکھ بھال کی۔ اس کے آرام اور خوشی کا ہمیشہ خیال رکھا۔ کہا ایم۔ اے کروں گا۔ اجازت دے دی۔ پھر یہ ضد تھی کہ کامرس میں سال بھر کام کروں گا۔ خاموش ہو رہا۔ ساری امیدیں اس لڑکے سے وابستہ تھیں۔ مگر اس نے مجھے اس سب کا یہ بدلہ دیا میری رائے کی کوئی حقیقت نہ سمجھی۔ مجھے جاہل احمق اور رجعت پرست کہا

ریاض۔ ارے انصار کی اتنی مجال!

احسان۔ لاحول ولا قوۃ۔

حبیب الٰہی۔ اس نے زبان سے یہ الفاظ نہ کہے ہوں مگر عمل سے ظاہر یہی کیا۔ میں چاہتا تھا کہ ہاجرہ سے اس کی شادی کر دی جائے مگر وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتا۔

احسان۔ آخر کیوں؟

حبیب الٰہی۔ نئی سی منطق نکالی ہے۔ میرے بھائی بہن نہیں ہیں اسے سگی بہن سمجھتا ہوں۔ چھوٹا کسی عیسائی ویسائی لڑکی پر عاشق ہو گیا

حبیب الٰہی۔ مجھے نہیں معلوم۔
ریاض۔ کیا فرمایا جناب نے؟
احسان۔ کیا آپ اس سے کچھ ناراض ہیں؟
حبیب الٰہی۔ نہیں صاحب ناراضگی کی کیا بات ہے۔ جو اس لڑکا اپنی مرضی اور خوشی کا مختار جو چاہے کرے مجھے کیا مطلب۔
ریاض۔ آخر کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ انصار بہت پریشان اور افسردہ رہتے ہیں۔ جناب بھی اس سے کشیدہ معلوم ہوتے ہیں۔
حبیب الٰہی۔ (بیٹھ پڑتے ہیں) مجھے اس سرکش مدتیر اصدی خودرائے لڑکے سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں کیوں اس سے کشیدہ ہوں۔ اس کا جو جی چاہے کرے۔ میں اس کے لئے مر گیا۔ وہ اس عمر میں میرا کہا نہیں مانتا میری کوئی ہستی اور حقیقت نہیں سمجھتا تو کیا میں اس بڑھاپے میں اس کی مرضی پہ چلوں گا؟
ریاض۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ انھوں نے آپ کو ناراض کردیا۔
حبیب الٰہی۔ میں نے کہا آئی سی۔ ایس کے امتحان میں بیٹھو نہیں، بیرسٹری کے لئے چلے جاؤ صاف انکار۔ جائداد کی دیکھ بھال کرو ہرگز نہیں کیا کریں گے صاحب، جرنلزم، اخبار نکالیں گے جوتیاں کھائیں گے۔
احسان۔ آپ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ آج کل کے لڑکے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کام کرتے ہیں۔ انھیں دیکھئے باوجود سب کے منع کرنے کے علی گڑھ کی تعلیم چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں داخلہ لیا۔ اس وقت سب کا خیال تھا کہ اب یہ ترقی نہیں کرسکیں گے۔ مگر خدا کا شکر ہے

حبیب الٰہی اپنے دیواں خانے میں میٹھے بیجوں پی رہے ہیں۔ ریاض اور احسان پاس بیٹھے ہیں۔

حبیب الٰہی۔ بیٹا خدا کا شکر ہے کہ تم بخیریت واپس آ گئے۔ نسیمہ نے یہ زمانہ بڑی مشکل سے گزارا۔ جیراں کی مراد بر آئی۔ خدا سب کو تم جیسی سعادت مند اولاد دے۔ ماشاءاللہ بہت اعزاز کے ساتھ ڈگریاں لیں۔

ریاض۔ (سر جھکا کر) یہ سب جناب کے احسانات ہیں۔

حبیب الٰہی۔ (شفقت سے) نہیں بیٹا یہ سب تمہاری محنت اور قابلیت ہے ہاں تو اب کیا قصد ہے۔ کہیں سرکاری نوکری یا پرائیویٹ مطب؟

احسان۔ سرکاری نوکری یہ کیا کریں گے؟ بہت اچھا offer آیا ہے مگر انھیں اس سے انکار ہے۔

ریاض۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر سرکاری نوکری کرنی ہوتی۔ تو میں آئی سی ایس کا خیال ہی کیوں چھوڑتا۔ ڈاکٹر انصاری صاحب مجھے اپنے ساتھ کام کرانے پر تیار ہیں۔ صبح کو دو گھنٹے ان کے ساتھ کام کروں گا اور شام کو اپنا مطب۔

حبیب الٰہی۔ بہت معقول۔ سال بھر ان کے ساتھ کام کرو گے تو بہت عمدہ تجربہ ہو جائے گا۔ ہندوستان بھر میں ایک ہی ڈاکٹر ہے۔ خدا نے دستِ شفا عطا کیا ہے۔

ریاض۔ جی ہاں اُن کی قابلیت کے تو دشمن بھی معترف ہیں۔

احسان۔ یہ انصار کیا کر رہے ہیں۔ یورپ کب تک جائیں گے؟

نسیمہ۔ یہ تو ہوئی سدا کی کمزور اور روگی۔
سعیدہ۔ کہیں بھی تو نہیں بھائی جان۔ میں تو اچھی خاصی ہٹی کٹی ہوں۔
ریاض اُٹھ کر فرح کے پاس آئے اور اس کا سر سہلا کر بولے
اب تو ہماری چھوٹی سی بہن بہت بڑی آدمی ہو گئی ہے مال بچوں
گھر بار والی؟ فرح نے شرما کر سر جھکا لیا۔ ریاض نے بھانجے کو پیار کیا
اور پھر صغرا کے پاس آ کر اُس کی ہونی ہونی سانولی بچی سے کھیلنے لگے۔
ریاض۔ اب بی صغرا کو دیکھو — میں انہیں بچی چھوڑ کر گیا تھا۔ آ کر اماں
سا پایا۔ جسے دیکھتا ہوں اتنی بڑی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے میاں اصغر کو
تو دہلی کے اسٹیشن پر میں نے بالکل نہیں پہچانا۔ اتنا لمبا ہو گیا ہے کہ
مجھ سے بھی ہاتھ بھر نکلتا ہو — اور عذرا — عذرا تو اب چھ
فٹ کی ہو گئی ہے۔
عذرا۔ تو بھائی جان ہمارا کیا قصور — آپ ہی اتنی مدت میں آئے
کہ ہم سب بڈھے ہو گئے۔
نسیمہ۔ اچھا اب تم لوگ اُٹھ کر سب کے کھانے کا انتظام کرو —
ریاض تم باہر جاؤ میں کھانا بھجواتی ہوں۔
ریاض۔ اماں میرا جی تو آپ کے ساتھ کھانا کھانے کو چاہتا ہے۔
نسیمہ۔ نہیں میاں باہر سب لوگ تم سے ملنے آئے ہیں۔ جاؤ سدھارو
میرے ساتھ تو خیر سے روز ہی کھاؤ گے۔
ریاض۔ جو حکم۔
عذرا سعیدہ اور ہاجرہ کھانے کے انتظام کے لئے اٹھیں ریاض اور محمد احسان
باہر چلے گئے۔

نسیمہ۔ (پلّو سے آنسو پونچھ کر) میاں اُس کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ پھر اُس نے مجھے ریاض کا مُنھ دکھایا۔ یہ تو اللہ رکھے خیر سے واپس آتے ہی۔ مگر میں اتنے عرصے کیسے زندہ رہی؟ اب خیال کرتی ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ میرے تو رونگٹے رونگٹے میں زبان ہو تو اپنے مولا کا شکر ادا نہیں کر سکتی۔

ریاض۔ (ماں کے سینے پر سر رکھ کر) میری اماں ـــ میری پیاری اماں۔ اُف اتنے عرصے آپ کو کس قدر تکلیف اور پریشانی اٹھانی پڑی اور محض میری خود غرضی کی وجہ سے۔

نسیمہ۔ میاں ایسا نہ کہو میں جُدائی کی تکلیف نہ سہتی تو تم اعلٰے تعلیم کیسے پاتے اتنے بڑے ڈاکٹر کیسے آتے ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ زمانہ جیسے میں نے گزارا ہے وہ یا میں جانتی ہوں یا میرا خدا۔

عذرا۔ (آہستہ سے) یا میں۔

ریاض نے پلٹ کر بہن کی طرف دیکھا اور اسے لپٹا لیا۔

عذرا۔ بھائی جان میں بتا نہیں سکتی کہ کس طرح یہ زمانہ کٹا ہے۔ ایک طرف آپ کی جُدائی دوسری طرف اماں کی فکر۔ یہ تو اس وقت اماں ماشاء اللہ اس قدر خوش اور تندرست نظر آرہی ہیں ورنہ آپ کے پیچھے اماں کا جو حال تھا وہ بس میں ہی جانتی ہوں اور جب سے یہ باجی (فرخ کی طرف اشارہ کرکے) اپنی سسرال چل دیں تب سے اماں اور سیدہ کی صحت کی ساری فکر مجھ اکیلی کو اُٹھانی پڑ گئی۔ ہاں جب چچا جان آتے تھے تو ذرا تسلی ہوتی تھی۔

ریاض۔ کیوں سیدہ؟ تم بیچاری عذرا کو کیوں پریشان کرتی تھیں؟

عذرا اور سیدہ بھائی کے پاس بیٹھی ہیں۔ چہرے پھول کی طرح کھلے ہوئے، آنکھوں، ہونٹوں اور جسم کے عضو عضو سے مسرت پھوٹی پڑ رہی ہے۔ فرح سرہانی سی دوسرے پلنگ پر اپنے بچے کو لئے بیٹھی ہے اور بار بار محبت بھری نظروں سے بھائی کو دیکھ لیتی ہے۔

اور نسیمہ خاتون کی خوشی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ چھ برس بعد آج وہ اپنے کو ہمدوں میں سمجھ رہی ہیں۔ چھ برس ۱۱ کہنے کو دو لفظ ـــ مگر کوئی ان کے دل سے پوچھے کہ انھوں نے یہ زمانہ کس طرح ایک ایک گھڑی گن گن کر گزارا۔ وہ بار بار ریاض کا منہ دیکھتی اور پیار کر لیتی ہیں گھڑی گھڑی سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں اور اس رحیم و کریم پروردگار کا انتہائی عقیدت اور دلی ارادت سے دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی ہیں جس نے پھر ان کے لال کا منہ دکھایا۔ کبھی دعائیں پڑھ پڑھ کر ریاض پر دم کرتی ہیں کہ خدا کرے نظر نہ لگ جائے۔ کبھی ماتھا چومتی ہیں، کبھی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی ہیں اور کبھی بے تاب ہو کر گلے سے لپٹا لیتی ہیں۔ ریاض ماں کی حالت دیکھ کر بے حد متاثر ہیں اور یہ سوچ کر ان کا دل بھر آتا ہے کہ میری خود غرضی نے چھ سال تک اماں کو کیسی سخت تکلیف دی۔

صغرا گود میں اپنی ننھی بچی کو لئے بیٹھی ہے۔ اس کے قریب ہی گاؤ تکئے سے لگے محمد احسان بیٹھے شفقت بھری نظروں سے بھتیجے کو دیکھ رہے ہیں چہرے سے خوشی اور اطمینان ظاہر ہو رہا ہے۔

محمد احسان ۔ آج چھ برس بعد بھائی کے چہرے پر خوشی اور تندرستی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ مجھے تو ہر وقت یہ فکر تھا کہ کس طرح یہ تمھاری جدائی کو برداشت کریں گی۔

اٹھارھواں باب

آج نسیمہ خاتون کے گھر کے کونے کونے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی ہے
پورا گھر صاف ستھرا اور آراستہ ہے۔ عذرا، ہاجرہ اور سیدہ نے آج گھر کو
سجانے میں اپنا سارا کمال صرف کر دیا ہے۔ سارا گھر مہمانوں سے
پٹا پڑا ہے۔ جسے دیکھو باچھیں کھلی ہوئی ہیں یہ اس لئے کہ آج صبح
ڈاکٹر ریاض عباس پورے چھ سال بعد یورپ سے واپس آئے ہیں۔
شام کا وقت ہے ریاض ماں کے پاس پلنگ پر بیٹھے ہیں ان کا
رنگ زیادہ گورا اور جسم کھرا کھرا ہو گیا ہے۔ قد بھی بہت لمبا ہو گیا ہے
البتہ آواز اور بھی نرم ہو گئی ہے اور بہت آہستہ آہستہ بات کرتے
ہیں جس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ وہاں سب لوگ آہستہ بولتے ہیں
ہندوستانیوں کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر نہیں چیختے۔

ہاجرہ۔ اب میں اچھی طرح سمجھ گئی کہ انصار بھائی کس لڑکی ۔ کیسی لڑکی
کو پسند کرتے ہیں۔
سیدہ۔ اچھی ہاجرہ آپا آپ سنائیے وہ کس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے
ہیں۔ میرا خیال ہے ثمرہ آپا سے یا یاسمین آپا سے۔
ہاجرہ۔ نہیں میرا تو یہ ارادہ نہیں ہے ۔۔ کیوں عذرا تمہارا کیا خیال ہے
عذرا۔ (کھوئی کھوئی سی) میرا تو کچھ خیال نہیں۔
ہاجرہ۔ مگر میں اس لڑکی کو پہچان گئی ہوں۔
سیدہ۔ میری آپا مجھے بھی بتا دیجئے۔
ہاجرہ۔ تم بچی ہو ان باتوں سے کیا غرض۔
سیدہ نے منہ بنا کر ہاجرہ کو دیکھا "جی میں بچی ہوں ۔۔ اتنی تو
بڑی ہو گئی آپ سے تو لمبی ہوں" پھر ایک نظر عذرا کے چہرے پر ڈالی
اور کھل کھلا کر ہنس پڑی ۔۔ "میں سمجھ گئی ۔۔۔ سمجھ گئی"
ہاجرہ مسکرانے لگی۔

انصار۔ میں نے خود کئی مرتبہ ارادہ کیا مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بھی نانا ابا کی ہم خیال نہ ہوں۔
عذرا۔ اماں نے اس قسم کے دقیانوسی خیالات نہیں ہیں وہ تو ہمیشہ کہا کرتی ہیں کہ شادی لڑکے کی پسند سے کرنی چاہیئے۔
انصار۔ (مسکرا کر) صرف لڑکے کی؟ لڑکیوں کے متعلق ان کا کیا خیال ہے
عذرا بغیر کچھ جواب دیئے کھڑی ہوگئی ساتھ ہی سیدہ بھی۔ انصار ناہرہ کے کمرے تک انھیں پہنچانے آئے ناہرہ اندر کمرے سے نکلی اور ہاتھ سے سلام کرکے انصار سے پوچھا "بھائی جان آپ کا جی کیسا ہے" انصار نے ناہرہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور ایک لفظ "بھائی جان" سے اس کے دلی خیالات انصار پر واضح ہوگئے۔ اس نے کہا "میری بہن تم فکر نہ کرو میں بالکل اچھا ہوں" یہ کہہ کر انصار اپنے کمرے میں چلے گئے۔
ناہرہ۔ تو خوب باتیں ہوئیں انصار بھائی سے۔ چلو حیران کے دل کی بھڑاس تو نکل گئی۔
عذرا۔ شاید۔
سیدہ۔ آپ نے بھی سنی تھیں سب باتیں۔
ناہرہ۔ ہاں۔
سیدہ۔ کیسے۔
ناہرہ۔ چھپ کر۔
سیدہ۔ اے ہے آپ کو ڈر نہیں لگا۔ میں تو چھپ کر کسی کی بات نہیں سن سکتی۔
عذرا۔ اس میں تو ناہرہ ماہر ہیں۔

ہم مزاج ہو۔ میرے کاموں میں دلچسپی لے سکے۔ میرا ہاتھ بٹا سکے میری دلچسپیوں میں حصّہ لے، میرے خیالات کو سمجھ سکے میرے مقاصد سے ہمدردی رکھے ـــ مجھے صرف میری خاطر ـــ"

سیدہ۔ بڑی کڑی شرطیں ہیں۔

عذرا۔ انصار ماموں شرائط سنانے میں تم نے ذرا دیر کر دی۔ خیر اللہ میاں کو معلوم ہو گیا اب وہ ان صفات کی لڑکی بنانے کی کوشش کرے گا مگر اس کے لئے تمھیں کم سے کم سترہ اٹھارہ برس انتظار کرنا ہو گا۔

انصار۔ میرا تو خیال ہے کہ اللہ میاں اب سے بہت پہلے ان صفات کی ایک لڑکی بنا چکا ہے اب یہ اور بات ہے کہ اس تک میری رسائی ہو سکے گی یا نہیں۔

سیدہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحبہ آپ کی نظر میں ہیں۔

عذرا۔ (جس کی پیشانی عرق آلود ہو چکی تھی) سیدہ اسے ہماو بڑھیں دیر ہو گئی

انصار۔ تم نے میرے تخیل کی داد نہ دی عذرا۔

عذرا۔ کہا تو انتظار کیجئے کہ ان صفات کی خاتوں عالم وجود میں آئیں

انصار۔ اب یہ تمہاری زبردستی ہے

عذرا۔ یہ تو تم نے کتاب تک بنانے کا ارادہ کیا ہے

انصار۔ عذرا میری عقل چکر میں ہے کہ کیا کروں کیا نہ کروں کل تو میں دہلی جا رہا ہوں۔ وہاں سے ریاض بھائی کے ساتھ ہی واپس آؤں گا اور پھر ان کے مشورے سے کچھ طے کروں گا۔

سیدہ۔ آج شام کو آپ ہمارے ہاں آئیے اماں کئی مرتبہ آپ کو پوچھ چکی ہیں ان سے مشورہ کیجئے

پڑھی ہو جواں کے ساتھ ڈریا رٹیوں جلسوں وغیرہ میں جاسکے ا کھلے منہ ہوا کھائے اُن کے دوستوں سے ہاتھ ملائے۔ ساتھ یورپ بھی جاسکے کسی امیر اور خطاب یافتہ باپ کی بیٹی ہو اور ——

ستارہ۔ اور اس کا نام رتے سے شروع ہوتا ہو۔

الصار۔ (کھل کھلا کر ہنس پڑتے ہیں) تو یہ ہے آپ لوگوں کا خیال۔ مگر مجھے دلی رنج و افسوس کے ساتھ اس گناہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں آپ سے متفق نہیں میری بیوی میں ان میں سے ایک بھی بات نہ ہو گی۔

عذرا۔ خیر معلوم ہو گیا تم ہمیں جھکمہ دیتے ہو۔

ستارہ۔ اب تو الصار ماموں آپ کو بتانا ہی پڑے گا۔

الصار۔ اچھا مگر شرط یہ ہے کہ مذاق نہ اڑانا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ نہ بہت زیادہ حسین ہو اور نہ بہت گوری۔

عذرا۔ بلکہ کالی بد شکل اور چیچک رو ہو۔

الصار۔ نہیں بھئی کالی بدشکل اور چیچک رو بھی نہ ہو۔ اچھا ناک نقشہ ہو گندمی رنگ مطلب یہ کہ دلکش شکل ہو اور بس —— لازمی نہیں کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ڈگری یافتہ ہی ہو —— جاہل نہ ہو۔ نہ حد سے زیادہ فیشن ایبل ہو۔ نہ لکیر کی فقیر —— نہ بالکل بے پردہ ہو نہ ایسی کہ گھر سے باہر قدم رکھنا گناہ سمجھے —— نہ کسی خطاب یافتہ باپ کی بیٹی ہو نہ کسی جاہل خاندان کی لڑکی ہو —— نہ ——"

عذرا۔ نہ یہ ہو نہ وہ —— نہ ایسی ہو نہ ویسی —— ایسی کاٹھ کی تو کوئی نہیں ملے گی۔

الصار۔ دلکش اور دل صورت نہ ہو۔ میری ہم خیال، ہم مذاق اور

کر رہے ہیں۔ لیکن میں جائداد کے لالچ میں شادی نہیں کر سکتا۔

عذرا۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے ناحرہ جیسی بے مثل لڑکی کو ناپسند کیا تو پھر کیا تمھارے لئے جنت کی حور یا پرستان کی پری آئے گی؟

انصار۔ جیسی حور پری تو مجھے چاہئے بھی نہیں ناحرہ میری بہن ہے اور اس لحاظ سے مجھے اچھی لگتی ہے لیکن میری بیوی اس سے مختلف ہو گی۔

عذرا۔ تو بتاؤ کیسی ہوں گی وہ تمھارے تخیل کی ملکہ۔

انصار۔ دیکھا تم مذاق اڑانے لگیں اسی لئے تو میں بتاتا نہیں تھا۔

عذرا۔ (منہ لٹکا کر) تو نہ تو نہ! اب یہ بے ادبی نہ ہو گی سمجھئے میں پوری فہمیدہ سنجیدہ بن گئی۔ اب بتاؤ۔

انصار۔ تم تو میرے سر ہو گئیں میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا۔

سیدہ۔ انصار ماموں اب آپ بات ٹال رہے ہیں۔ بتائیے بھی کیسی ہوں گی آپ کی بیوی۔

انصار۔ ابھی یہ نہیں سوچا کہ کیسی ہو گی۔ صرف یہ سوچا ہے کہ کیسی نہیں ہو گی

عذرا۔ بہانے بنانے خوب آتے ہیں۔

سیدہ۔ اچھا یہی بتا دیجئے کہ ہماری ممانی جان کیسی نہیں ہوں گی

انصار۔ اچھا کیا کرو گی پوچھ کر۔

سیدہ۔ کہیں سے انھیں ڈھونڈ کر لائیں گے۔ ہاں پھر بتائیے نا؟

عذرا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ کیسی بیوی چاہتے ہیں۔

انصار۔ (اپنے اشتیاق کو چھپا کر) اچھا تو پھر بتاؤ تاکہ میری مشکل بھی حل ہو جائے۔

عذرا۔ گوری چٹی خوبصورت فیشن ایبل لڑکی جو کم سے کم بی اے تک

سیّدہ۔ انصار ماموں عاق کرنا کیا ہوتا ہے؟

عذرا۔ اسے بے دخل کرنا

انصار۔ ہاں عذرا انھوں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ حالانکہ مجھے پروا نہیں کہ وہ مجھے جائداد سے عاق کر دیں گے۔ بلکہ خدا گواہ ہے مجھے تو خوشی ہو اگر یہ جائداد کا پھندا کسی طرح میری گردن سے نکلے۔ ورنہ شاید ساری عمر اپنی صلاحیتوں کو ابھارنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ ہاں اس کا صدمہ ضرور ہے کہ ماما جنھوں نے مجھے ماں باپ سے زیادہ محبت اور شفقت سے پالا مجھ سے ناراض ہیں اور انھیں میری طرف سے صدمہ پہنچا مگر کیا کروں ان کا حکم ماننا میرے بس میں نہیں۔

عذرا۔ آخر وہ ایسی کیا بات ہے؟

انصار۔ وہ میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔

سیّدہ۔ (خوش ہو کر) شادی کرنا چاہتے ہیں؟ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے آپ نے تو اس طرح کہا جیسے وہ آپ پر کوئی بڑا ظلم توڑنے والے ہوں۔

انصار۔ ناپسندیدگی کی شادی سب سے بڑا ظلم ہے۔

عذرا۔ کس سے کرنا چاہتے ہیں

انصار۔ نہیں بتاؤں گا ورنہ ان کی طرح تم بھی مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی

سیدہ۔ میں سمجھ گئی ناجرہ آپا سے نا؟

انصار۔ یعنی یہ ذرا سی بچی کتنی چالاک ہے

عذرا۔ ناجرہ اور مالیدہ؟ تو کمال ہے!

انصار۔ عذرا تم بھی یہی کہتی ہو۔ ناجرہ میری بہن ہے ... میں پہلے ہمیشہ اسے اپنی حقیقی بہن سمجھتا ہے ماما ابا تو محض جائداد کی محبت میں مجھ پر دوستی

چھوٹی سی غمگسار ــــ تمھیں بتانے میں کیا حرج ہوسکتا ہے۔ پریشانی ساری یہ ہے کہ بابا ابا مجھ سے سخت ناراض ہوگئے ہیں اور یورپ جانے کی اجازت نہیں دیتے۔

عذرا۔ یہ تو کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔ تم اس وقت ان کا کہنا مان لو۔ چند سال بعد جب موقع ملے گا چلے جانا۔

الضار۔ عذرا۔ میں ولایت محض نام و نمود کی خاطر جانا نہیں چاہتا ہوں بلکہ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے جانا ناگزیر ہے یہاں جرنلزم کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ اور اگر میں یہ ارادہ چھوڑ دوں تب بھی بابا ابا کی ناراضگی دور نہ ہوگی۔

عذرا۔ کیوں؟

الضار۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں یا تو آئی سی ایس کروں ورنہ پھر جائداد کا انتظام کروں۔ تمھیں کہو یہ میرے بس کا کام ہے؟

عذرا۔ ان میں سے تو کوئی کام بھی تمھارے بس کا نہیں آخر بابا ابا کو یہ کیا ضد ہے تم اطمینان رکھو۔ بھائی جان انشاء اللہ تعالیٰ جلد آنے والے ہیں وہ ان کو سمجھائیں گے۔

الضار۔ ان کو کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ وہ مجھ سے ہرگز خوش نہ ہوں گے۔

عذرا۔ خواہ مخواہ کا وہم۔ جب تم کامرینڈ میں کام کرنے گئے تھے تب بھی وہ ناراض تھے۔ پھر آخر غصہ دھیما پڑا یا نہیں۔

الضار۔ اس مرتبہ جو بات وہ منوانا چاہتے ہیں وہ ان کے لئے بہت اہم ہے اور میں اس کو کسی طرح نہیں مان سکتا اس لئے وہ مجھ سے صرف ناراض ہی نہیں بلکہ عاق تک کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

عاشق ہو عذرا میں بہت پریشانی میں ہوں۔
عذرا۔ اسی لئے تو کہہ رہی ہوں۔ جب آپ اپنے کو بہت بڑا آدمی نہیں سمجھتے تھے تو اپنی ساری باتیں، اپنی پریشانیاں اور فکریں اپنی دلچسپیاں اور مصروفیتیں، اپنی خواہشیں اور آرزوئیں سب کی سب "اپنی سی سی بھائی" کو اپنی "معمولی سی دوست"، کو اپنی "ضدی اور لڑاکا بہن" کو بتا دیا کرتے تھے۔ ہر بات میں اس سے صلاح مشورہ لیتے تھے۔ اور اب اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ اتنا بڑا عالم فاضل ادیب شاعر اڈیٹر وغیرہ وغیرہ ایسی چھوٹی معمولی، گھٹیا اور جاہل لڑکی سے بات کرے۔
الصار سر جھکائے بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔
سیدہ۔ باجی سچ تو کہتی ہیں پہلے آپ اُن سے گھنٹوں باتیں کرتے تھے لڑتے جھگڑتے بھی تھے، ادبی بحثیں بھی کرتے تھے، چھیڑتے بھی تھے۔ نہ جانے اب آپ اس قدر متین اور سنجیدہ کیوں ہوگئے ہیں۔
الصار۔ تمہاری شکایت سر آنکھوں پر۔ واقعی میں بڑا نالائق ہوں کہ اپنے سچے خیرخواہوں سے دل کی بات نہیں کہتا۔ نہیں کہہ سکتا۔ کیا کروں میری عقل چکر میں ہے۔ کاش اس وقت ریاض بھائی یہاں ہوتے وہ میری مشکل کا حل بتا سکتے تھے۔
یہ کہہ کر الصار نے کرسی کے تکئے سے اپنا سر لگا دیا اور آنکھیں بند کر لیں گویا کسی اندرونی کش مکش پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہوں
عذرا نے الصار پر جھک کر اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھا۔ الصار ماموں کیا مجھے سننے میں کوئی ہرج ہے؟"
الصار نے آنکھیں کھول کر محبت بھری نظروں سے عذرا کو دیکھ کر "میری

انصار۔ رات کچھ سردی کھا گیا اس کی وجہ سے ذرا ادھیف سی حرارت ہے
سیدہ۔ حرارت؟ اچھا خاصا بخار ہے۔
انصار۔ اب تم خواہ مخواہ مجھے پورا بیمار بنا دو تو اس کا کیا علاج۔
عذرا نے انصار کی نبض پر اپنی انگلیاں رکھ کر کہا "نبض حاصی تیز ہے۔ بخار سو کے قریب تو ہوگا"
انصار (مسکرا کر) اوہو تم تو اب پوری ڈاکٹر بنتی جا رہی ہو۔ حرارت کی ڈگری تک بتا دی۔
عذرا۔ اب یا تو تم لیٹ جاؤ ورنہ میں جاتی ہوں۔
انصار اچھا لو میں اس آرام کرسی پر لیٹا جاتا ہوں۔
ذرا دیر خاموشی رہی۔
عذرا۔ انصار ماموں تم ہم سے ناراض کیوں ہو؟
انصار۔ میں ناراض ہوں؟ تم سے؟
سیدہ۔ ہاں ناراض ہیں تبھی تو آپ ہمارے گھر نہیں آتے۔
انصار کے چہرے پر فکر و تردد کے بادل چھا گئے۔ مگر اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے مسکرا کر بولے "بھئی معاف کرنا اس زمانے میں ذرا مصروفیت تھی اس لئے نہ آسکا"
سیدہ۔ اُنہ ایسی بھی کیا مصروفیت۔
عذرا۔ بھئی اب یہ بڑے آدمی ہوگئے ہیں۔
انصار۔ یہ کیا ہے جوڑ تا ہے ملایا ہے آپ نے؟
عذرا۔ بے شک اب آپ اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھنے لگے ہیں۔
انصار۔ دو چار دن آ نہیں سکا اسی پر یہ لے دے ہو رہی ہے؟ تم نہیں

سے ہرگز انکار نہ کرتے۔ چراغ لے کر ڈھونڈیں گے تو ایسی بیوی نہیں ملے گی۔
ناجرہ۔ اچھا اب اس بکواس کو بند کرو۔
عذرا۔ ناجرہ وہ رضیہ کو تو پسند نہیں کرتے؟
ناجرہ۔ میرا تو یہ خیال نہیں۔ اور بھئی ان لڑکوں کے دل کا حال کچھ معلوم بھی نہیں ہو سکتا۔ اچھا تو کل ضرور آؤ گی نا؟
عذرا۔ ہاں دیکھو موقع دیکھ کر اماں سے پوچھ کر آؤں گی۔
اگلے دن دوپہر کو ناجرہ نے پرچہ بھیجا "دادا ابا باہر گئے ہیں ــــ انصار بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ گھر میں لیٹے ہیں اس وقت آجاؤ" عذرا نے ماں سے کہا "اماں انصار ماموں کی طبیعت خراب ہے آپ اجازت دیں تو میں اور سیدہ ان کا بھی پوچھ آئیں" نسیمہ خاتون تسبیح پڑھ رہی تھیں انھوں نے سر کے اشارے سے ہاں کہہ دیا۔ یہ دونوں بہنیں ناجرہ کے ہاں پہنچیں۔ عذرا ناجرہ کے کمرے میں چلی گئی۔ اپنے کمرے کے آگے دالان میں پلنگ بچھا لائی اوڑھے انصار لیٹے ہوئے تھے سیدہ ان کے پاس چلی آئی۔ پانچ منٹ بعد عذرا بھی انصار کے پاس آگئی۔ انصار لیٹے تھے اور سیدہ اصرار کرکے ان کا سر دبا رہی تھی عذرا کو دیکھ کر انصار گڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ "اوہو ــــ عذرا آئی ہیں آئیے آئیے" اور جلدی سے اُٹھ کر آرام کرسی بڑھائی۔ عذرا نے روکتے ہوئے کہا۔ "تو پھر تم اُٹھ کیوں رہے ہو لیٹے رہو میں بیٹھ جاؤں گی"
سیدہ۔ دیکھئے انصار ماموں یہ بات ٹھیک نہیں۔ چھوٹی باجی کے آتے ہی آپ اُٹھ بیٹھے۔
عذرا۔ کیسی طبیعت ہے؟

مجھے بے حد عزیز لیکن انھیں کی طرح میں ایسے ——— میرا
مطلب ہے کہ ———

عذرا۔ (مسکرا کر) ہاں تمھارا مطلب ہے اپنے شریک زندگی میں۔

ہاجرہ۔ (شرما کر جملہ پورا کرتی ہے) اور ہی قسم کے صفات چاہتی ہوں۔

عذرا۔ بھئی آج میں پوچھ کر رہوں گی کہ وہ کیا صفات ہیں۔

ہاجرہ۔ (جھینپ کر) ہٹو بھی

عذرا۔ واہ تمھیں بتانا پڑے گا

ہاجرہ۔ عذرا پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ اس وقت اسی چہل چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ کیا ہوگا۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ دادا ابا انصار بھائی سے ناراض ہو گئے ——— کئی مرتبہ چاہا کہ دادا ابا سے کچھ کہوں مگر بھئی ڈر لگتا ہے۔

عذرا۔ انصار ماموں سے بھی کوئی بات ہوئی۔

ہاجرہ۔ وہ بیچارے ایسے دل گرفتہ ہو رہے ہیں کہ دیکھ کر قلق ہوتا ہے۔ ان سے کئی دفعہ بات کرنے کا ارادہ کیا مگر میں تو اس خیال ہی سے پسینے پسینے ہو جاتی ہوں کہ دادا ابا نے میرے بارے میں ان سے ایسی بُری بات کہی۔

عذرا۔ (ہنس کر) بُری بات کی بھی ایک ہی رہی۔

ہاجرہ۔ تم سے انصار بھائی بے تکلف ہیں ذرا پوچھو تو کہ ان کا کیا ارادہ ہے

عذرا۔ اچھا پوچھوں گی۔

ہاجرہ۔ اور یہ بھی پوچھنا کہ وہ کس لڑکی سے بیاہ کرنا چاہتے ہیں شاید کوئی ایسی لڑکی ہو جسے دادا ابا پسند کر لیں اور ان کا غصہ دور ہو جائے۔

عذرا۔ علاوہ مجھے بتائیں گے! شاید انھیں حیدرآباد میں اپنی ددھیال کی کوئی لڑکی پسند آئی ہو یا بھئی کوئی اور لڑکی ہو۔ ورنہ وہ میری ہاجرہ

ہاجرہ۔ (ہچکچا کر) انھوں نے کہا میرا فیصلہ وہی ہے جو پہلے تھا ہاجرہ میری
بہن ہے اور بہن کی حیثیت سے میں اسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں
مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ دادا اماں رک کر بولے "مگر۔۔۔ مگر کیا؟" انصار بھائی نے آہستہ
سے کہا "میں ایسی زندگی بھر کی شریک جسے ساتھ چاہتا ہوں۔ یعنی میرا مطلب
ہے کہ جیسی لڑکی میں پسند کرتا ہوں وہ اور۔۔۔ اور قسم کی ہوگی"۔ دادا اماں
یہ سن کر بہت بگڑے۔

عذرا۔ ہاجرہ ایمان سے بتاؤ تمھیں اس بات کا افسوس ہوا ہے نا؟

ہاجرہ۔ بالکل نہیں۔

عذرا۔ تمھیں رنج نہیں ہوا کہ انصار نے ناپسند کر دیا غصہ تو آیا ہوگا؟

ہاجرہ۔ نہیں اتنی مجھے غصہ نہیں آیا بلکہ ان سے اور زیادہ محبت ہو گئی حقیقت
یہ ہے کہ خود میں نے ہمیشہ ان کو بڑا بھائی سمجھا اور کبھی بھولے سے میرے دل
میں یہ بات نہیں آئی۔ جس کے خاندان بھر میں صرف ایک بھائی ہو، وہ
کیسے یہ چاہے گی کہ وہ اس سے چھین لیا جائے۔

عذرا۔ اور اگر انصار ماموں راضی ہو جاتے تو؟

ہاجرہ۔ نہیں معلوم اس وقت میں کیا کرتی۔ ممکن ہے دادا اماں سے اپنی
نارضامندی کا اظہار کرتی۔ ممکن ہے راضی برضا ہو کر چپ ہو رہتی
مگر اس سے خوش ہرگز نہ ہوتی۔

عذرا۔ آخر کیوں؟ انصار ماموں جیسی صفات کے لڑکے بہت کم ہوتے ہیں
اتنی خوبیوں کے انسان کو تم اپنا شریک زندگی بنانے سے ناخوش ہوتیں۔

ہاجرہ۔ انصار میرے بھائی ہیں اور جو خیالات ان کے میری طرف سے
ہیں وہی میرے بھی ان کے لئے ہیں یوں وہ میرے بھائی ہیں اور

سمجھدار انسان کیوں اختیار کرنا چاہتا ہے۔
عذرا۔ ہم ہندوستانیوں کا محض جسم نہیں بلکہ روح، ذہن اور دماغ بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ غلامی سے آگے کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ جسے دیکھو آئی سی ایس کا شوق، جسے دیکھو سرکاری نوکری کی اسامی بہت ترقی کی تو سیکرٹری۔ ماماکو وکالت آزاد پیشہ ہے مگر ممبئی میں نے تو یہی سنا ہے کہ ہزاروں میں سے شاید ایک وکیل اپنے ضمیر کے کہنے پر چلتا ہو اور ایماندار رہتا ہو ورنہ سب دولت کمانے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں خواہ کسی طرح کمائی جائے۔
ناجرہ۔ پھر جائداد کی محبت جو پچھتر برس سے ان کے دل میں گھر کر چکی ہے اسے وہ کیسے نکال دیں ان کی تو یہ آرزو ہے کہ خواہ کسی طرح ہو یہ ساری جائداد گھر کی گھر میں رہے اسی لئے انہوں نے یہ تجویز کی تھی مگر انصار بھائی نے صاف انکار کر دیا جس پر دادا ابا سخت ناراض ہیں۔
عذرا۔ یہ اچھی رہی کہ جائداد کی خاطر شادی کر دی جائے
ناجرہ۔ اس گفتگو کے بعد دادا ابا نے انصار بھائی کو ایک دن اور سوچنے کے لئے دیا ــــ وہ سارے دن اپنے کمرے میں پڑے رہے شام کو پھر دادا ابا نے بلایا اور چھوٹتے ہی پوچھا "تم نے کیا طے کیا" انصار بھائی نے سر جھکا کر کہا "ماما ابا مجھے آپ کی حکم عدولی کرتے ہوئے سخت صدمہ ہوتا ہے لیکن کیا کروں آئی سی ایس اور لا میرے لئے دونوں بے معنی ہیں میں صرف ادبی کام ہی کر سکتا ہوں۔ یا تو جرنلزم کروں گا یا پی ایچ ڈی یہی دوسری بات"ــــ اس پر دادا ابا بات کاٹ کر بولے" ہاں اس بارے میں کیا فیصلہ کیا؟"
عذرا۔ (اشتیاق سے) ہاں کیا جواب دیا انصار ماموں نے؟

سترھواں باب

عذرا ہاجرہ کی جھینپی صورت دیکھ کر ہنس پڑی "تو یہ بات ہے اس پر نانا ابا انصار ماموں سے خفا ہیں"۔

ہاجرہ۔ (افسردگی سے) نہ صرف خفا ہیں بلکہ جائداد تک سے بے حق کرنے پر تلے ہیں۔

عذرا۔ اچھا جائداد سے بھی بے حق کر دیں گے؟ یہ تو بہت برا ہوگا۔ پھر انصار ماموں یورپ نہ جا سکیں گے آخر نانا ابا کو اس قدر ضد کیوں ہے نہ جانے بڑھاپے میں ایسی بات منوانے کا کیا خبط ـــــ وہ تو نہ ـــــ شوق ہو جاتا ہے۔

ہاجرہ۔ بھئی ہم تم ان کے نقطۂ نظر کو نہیں سمجھ سکتے وہ پرانے زمانے کے آدمی ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ان کا لڑکا گورنمنٹ میں بڑا عہدہ پائے، عزت کی نظر سے دیکھا جائے یا بیرسٹری میں نام اور دولت کمائے یہ بات کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ اخبار کے کام جیسے "حقیر" پیشے کو ایک پڑھا لکھا

النصار۔ (جس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا) اس لئے کہ اگر میں نے انکار کیا تو آپ کو صدمہ ہو گا۔

حبیب الٰہی۔ مجھے نہیں مجھے کوئی صدمہ نہیں ہو گا۔ جس چیز کو آپ اس قدر حقیر سمجھتے ہیں وہ میں خواہ مخواہ آپ کے گلے مڑھنا نہیں چاہتا۔

النصار۔ (سرکشی سے) بہت خوب ۔۔۔ شکریہ کہ جائداد کا پھندا میرے گلے سے نکل گیا۔ اب میں خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کروں گا ۔۔۔ یہ کہہ کر النصار جانے کے لئے مڑا ۔۔۔ حبیب الٰہی نے شکست کے غصے کو پینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ اور تم اپنے فیصلے پر غور کرو۔ اپنے مستقبل کو خوب سوچ لو۔ کل صبح پھر مجھ سے ملنا اور اپنے فیصلے سے مطلع کرنا۔ اگر تم اپنی ضد پر قائم رہے تو یاد رکھو کہ میرا تمہارا تعلق ہمیشہ کے لئے ختم ۔۔۔"

النصار نے تیوری پر بل ڈال کر سُنا ۔۔۔ اپنی ٹوپی میز سے اُٹھائی اور سرکشی کے انداز سے باہر نکل گیا۔

حبیب الٰہی۔ ایک تو میں اس عمر میں ناحرہ کو اپنے سے جُدا نہیں کرسکتا اور یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی شادی تم سے ہو۔

الصار۔ محض اتنی بات کی خاطر آپ مجھے مجبور کرتے ہیں؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس سے ناحرہ کی شادی ہو اس سے یہ شرط کر لی جائے کہ ناحرہ آپ کے پاس رہے گی۔

حبیب الٰہی۔ جی ہاں جناب کو تو میری پرواہ نہیں۔ کسی غیر کو ضرور اتنا خیال ہوگا کہ اپنی بیوی کو میری خدمت کے لئے چھوڑ دے گا۔

الصار۔ میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں مگر یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے اور مجھے سخت افسوس اور شرمندگی ہے کہ نا دل ناخواستہ مجھے آپ کی عدول حکمی کرنی پڑ رہی ہے۔

حبیب الٰہی۔ (سمجھاتے ہوئے) بیٹے تم نے اس پر بھی غور کیا کہ ناحرہ کی شادی کسی دوسری جگہ ہوئی تو جائداد کا آدھا حصہ دوسرے خاندان میں چلا جائے گا اور آبائی جائداد ٹکڑے ٹکڑے ہو کر برباد ہو جائے گی۔ میری آرزو یہ ہے کہ اس کا مالک تمہارے سوا اور کوئی نہ ہو۔

الصار۔ (ناگواری سے) میں جائداد کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ میں اپنی محنت کی سوکھی روٹی زیادہ خوشی سے کھاؤں گا۔ بہ نسبت اس کے کہ بیوی کی جائداد پر گل چھرّے اُڑاؤں۔ محض جائداد کے لالچ سے کسی لڑکی سے شادی کرنا میں بہت دلی ـــــ اور ـــــ بُری بات سمجھتا ہوں۔

حبیب الٰہی۔ (برہم ہو کر) جناب جب تک مُفت کا روپیہ ملتا ہے اُسی وقت تک یہ لن ترانیاں ہیں۔ اگر جائداد اس قدر ذلیل اور غیر ضروری چیز ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس سے فائدہ کیوں اٹھاتے ہیں۔

انصار۔ لیکن میں نے اُسے ہمیشہ حقیقی بہن ہی سمجھا ہے۔ میرے کوئی بہن بھائی نہ تھا اور ناحرہ سے مجھے وہی محبت اور تعلق ہے جو سگے بھائی کو ہوتا ہے میں اس سے شادی کرنے کا تو خیال بھی نہیں کر سکتا۔

حبیب الہٰی۔ (غصہ سے) یعنی یہ کہ تم میری حکم عدولی کرو گے۔

انصار۔ (معصومی سے) اس معاملے میں مجبوراً کرنی پڑے گی۔

حبیب الہٰی۔ (ضبط کر کے سمجھاتے ہوئے) انصار تم اس وقت خواہ مخواہ ضد کر رہے ہو آخر ناحرہ میں کیا عیب ہے جس کی وجہ سے تم اسے ناپسند کرتے ہو تمھاری پھوپی کی بیٹی ہے۔ بچپن سے تم دونوں ساتھ پلے بڑھے ہو۔ صورت سیرت دونوں اچھی۔ پڑھی لکھی اور اتنی بڑی جائداد کی مالک۔

انصار۔ یہ سب آپ نے درست فرمایا مگر میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ میں ناحرہ کو اپنی بہن سمجھتا ہوں۔

حبیب الہٰی۔ (بھڑک کر) تم روز بروز خود رائے، سرکش اور بدتمیز ہوتے جاتے ہو۔۔۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک دن خود میرا لڑکا میرے حکم کے خلاف کریگا اور مجھے احمق اور جاہل کہے گا۔

انصار۔ (بے ساختہ) ابا ابا آپ کیا فرما رہے ہیں میں نے کوئی گستاخی آپ کی شان میں نہیں کی۔

حبیب الہٰی۔ تمھاری باتوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ میں علم میں تم سے بڑا نہ سہی لیکن عمر اور تجربہ میں تم سے بہت زیادہ ہوں۔ تمھارے بھلے بُرے کو تم سے ہزار درجہ بہتر سمجھ سکتا ہوں۔

انصار خاموش بیٹھے رہے۔

کام موجود ہے تمھیں دوسرے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
الصار۔ (حیرت سے) بھلا نانا ابا میں جائداد وغیرہ کا کیا انتظام کر سکتا ہوں مجھے تو اس کا ذرا سا بھی تجربہ یا معلومات نہیں۔ دوسرے ——
حبیب الٰہی۔ تجربہ کام کرنے ہی سے ہوتا ہے بہرحال میرا یہ فیصلہ۔ بلکہ حکم ہے کہ شادی کے فوراً بعد ساری جائیداد کا انتظام تمھارے ہاتھ میں آجائے گا اور تم اس کا ـ
الصار۔ (تعجب سے) شادی۔ کس کی شادی؟
حبیب الٰہی تمھاری اور ناہرہ کی اور کس کی۔
الصار۔ لیکن میرا تو ابھی اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں۔
حبیب الٰہی۔ مگر میرا تو ہے ـ میں چاہتا ہوں کہ دسمبر کی چھٹیوں میں تم دونوں کی شادی سے فراغت ہو جائے۔
الصار۔ لیکن نانا ابا آخر آپ کس سے ہم دونوں کی شادی کر رہے ہیں؟
حبیب الٰہی (متعجب ہو کر) میں تمھیں ایسا کوڑھ مغز نہیں سمجھتا کہ تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے ظاہر ہے کہ تم دونوں کی شادی ایک دوسرے سے ہو گی۔
الصار۔ (حیران پریشاں ہو کر) یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے تو کبھی آپ کا خیال ایسا نہ تھا۔
حبیب الٰہی۔ میرا ہمیشہ سے یہی قصد تھا۔ تم سے کہنے کی کیا ضرورت تھی
الصار۔ (دبی زباں سے) ضرورت کیوں نہیں تھی اور ناہرہ —— ناہرہ تو میری بہن ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔
حبیب الٰہی۔ حماقت کی باتیں نہ کرو وہ تمھاری حقیقی بہن نہیں ہے۔

اس سے بہتر ہے کہ تم گھر پر رہو۔

الصار۔ بابا ابا آپ اخبار کے کام سے اتنے بدظن کیوں ہیں؟

حبیب الٰہی۔ اس لئے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ اس سے نہ مالی فائدہ ہوتا ہے نہ کوئی خاص پوزیشن حاصل ہوتی ہے اور پھر اخبار والوں کو ہمیشہ حکومت کی طرف سے خطرہ رہتا ہے یا تو ضمیر فروشی کریں اور پبلک کی مخالفت اور طعن و اعتراض سنیں ورنہ ان کے سر پر ہر وقت ننگی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ ضمانت، جیل، بدنامی، اخبار کی معطلی کا ڈر لگا رہتا ہے اور قسم قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے

الصار میں ان سب خطرات کو برداشت کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

حبیب الٰہی۔ (ناراضگی سے) لیکن میں ابھی کے لئے تیار نہیں کہ میرا لڑکا یہ کام کرے میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔

الصار۔ لیکن بابا ابا آپ نہ تو سوچئے ــــــ؟

حبیب الٰہی میں نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ میں تمھیں اس کام کے لئے یورپ جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ بس ــ بار بار کیوں کہتے ہو۔ میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ یوں تمھارا جی چاہے دو چار مہینے کے لئے جاکر سیر کر آؤ۔ ویسے بھی اب میں بوڑھا ہوا زیادہ مدت تک تمھیں اپنے سے الگ نہیں رکھ سکتا خدا جانے کس وقت پیام اجل آجائے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں تم دونوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں اور تمھیں شاد و آباد دیکھ لوں ــ جائداد کی نگرانی بھی اب میرے بس کی نہیں رہی اب تم یہ سب کام انتظام اپنے ہاتھ میں لو تمھارا خود گھر کا

انصار۔ اچھا جیسا تم کہو۔ ہم تو ہر حال میں تم سے متفق ہیں۔
عذرا۔ او ہو آج تو بڑے صلح کل بنے ہوئے ہیں۔

حبیب الٰہی صاحب اپنے کمرے میں پلنگ پر نیم دراز حقہ پی رہے ہیں اور انصار ادب سے سامنے کرسی پر بیٹھے ہیں۔
حبیب الٰہی۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔
انصار۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے یورپ جانے کی اجازت
حبیب الٰہی۔ کس لئے؟
انصار۔ جی تعلیم کے لئے اور کس لئے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ سہاگہ کرنے کے لئے چلے جاؤ مگر جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا اس طرف میرا رجحان بالکل نہیں میری وکالت کبھی نہیں چل سکتی اور
حبیب الٰہی۔ رات کاٹ کر، تو پھر کیا گھاس کھودنے کے لئے یورپ جاؤ گے۔
انصار۔ (سو کھے منہ سے) جی نہیں اس کے علاوہ اور کام بھی ہو سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ "جرنلزم" کی باقاعدہ تعلیم حاصل کر لوں اور وہاں سے آ کر اخبار کا کام شروع کروں۔ یہی کام میرے مذاق کے مطابق ہے اور اسی میں مجھے پوری طرح کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔
حبیب الٰہی۔ انصار میں پہلے بھی تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ یہ اخبار وخبار کا خبط چھوڑ دو اور کوئی ڈھنگ کا کام شروع کر دو۔ اس میں رہ دیں کا کھلا
سود او … ہو دو تو یہ کھ ۳ ہم بیرسٹری کرتے یا آئی سی ایس کے
میں اس کے لئے مجبور نہیں کرتا،
جانے کی اجازت نہ دوں گا

"حریلم م" کی باقاعدہ ڈگری لے لوں۔
عذرا یہ تو بڑا اچھا خیال ہے پھر وہاں سے آکر اپنا اخبار نکال لینا۔
الصار ارادہ تو یہی ہے ہاں یہ تو کہو تمھاری ادبی دلچسپیوں کا کیا حال ہے؟
عذرا۔ (مسکرا کر) میری بچاری کی کیا ادبی سرگرمیاں۔ اب تو تم ماشاءاللہ خوب لکھنے لگے ہو خصوصاً نظمیں اور غزلیں بڑی اچھی ہوتی ہیں۔
الصار۔ (چہرہ خوشی سے چمکنے لگا) کیا واقعی تمھیں میری شاعری پسند ہے؟ پھر تو میری محنت ٹھکانے لگی
عذرا۔ بھلا میری پسند کی کیا حقیقت ہے تمھاری نظم و نثر کی تو بڑے بڑے ادیب اور شاعر تعریف کرتے ہیں۔
الصار۔ اور کسی کی تعریف سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی تمھاری تعریف اور پسند سے۔
عذرا۔ بی سیدہ نے کئی نظمیں کہہ کر رکھی ہیں کہ الصار ماموں آئیں گے تو اصلاح لوں گی۔
الصار۔ اوہو بی سیدہ تو اب پوری شاعرہ بنتی جا رہی ہیں
عذرا۔ آخر شاگرد کس کی ہے؟
الصار۔ (مسکرا کر) شاگرد ہونے سے تو تم بھی انکار نہیں کر سکتیں
عذرا۔ واہ میں کیوں ہوتی تمھاری شاگرد۔ میں نے کس دن تم سے اصلاح لی تھی۔
الصار۔ یہ منہ در منہ جھوٹ؟ نہیں لیتی تھیں اصلاح
عذرا۔ (ہنس کر) نہیں۔
الصار۔ اچھا بھئی تم میری استاد ہو اور میں تمھارا شاگرد اب تو ٹھیک ہے؟
عذرا۔ یہ بھی غلط ہے ـــ

اور بے تکلفی سے ہنس ہنس کر انصار سے باتیں کر رہی تھی۔ یہ سُن کر
اس کی آنکھیں جُھک گئیں، گالوں پر سرخی کی لہر دوڑ گئی اور کوئی لفظ
اس کے مُنہ سے نہ نکل سکا انصار کے ایک جملے نے اس کا لڑکپن ختم
کر دیا۔ حیا سے وہ آنکھیں نہ اُٹھا سکی انصار نے عذرا کو اتنی جلدی
ستوح دستر پر چھوکری سے جوان ہوتے دیکھا اور حیرت زدہ ہو گیا ——
وہ کچھ دیر محبت بھری نظروں سے عذرا کی یہ کیفیت دیکھتا رہا لیکن پھر اسے
ڈر ہوا کہ عذرا ناراض تو نہیں ہو گئی پاس آ کر بولا "عذرا کیا خفا ہو گئیں؟
میں نے ایسی کوئی بات تو نہیں کہی۔ اچھا تم بدصورت اور ہیبت ناک
معلوم ہوتی ہو۔ اب تو خوش ہو گئیں؟"
عذرا مُسکرائی مگر نظریں ابھی تک زمین کی طرف جھکی ہوئی تھیں انصار
نے پوچھا "کس کا خط ہے" عذرا سب کچھ بھول گئی اور خوش ہو کر بولی ۔
"بھائی جان کا خط ہے۔ اگلے مہینے انشاء اللہ یہ آ جائیں گے۔ لو پڑھو" انصار نے
خط پڑھ کر کہا "مبارک ہو —— ساڑھے پانچ برس ریاض بھائی نے لگا دیئے
—— اور اب شاید اُن کے آتے ہی میں چلا جاؤں۔ دل بھر کر ملنا بھی
نہ ہو سکے گا"
عذرا۔ تم کب جاؤ گے؟
انصار۔ ابھی طے تو نہیں ہوا مگر ارادہ ہے کہ دو مہینے میں چلا جاؤں
آج کل میں بابا اماں سے ذکر کر کے اجازت لے لوں گا مگر مجھے ڈر لگتا ہے
وہ میرے کامرڈیل میں کام کرنے ہی سے ناخوش ہیں۔
عذرا۔ تمہیں کتنے دن ہوئے وہاں کام کرتے؟
انصار۔ سات آٹھ مہینے تو ہو گئے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ انگلستان جا کر

قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی نظر عدرا پر پڑی اور وہیں ٹھٹک کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ وہ عرصے بعد آج آئے تھے اور تقریباً سال بھر بعد عدرا کو دیکھا تھا لیکن اس وقت وہ انھیں شباب کی دل کش دیوی اور حسین ساحرہ معلوم ہوئی کتنی دیر کھڑے محویت کے ساتھ وہ عدرا کو دیکھتے رہے لیکن وہ بے خبر بیٹھی تھی ذرا دیر بعد اس نے انگڑائی لی اور پیچھے جانے کے لئے اُٹھی تو اس کی نظر انصار پر پڑی۔ خوشی اور حیرت سے اس کے منھ سے چیخ نکل گئی۔ "ارے تم کب آئے؟ اور یہاں چوروں کی طرح کیا کھڑے ہو۔ آؤ نا" یہ کہتے کہتے اس نے عادت کے مطابق ڈھنگ سے دوپٹہ اوڑھا اور اپنے بکھرے بالوں کو چھپا کر کھڑکی کے پاس آگئی۔

انصار ایسے گھبرائے کہ کچھ دیر بول ہی نہ سکے آخر جھینپی ہنسی ہنس کر بولے "میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی آیا تھا۔ ادھر آیا تو میں نے سوچا دیکھوں کھڑکی کھلی ہو تو تمھارے ہاں آجاؤں کھڑکی کھولی تو تم سامنے نظر آئیں۔ سوچ رہا تھا کہ بے اجازت ادھر قدم رکھوں یا نہ رکھوں کہ تم نے دیکھ کر ڈانٹ دیا" عدرا ہنس پڑی "کیا اب تم کچھ اور ہو گئے ہو کہ اجازت کی ضرورت تھی؟" انصار کرسی پر بیٹھ گئے اور مسکرا کر بولے "اب تم بڑی ہو گئی ہو نا اس لئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ڈانٹ نہ دو، ٹوک نہ دو، خفا نہ ہو جاؤ" عدرا کھلکھلا کر ہنس پڑی "انصار بھائی تم بھی ہمیشہ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہو۔ کیا میں ایک دم اتنی بڑی اور ہیبت ناک ہو گئی ہوں کہ سب مجھ سے خوف کھانے لگیں"؟ انصار نے عدرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "واقعی اب تم بہت مل گئی ہو۔ ہیبت ناک تو نہیں۔ مگر۔ مگر۔ دراصل۔ اس قدر دل کش ہو گئی ہو کہ بس تو اس وقت رُعبِ حُسن سے کانپ گیا" عدرا اب تک بچپن کی سادگی

سولھواں باب

عذرا نہا کر اوپر کوٹھے پر آئی اور دھوپ میں بال سکھانے لگی اس کے
لمبے سیاہ گھونگر والے بال کمر سمیٹے اور چہرے پر بکھرے تھے صندلی پیشانی پر
دو تین گھونگر بل کھا رہے تھے، دھوپ کی حدت سے چہرہ سُرخ تھا ریاض کا
خط جو آج ہی آیا تھا اور جس میں انھوں نے روانگی کی اطلاع دی تھی، اس کے
ہاتھ میں تھا، سیاہ چمک دار آنکھیں کچھ سہمی ہوئی تھیں اور کسی سوچ میں
ماتھے پر پتلے پتلے تین بل پڑے تھے۔ عذرا کو انیسواں سال شروع ہو چکا تھا
اور وہ شباب کی دل فریب منزل سے گذر رہی تھی چھریرا جسم قدرے
بھرا بھرا نظر آتا تھا۔ چمپئی رنگ میں ہلکی سی دلآویز سُرخی جھلکتی تھی،
ہونٹوں پر تبسم کی لہر کھیل رہی تھی۔
چھت کی کھڑکی کھلی اور انصار نے کواڑ کھول کر ادھر آنے کے لئے

مرضی نہیں تھی مگر ماں کی مرضی دیکھی تو حیب ہو رہی۔ مسز نعیم نے بڑے دھوم دھام سے پوتے کا عقیقہ کیا اور نسیمہ نے چھوچھک دیا۔
دو مہینے بعد نسیم پھر آئے اور ساس سے کہا کہ مجھے تنہائی میں بہت تکلیف ہے فرح کو بھیج دیجئے۔ بچہ ابھی چھوٹا تھا اور نسیمہ کو خیال تھا کہ فرح ابھی اس قابل نہیں کہ پوری طرح بچے کو سنبھال سکے مگر داماد کے کہنے سے مجبور ہو گئیں۔ عذرا اور سیّدہ کو بھانجے کی جُدائی بہت شاق گذری۔ اں کا جیتا جاگتا کھلونا ان سے چھن گیا نسیمہ کو بھی نواسے سے بہت محبت تھی اس کے جانے سے اں کو بھی قلق ہوا۔ فرح اور نسیم کے جانے کے بعد نسیمہ کے گھر کی چہل پہل پھر کم ہو گئی اب ریاض کے آنے کے دن قریب آ رہے تھے۔ نسیمہ اور عذرا اُں کے آنے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

شادی کی چھٹیوں میں اصغر علی گڑھ سے آیا تو سدرہ کے لئے کئی کتابیں اور نمائش سے چیزیں خرید کر لایا تھا سدرہ نے بھی اس کے لئے رومال اور میز پوش سا کر رکھے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے تحفے ایک دوسرے کو دیئے اور پھر ایک مرتبہ دونوں بچے خوش و خرم رہنے لگے۔

قرض کی ادائگی سے سود کی رقم بچی تو نسیمہ کو خرچ کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا دواؤں کے استعمال سے صحت پر بھی بہت اثر پڑا سدرہ اور عذرا کو بھی یہ دیکھ کر اطمینان ہوا سدرہ دل لگا کر اپنی پڑھائی اور عذرا لکھنے پڑھنے میں مشغول رہنے لگی۔

فرح کے بچہ ہونے والا تھا۔ نسیمہ چاہتی تھیں کہ چلّہ ان کے ہاں ہو اور مسز نعیم کی خواہش تھی کہ بہو ان کے پاس آ جائے فرح نے میاں کو لکھا کہ میں اماں کے پاس رہنا چاہتی ہوں خدا جانے زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ میری ماں بہیں پاس ہوں گی تو مجھے تقویت رہے گی۔ نسیم نے اپنی ماں کو سمجھا دیا اور یہاں آنے کے چار مہینے بعد فرح کے لڑکا پیدا ہوا۔ بچہ بالکل ماں کی صورت اور بہت پیارا تھا۔ دونوں خالائیں اور نانا نانی تو دم بھر کے لئے بچے کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں۔ تینوں کو ایک کھلونا ہاتھ آگیا تھا۔ اس سے پہلے انھوں نے گھر میں اتنا چھوٹا بچہ دیکھا ہی نہیں تھا اس لئے اور بھی جان اٹک گئی تھی۔

نسیم کو اطلاع ملی تو دوڑے آئے۔ بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اصرار کر کے ایک ٹرینڈ عیسائی آیا اس کے لئے نوکر رکھی فرح کی

فرح (بہ جانے کیا سمجھ کر) تمھاری جان آفت میں آنے والی ہے ؟
عذرا ہاں سُنا ہے کہ اب خالہ جان بھائی جان سے وکیہ کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے لڑکے کا پیام رد کرکے اماں کو کیا کچھ سُننا نہیں پڑا۔ اب تو اور بھی ناراض ہوں گی
فرخ مجھے تو یقین نہیں کہ بھائی جان راضی ہوں
عذرا۔ اماں ہی کب پسند کرتی ہیں۔ کہتی ہیں میری ایک تو بہن ہے سمدھیانے کا رشتہ ہو کر لڑائی جھگڑے ضرور ہوتے رہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بہن مجھ سے چھُٹ جائے۔
رات کو فرح نے ماں سے روپے کا ذکر کیا۔ نسیمہ کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھیں لیکن فرح عذرا دونوں نے سمجھا بجھا کر رو دھو کر کسی نہ کسی طرح ماں کو رضامند کر لیا۔ اگلے دن فرح نے بیٹے کو بُلا کر اس کا قرض ادا کر کے رسید لے لی۔ بزار کو بُلا کر ماں بہنوں کے لئے کپڑا خریدا اور اس سے کہہ دیا کہ قسط وار روپیہ ادا کر دیا جائے گا پھر دونوں بہنوں نے چچا کو خط لکھا کہ اماں کی صحت ٹھیک نہیں وہ اگلے ہفتے ہی آگئے اور ڈاکٹر کو دکھا کر نسیمہ کے لئے دوائیں تجویز کرا کے چلے گئے۔
فرح سے ملنے اکثر اس کی ساس نندیں آتی رہتی تھیں۔ کبھی فرح سُسرال چلی جاتی یاسمین بھی اب علی گڑھ میں داخل ہو گئی تھی رضیہ اس بی۔ اے میں پڑھ رہی تھی۔ چھٹیوں میں رضیہ اور یاسمین آئیں تو نسیمہ کے ہاں بھی آئیں اور حسب عادت رضیہ عذرا سے حسد چھپا نہ سکی۔ اب دونوں کا ہر وقت کا ساتھ تھا نہ مقابلہ۔ اس لئے یہ جاسوسی کی کوئی وجہ نہ رہی تھی۔ رضیہ اب اپنی برتری کے احساس سے مطمئن تھی۔

عذرا۔ جمیل بھائی نے کسی نہ کسی طرح اس سال بی اے کرلیا ہے نا۔ اب نوکری کی تلاش میں ہیں۔ خالہ جان کی مرضی تھی کہ دکھیہ سے ان کا بیاہ کردیں مگر وہ راضی نہیں ہوئے (مسکراکر) بہت ناراض ہیں کہ مجھے غریب سمجھ کر ٹھکرا دیا اور فرح کی شادی دوسری جگہ کردی اب میں کبھی بیاہ ہی نہیں کروں گا۔

فرح۔ (شرماکر) توبہ توبہ۔ کیسے عجیب آدمی ہیں۔ "ان" کے کان تک اگر یہ بات پہنچ گئی تو مجھے کیسی شرم آئے گی۔

عذرا۔ دولہا بھائی سے کون کہے گا بھلا۔ اور اگر سُن لیں تو سُن لیں اس میں تمہارا کیا قصور۔

فرح۔ دکھیہ کیسی ہے؟ تم نے لکھا تھا کہ کچھ بیمار ہے۔ خالہ جان کی سختیاں بدستور ہیں؟

عذرا۔ جب سے اُس نے سُنا تھا کہ جمیل بھائی سے شادی ہوگی، بیچاری کو اختلاج کے شدید دورے پڑتے رہتے تھے۔ میں اکثر جاتی اور اُسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر وہ تو ہسٹیریا میں مبتلا ہوچکی تھی بیچاری سمجھتی تھی کہ اب ساری زندگی انھیں کے پیچھے میں جکڑا رہنا پڑے گا پھر جمیل بھائی کی باتوں کو بھلا کون لڑکی برداشت کرسکتی ہے؟ خالہ جان تعویذ گنڈوں اور آسیب کے چکر میں پڑی رہیں یہ سمجھیں کہ سب سے بڑا آسیب اُن کے صاحبزادے ہیں۔ جب سے جمیل بھائی نے شادی سے انکار کیا ہے تو اس کی طبیعت کچھ سنبھلی ہے کل جاکر تم بھی مل آنا۔

فرح۔ ہاں جاؤں گی۔ میرا جی خود اس سے ملنے کو چاہ رہا ہے۔

عذرا۔ مجھے یہ خوف ہے کہ اب ہماری جان آفت میں آنے والی ہے۔

اور صحت کی حالت دیکھ کر پریشانی ہوتی ہے ۔ بھائی جان کے آئے ہیں انھی کئی مہینے ہیں ۔ خدا نہ کرے اس عرصے میں اماں کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو کیا ہوگا۔

فرخ ۔ آج میں اماں سے کہوں گی قرض ادا ہو گیا تو ایک فکر تو کم ہو گی ۔ ہاں عذرا یہ سیدہ کیوں اس قدر چپ چپ اور اداس رہتی ہے یہ تو اچھی بچی ہے اسے تو ابھی گھر کی فکروں کا احساس نہیں ہونا چاہئے ۔

عذرا ۔ باجی تم اس کا مزاج تو جانتی ہو ۔ چھوٹی سی ہے تو کیا ہوا ہے تو ذی حس ۔ ہر ہر بات کو محسوس کرتی ہے اور ہر فکر اپنے اوپر اوڑھ لیتی ہے دوسرے اصغر کی جدائی کا بھی اسے بہت صدمہ ہے دونوں بچپن سے ہمیشہ ساتھ رہے تھے اس لئے اکیلی گھبراتی ہے ۔ گھنی ایسی ہے کہ منہ سے ایک لفظ نہیں کہتی ۔

فرخ ۔ ہاں یہ تو ہے اپنے ساتھ کا کھیلنے والا ہمجولی دور چلا جائے تو بہت اثر ہوتا ہے ۔ ناخرہ کب آئے گی ؟ تم تو اس کے جانے سے بہت تنہائی محسوس کرتی رہی ہو گی ۔

عذرا ۔ کچھ نہ پوچھو باجی کیسی بے کیف زندگی گزر رہی ہے تم تو مرے سے اپنے دولہا کے ساتھ چلی گئیں ، صغرا حیدر آباد جا پڑیں اصغر علی گڑھ سدھار گیا ۔ چچا میاں بھی کئی مہینے سے نہیں آسکے بھائی جان تو آنے کا نام ہی نہیں لیتے ۔ اسکول میں اور عزیزوں کے ہاں آنا جانا چھوڑ کر خواہ مخواہ سب پر گھر کا جال کھلے گا ۔ لے دے کے بس ایک خالہ جان اور کیہ رہ گئیں وہ خود اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہیں

فرخ ۔ کیوں کیا ہوا ؟

فرخ۔ کیا اس سال بھی تم سب کا کپڑا نہیں سا؟
عذرا۔ (ٹال کر) خیر کپڑے ویپڑے کا کیا ہے پہلے کا بہتر موجود ہے۔
فرخ۔ میری شادی ہو گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب میں بالکل غیر ہو گئی ہوں کیا میں اس گھر کی بیٹی نہیں جو سب مجھ سے یوں غیریت برتنے لگے ہیں میں اندھی ہوں مجھے نظر تھوڑا ہی آتا ہے کہ گھر کی کیا حالت ہے؟
عذرا۔ تم خواہ مخواہ ناراض ہونے لگیں۔
فرخ۔ میں کیا بتاؤں مجھے یہ سب دیکھ کر کتنا دکھ ہوا۔ ایسی حالت تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اماں کے اور تم دونوں میں سے کسی کے پاس بھی ضرورت کے کپڑے نہیں۔ جوتے تک پرانے ہو گئے۔ کھانا کبھی کا ہے کو ایسا روکھا سوکھا کھایا جاتا تھا۔ سیدہ نے اسکول سے نام کٹا لیا تم ہو کہ لکھنا پڑھنا سب چھوڑ دیا ہے۔ ہر وقت پریشان اور افسردہ رہتی ہو۔
عذرا۔ نہیں تو میں تو کوئی افسردہ نہیں رہتی۔
فرخ۔ تم یہ سب مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔ آخر یہ میری شادی کی وجہ ہی سے تو ہوا۔ بے چاری اماں کو اتنا قرض لے کر خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ لوگ کیا ہماری حالت سے واقف نہیں تھے؟ صرف کوئی ایک جوڑا اور کوئی چھوٹا موٹا زیور دے دیتیں۔ خواہ مخواہ اپنے پہ قرض کا اتنا بار کر لیا۔
عذرا۔ خیر نہیں اماں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اور مجھے اس کا تو ذرا سا بھی خیال نہیں کہ کپڑے نہیں ہے، جوتے نہیں آئے خرچ کے لئے روپے نہیں ملتے۔ یہ سب معمولی باتیں ہیں مگر اماں کی پریشانی

تھا اب پانچ سو روپیہ معراکے بیاہ پر سودی نکلوایا۔ اس سب کا بہت سا سود جاتا ہے۔ سیّدہ نے بھی یہ دیکھ کر اسکول سے نام کٹالیا میں اماں کو بہت سمجھاتی ہوں کہ زیور بیچ کر قرض ادا کر دیں مگر وہ مانتی نہیں۔

فرخ۔ زیور تو اماں نہیں بیچیں گی اور چاہیئے بھی نہیں وہ تمھارا اور سیّدہ کا ہے۔ مگر ایک اور ترکیب ہے۔

عذرا۔ کیا؟

فرخ۔ میرے پاس کچھ روپیہ ہے وہ لے کر قرض ادا کر دیا جائے جب اماں کے پاس ہوگا وہ مجھے واپس دے دیں گی

عذرا۔ اماں کہیں گی کہ لو بھلا بیٹی کا روپیہ کیسے لوں۔

فرخ۔ بیٹی کے روپے میں کیا چھوت لگی ہوتی ہے یہ عجب تماشا ہے کہ بیٹے سے روپیہ لینا جائز اور بیٹی قرض بھی دے تو گناہ۔

عذرا۔ رواج ہی جو ہوا۔ اصل میں یہ خیال ہوتا ہے ناکہ وہ داماد کا مال ہے۔

فرخ۔ داماد بھی تو بیٹے کے برابر ہوتا ہے۔ اور پھر جب انھوں نے روپیہ مجھے دے دیا تو وہ میرا ہے جو چاہے کروں۔ عذرا۔ میری بہن تم بھی میرا ساتھ دینا اور اماں کو راضی کرنا۔

عذرا۔ اللہ کرے اماں مان جائیں ان کی پریشانی دیکھ دیکھ کر میرا دم خشک ہوا جاتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں چچا جان کو کئی مرتبہ لکھنے کا ارادہ کیا مگر پھر شرم آئی۔ یہ خیال بھی تھا کہ اماں کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوں گی۔

حالی بہنوں کو دیکھا کہ کپڑے کافی موجود نہیں کیونکہ تقریباً دو سال سے نئے کپڑے نہیں بنے تھے۔ یہ دیکھ کر فرح کو بہت صدمہ ہوا۔ اُسے اپنے لباس اور زیور اور عیش و آرام کی زندگی پر شرم آنے لگی۔ میری بہنیں یوں تکلیف اُٹھائیں اور میں مزے سے عیش کروں؟ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ ایک دن عذرا سے پوچھ بیٹھی "عذرا ایک بات پوچھوں سچ سچ بتانا"

عذرا۔ اور کیا میں تم سے جھوٹ بولوں گی؟

فرح۔ میں نے اس مرتبہ اماں کو بہت کمزور پایا۔ آخر کیا بات ہے؟

عذرا۔ باجی ایک تو بھائی جان کی جُدائی ان کے لئے کیا کم تکلیف دہ ہے پھر تم بھی دور چلی گئیں اور اتنے عرصے بعد آئیں بمار پڑتے ہیں ایسا ایسا روتی ہیں کہ مجھ سے تو دیکھا نہیں جاتا اُمید بندھی تھی کہ بھائی جان اب جیل سے آئے ہوں گے مگر انھوں نے اور دس مہینے رہنے کا فیصلہ کر لیا تب سے اور بھی رنجیدہ رہتی ہیں۔

فرح علاج دوا بھی کچھ نہیں ہو رہا ہے دودھ تک نہیں پیتیں طاقت کی دوا بھی نہیں استعمال کر رہی ہیں کیا چچا جان نہیں آئے؟

عذرا کوئی دو مہینے ہوئے چچا جان آئے تھے اور دوائیں بھی لائے تھے جس سے وہ ختم ہوئیں اماں نے اور نہیں منگائیں میں نے بہت کہا مگر خرچ کی تنگی کی وجہ سے وہ راضی نہیں ہوئیں۔

فرح۔ معلوم ہوتا ہے کہ صغرا کی شادی میں اماں نے بہت خرچ کیا۔ کیا اور قرض لیا تھا؟

عذرا۔ اور کیا۔ کوئی ہزار روپے تو تمھاری شادی میں قرض ہو گیا

دبی کیس کی معصوم اور بے لوث محبت تھی اُس کی محبت ایسی پاکیزہ اور معصوم تھی کہ جمیلہ خاتون تک کو کبھی اعتراض کرنے کی ہمت نہیں پڑی اس سال اصغر علی گڑھ میں الف اے میں داخل ہوگیا اور بچاری سیّدہ اکیلی رہ گئی۔

خرچ کی تنگی دیکھ کر سیّدہ نے خود کہہ کر اسکول سے نام کٹالیا اور عذرا سے پڑھ کر پرائیویٹ آٹھویں کے امتحان کی تیاری کرنے لگی۔

ناجرہ کی ایک رشتہ کی خالہ دہلی آئی ہوئی تھیں، اُنھوں نے اُسے اصرار کرکے اپنے ہاں بلالیا تھا اور انصار حیدرآباد ایم اے میں پڑھ رہے تھے۔

سیّدہ محسوس کررہی تھی کہ چھوٹی باجی ناجرہ آپا کے جانے سے افسردہ ہیں اور عذرا سمجھ رہی تھی کہ اصغر کی جدائی کا اثر سیّدہ پر بہت ہے۔ اگرچہ وہ منھ سے کچھ نہیں کہتی۔ لیکن اصغر کا خط آتا ہے تو اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل جاتا ہے۔ لیکن عذرا بہن کے دل کی حالت جانتے ہوئے بھی کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔

نسیمہ اور عذرا کے کئی خطوں اور سخت اصرار کے بعد پورے آٹھ مہینے میں نسیم فرخ کو لے کر آئے۔ نسیم تو دو دن رہ کر واپس چلے گئے اور فرخ یہاں رہ گئی۔ فرخ نے دیکھا کہ ماں بہت کمزور ہوگئی ہیں اور دوا اور دودھ وغیرہ کا استعمال بھی نہیں کررہی ہیں۔ اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ گھر کی مالی حالت بہت ابتر ہے۔ جب تک نسیم رہے اچھا کھانا پکتا رہا ان کے جانے کے بعد کبھی ایک سالن پک جاتا کبھی صرف کھچڑیا اور کبھی محض دال۔ صبح کو چائے پہ باسی روٹی کھائی

سب باتوں کا اثر براہِ راست نسیمہ کی صحت پر پڑ رہا تھا۔ وہ روز بروز
کمزور اور مضمحل ہوتی جاتی تھیں۔ عذرا اور سیدہ ماں کی حالت دیکھ
دیکھ کر کڑھتیں اور اپنے مقدور بھر اُن کی تسلی کرتیں اور اُن کی
فکروں کو کم کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

عذرا اور سیدہ میں باوجود پانچ سال کی چھوٹائی بڑائی کے
بہت دوستی اور بڑی محبت تھی۔ عذرا کا مزاج سخت تھا۔ کسی بات پر
ناراض ہو کر اکثر سیدہ کو ڈانٹ دیتی، برا بھلا کہتی، روٹھ جاتی لیکن
سیدہ کا مزاج ایسا ٹھنڈا اور "چھوٹی باجی" سے اس قدر محبت اور عقیدت
تھی کہ وہ کبھی اُلٹ کر اسے جواب نہ دیتی، اسے گھر کے کام اور دوسروں
کی خدمت کا شوق تھا جب سے بڑی ہوئی تھی نسیمہ کا سب کام
زیادہ تر وہی کرتی۔ عذرا کا کام بھی بڑے شوق سے کرنے کو تیار رہتی
تھی مگر عذرا کو کسی سے اپنا کام لینا پسند نہیں تھا اس لیے شروع
سے یہ اصول بنا لیا تھا کہ اپنا ذاتی کام سب اپنے ہاتھ سے کروں گی
بیچاری سیدہ اس آرزو میں رہا کرتی کہ چھوٹی باجی اپنا کوئی کام اُسے
کرنے دیں۔ وہ اکثر عذرا سے چھپ کر اس کے کپڑے سی دیا کرتی تھی۔
اور اس کی سلائی ایسی اچھی تھی کہ خود عذرا کو بھی وہ پسند آتے۔

اصغر اور سیدہ میں بچپن سے بہت محبت تھی۔ ماں کے انتقال
کے بعد جب اصغر نسیمہ کے پاس آیا اس وقت سیدہ پانچ اور اصغر آٹھ
سال کا تھا تبھی سے دونوں میں بے حد دوستی اور انسیت ہو گئی تھی
ہر وقت ساتھ کھیلتے، ساتھ کھاتے ساتھ رہتے سہتے تھے۔ اب سیدہ
تیرہ چودہ اور اصغر سولہ برس کا ہو گیا تھا اور اب تک دونوں میں

دے دی اور ریاض انگلستان میں سینے کے امراض کے متعلق ریسرچ کرنے لگے۔
فرح کے میاں نسیم ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلی گئی تھی صغرا کی چھ مہینے ہوئے حیدر آباد میں شادی کر دی گئی تھی صغرا کی شادی میں نسیمہ نے بہت محنت کی اور فرح سے بھی زیادہ اچھا جہیز دیا انھیں فکر تھی کہ ایسا نہ ہو کہ کسی بات میں کسر رہ جائے اور بے ماں کی بچی دل میں یہ خیال آئے کہ میری ماں نہ مرہ ہوتی تو یہ کرتی وہ کرتی۔ محمد احسان نے بہت کہا کہ جو اس کی ماں کا زیور کپڑا ہے وہ دے کاؤ اور جو ہو گا میں بعد دیدوں گا مگر نسیمہ حالتوں سے نہ مانا مکمل جہیز تیار کیا اور اس کی جگہ نہ چھوڑی کہ کوئی اعتراض کرے یا انگلی رکھ سکے اپنی طرف سے دو بھاری جوڑے اور تھوم صغرا کو دیا۔ ہزار سے زائد فرح کی شادی میں قرض ہو گئے تھے اب پانچ سو روپیہ صغرا کے بیاہ پر سودی نکلوایا۔ احسان ہمیشہ ان کے اڑے بھڑے وقت پر کام آنے والے اور ان کے چھوٹے کھائی تھے۔ ان کا دل کیسے گوارا کرتا کہ ان کی بچی کی شادی میں یونہی رائے نام کچھ دے دلا دیں دراصل ان کا دل ضرورت سے زیادہ کھلا ہوا تھا لیں دیں کے وقت انھیں اپنی مشکلات اور عسرت کا خیال نہیں رہتا تھا سودی قرض لینے سے آمدنی کا خاصہ بڑا حصہ سود میں جانے لگا جائداد کی آمدنی یوں بھی کم ہو گئی تھی۔ آج کل بڑی تنگی سے گذر ہو رہی تھی محمد احسان کو انھوں نے قرض کی خبر نہ ہونے دی ورنہ وہ ناراض ہوتے نسیمہ اس سوچ میں تھیں کہ ریاض آئیں ایسا کام شروع کریں تو قرض کی ادائگی کی کوئی سبیل ہو لیکن اب اور ان کے آنے کا وقت بڑھ گیا تھا ریاض کی جدائی، قرض کی فکر، فرح کی دوری، خرچ کی تنگی ان

پندرھواں باب

ریاض نے جرمنی سے ڈاکٹری کی ڈگری لے لی۔ ان کے دوستوں اور اُستادوں کا اصرار تھا کہ وہ انگلینڈ سے بھی ڈگری لے لیں صرف دس مہینے میں مل جائے گی۔ ماں کی محبت اور ان کی بے قراری کا تصور ریاض کو بے چین کر رہا تھا اور ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ یہ بات انھیں لکھیں مگر ان کے دوستوں نے محمد احسان کو لکھا تو ان کو بھی یہ رائے پسند آئی، اور انھوں نے بھاوج سے اور دس مہینے کی اجازت دلوا دی۔ بیچاری ماں ایک ایک دن گن گن کر کاٹ رہی تھیں اب جو لو دس مہینے کی اور جدائی کا ذکر سنا تو پہلے بہت ناراض ہوئیں اور صاف انکار کر دیا مگر پھر سوچ سمجھ کر دیور سے کہا اچھا بھائی جہاں اتنے دن گزارے یہ اور سہی مردے پر جہاں سو من مٹی وہاں سوا سو من اور دل پر پتھر رکھ کر اجازت

حسب الحکم اچھے اچھے مصنفوں اور شاعروں کی کتابیں پڑھتی رہتی ہوں۔ انصار ماموں جب آتے ہیں اپنے کالج کی لائبریری سے کتابیں لا دیتے ہیں۔ کچھ یہاں لڑکوں کے اسکول کی لائبریری سے مل جاتی ہیں

اماں آپ کو بہت بہت دعائیں دیتی اور پیار کہتی ہیں مصروفیت کی وجہ سے خط نہیں لکھا اگلے ہفتے لکھیں گی۔ ماحی اور دولہا بھائی کو خط لکھ رہے ہیں۔ باجرہ آداب کہتی ہے میں نے بہت کہا کہ آخر تم بھائی جان کو خط کیوں نہیں لکھتیں مگر اس کا صرف ایک ہی جواب ہے مجھے اچھا خط لکھنا نہیں آتا بھائی جان دیکھ کر مذاق اُڑائیں گے۔

اب تو ہر شخص آپ کو پوچھتا رہتا ہے کہ کب آئیں گے بڑی بی آپ کو دعا لکھوا رہی ہیں۔ ان بھائی جان وہ اپنی آنکھوں کی روشنی اس امید پر بڑی تیزی سے کھو رہی ہیں کہ "اللہ رکھو رباح میاں آکر میری آنکھیں اچھی کر دیں گے"

آپ کو ہر دم یاد کرنے والی آپ کی پیاری بہن
عــذرا

شکر ہے کہ میری اماں ایسی نہیں ورنہ میں تو پاگل ہو جاتی۔
انصار ماموں نے بی اے کے بعد ایم اے میں داخلہ لے لیا ہے حسیب ماما کی مرضی نہیں تھی وہ چاہتے تھے کہ پہلے انصار ایل ایل بی کریں پھر یورپ "لا" کی تعلیم کے لئے جائیں۔ مگر اب انصار ماموں وہ نہیں رہے کہ جب چاہیں ماما کان پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرالیں انھوں نے کہا یا تو مجھے ابھی یورپ بھیجئے ورنہ ایم اے کروں گا حیر بڑے قصے جھگڑوں کے بعد یہ طے ہوا کہ وہ ایم اے کرلیں پھر سوچا جائے گا ماما اماں سمجھتے ہیں کہ وہ ایم اے کے بعد بیرسٹری کے لئے یورپ جائیں گے اور انصار کہتے ہیں کہ یا تو پی ایچ ڈی کروں گا یا اخبار کا کام سیکھنے جاؤں گا۔ اب وہ اپنے کو کافی بڑا آدمی سمجھنے لگے ہیں آخر ایم اے کے طالب علم ہیں، ادیب ہیں شاعر ہیں۔ بعض وقت بڑا فلسفہ بگھارتے ہیں۔ بس ناحرہ ٹھیک ساتی ہے انھوں نے دوں کی لی اور اس نے بات کاٹی۔
آپ خط پڑھتے پڑھتے اکتا گئے ہوں گے مگر آپ ہی نے تو کہا تھا کہ سب باتیں مفصل لکھنا۔ بس ایک بات اور میں نے ایک انعامی مقابلے کے لئے مضمون لکھا تھا آج ہفتہ بھر ہوا مجھے دوسرا انعام ملا ہے سد روپے اس سے میں نے منشی پریم چند کی نادر تصانیف منگائی ہیں۔ بہت دن سے ان کے لئے ترسنا رہی تھی مگر اماں بچاری کو خرچ کی دقت رہتی ہے اس لئے ان سے نہیں کہا تھا میں آپ سے

دن ہوگا جب آپ حج سے واپس آکر ہم سے ملیں گے ۔
سیدہ اچھی ہے اگرچہ اس کی کمزوری اور دوائیں بدستور ہے اب وہ ساتویں جماعت میں پڑھتی ہے گھر کا سارا کام کرتی ہے۔ سینے پرونے پکانے اور گھرداری کے کاموں سے بڑی دلچسپی ہے مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ذراسی عمر میں کیسے اتنی اچھی طرح یہ سب کام کرلیتی ہے میرا تو آج تک ان میں جی نہیں لگتا۔ ہاں بھائی جان بی سیدہ شاعرہ بھی تو بن گئی ہیں۔ انصار ماموں ان کے استاد ہیں ماجی کی شادی پر انصار ماموں اور سیدہ دونوں نے سہرے لکھے تھے آپ کو نقل بھیج رہی ہوں ۔
اصغر اس سال نویں میں آگیا ہے آپ نے دیکھی تھا۔ صغرا کی نسبت حیدرآباد والے چچا کے بڑے لڑکے سے آرہی ہے چچا جان نے لڑکے کو دیکھنے کے لئے بلایا ہے شاید آگیا تو سال چھ مہینے میں بی صغرا بھی بیاہ دی جائیں گی خدا رحم کرے !!
ناجرہ دسویں میں سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گئی ہے ماما ابا پریشان ہیں کہ لڑکی بغیر کسی عزیز عورت کے گھر میں اکیلی رہتی ہے انصار ماموں نے بہت زور دیا کہ علی گڑھ گرلز کالج میں داخل کردیں مگر وہ نہیں مانے ناجرہ بڑی جاہو تی ہو کہتی ہے جب میں بچپن سے اکیلی رہتی ہوں تو اب کیا ہو گیا اب تو سمجھدار ہوں اپنا نیک بد سمجھتی ہوں اور جب تو بالکل ناسمجھ بچی تھی آخر بڑھاپے میں لوگ اس قدر شکی اور وہمی کیوں ہو جاتے ہیں

باجی یوں گئیں صغرا بھی جانے والی ہے۔ اور راجہ جی کا کیا اعتبار کروں۔ اور میں ان سب کے غم میں گھل گھل کر نیم جاں ہو جاؤں، اس کی کسی کو پروا نہیں یہ آخر ماں باپ لڑکیوں کو کیوں گھر سے نکال دیتے ہیں؟

لیجئے وہ باجی اپنی سسرال سے تشریف لے آئیں آہا آج تو ہماری ساڑی ریت تن ہے ساس سد کا اثر پڑنا ہی چاہئے اللہ کرے خالہ جان آجائیں پھر آئے وہ دولہا بھائی بھی آگئے، اماں پکار رہی ہیں اب جاتی ہوں باقی خط آ کر لکھوں گی۔

۱۷ نومبر کل دولہا بھائی کی خاطر مدارات اور باجی سے لڑنے جھگڑنے سے فرصت ہی نہیں ملی کہ خط پورا کرتی ہاں بھائی جان میری دعا قبول ہو گئی خالہ جان نے باجی کو خوب برا بھلا کہا ابھی سے یہ حال ہے تو آگے کیا کرو گی؟ باجی بہت روئیں اور فوراً ساڑی اُتار کر دوسرے کپڑے بدل لئے۔

اماں نے شادی میں بہت محنت کی اس لئے کمزور ہو گئی ہیں ان کی صحت ٹھیک نہیں رہتی کوئی نہ کوئی شکایت چلی جاتی ہے میں زبردستی دودھ اور دوا کا استعمال کراتی ہوں اب تو ان سے آپ کی جدائی برداشت نہیں ہوتی نماز پڑھ کر دعا مانگتے ہوئے ایسی بے قراری سے روتی ہیں کہ کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ بھائی جان اب تو جلدی سے آجائیے مجھے اماں کی طرف سے بڑا فکر رہتا ہے پہلے دونوں بہنیں آپس میں باتیں کر کے دل ہلکا کر لیتے تھے اب میں اکیلی فکر کرنے کو رہ گئی دیکھیں وہ کون سا

لگ رہی تھی اگرچہ عورتیں تو کہہ رہی تھیں کہ فرح کے منہ
پر بہت بہت کھلتی ہے ۱۱ میرا بڑا جی چاہتا تھا کہ ذرا بس
سی ماجی کی تصویر کھچوا کر آپ کو بھیجوں اصغر ماموں کیمرہ
تک لے آئے مگر خالہ جان کے ڈر سے اماں نے اجازت
نہیں دی۔ خالہ جان کے ذکر پہ یاد آیا کہ وہ بہت ناراض
ہیں کہ ہمیں غریب سمجھ کر ٹھکرا دیا اور امیروں میں کر دیا۔
شادی میں شریک تو ہوئیں مگر خفا خفا رہیں اور جمیل بھائی
تو شریک بھی نہیں ہوئے۔ باجی کی شادی سے جانو
میں بھی ہوں نہ جانے آپ سب کو اتنی جلدی کیا تھی
پھر شادی بھی کی تو خاں بہادر کے ہاں۔ مجھے بڑا رنج تھا
کہ ایسے گھر میں باجی کی شادی ہو رہی ہے مگر جب باجی ان
سے بہت خوش ہیں، آپ، اماں اور چچا جان خوش ہیں
اور پسند کرتے ہیں تو میں بیچاری کس گنتی میں ہوں؟ ویسے
اتنا اندازہ میں نے بھی لگایا کہ دولہا بھائی (اماں کا حکم
ہے کہ نسیم کو دولہا بھائی کہو) خاصے اچھے آدمی ہیں۔
اچھے نہ ہوتے تو آپ کیوں پسند کرتے؟ حسن جو ہونا تھا ہو گیا
مگر آپ سب نے مل کر میری باجی کو مجھ سے چھین لیا! اماں
کہتی ہے لڑکیں اس لئے فرح کی شادی کا رنج ہے
کہ اس گھر میں کوئی لڑکے کو نہیں رہا۔ سب تو ٹھیک ہے مگر
آخر لڑائی بھی اسی سے ہوتی ہے جس سے محبت اور
بے تکلفی ہو کوئی اجنبیوں اور غیروں سے لڑنے نہیں جاتا۔

(زیوروں کے نام لکھنے سے کیا فائدہ آپ سمجھیں گے ہی نہیں)
ہاں ایک پلنگ، پیڑھی اور لکھنے کی میز کرسی بھی تھی۔
خالہ جان نے دو جوڑے اور ٹیکا دیا (ماتھے پر لگاتے ہیں مگر
سچ بھائی جان بڑا اُدھار پور رہے) چچا جان نے نقد روپے
دیئے۔ نہ جانے کتنے بصرانے بیچی جان کی چیزوں میں سے
ایک جوڑا نکال کر دیا۔ محمدی بیچی نے ایک جوڑا اور کچھ روپے
دیئے۔ ناظرہ نے ایک خوبصورت سنگاردان، انصار ماموں نے
نوٹس بین اور بین نے پانچ کتابیں دیں سیدہ نے سلائی کی
صندوقچی مرگا کر تحفہ میں دی۔ ناجی کی سہیلیوں اور استانیوں
نے بھی چھوٹے چھوٹے تحفے دیئے آپ نے ناجی اور ان کے
دولھا کی جو گھڑیاں بھیجی تھیں وہ سب نے بہت پسند کیں
ناجی تو اسے ہر وقت پہنے رہتی ہیں اور ایسی اتراتی ہیں
جیسے دوسروں کو چڑا رہی ہوں۔ اماں نے دو جوڑے
دولھا کے سلائے تھے۔ ایک سونے کی انگوٹھی اور ۵ روپے
سلامی میں دیئے۔
ناجی کی بری بڑے ٹھاٹ کی آئی بہت بھاری بھاری
گیارہ جوڑے جن میں کئی ساڑیاں تھیں اور جڑاؤ زیور کا
پورا سیٹ۔ ہمارے ہاں تو زیادہ مہمان نہ تھے اور سادگی
سے شادی ہوئی مگر جان سہاند کے ہاں بہت دھوم دھڑکا
ہوا بھائی جان ناجی دلھن بنی ایسی پیاری لگتی تھیں کہ
کیا بتاؤں۔ مگر ان کی ناک کی نکیل (نتھ) مجھے بہت بری

اماں کو اور خود باجی کو بہت قلق تھا۔ باجی دن میں دو چار مرتبہ آپ کو یاد کرکے اور ابا کا ذکر کرکے خود بھی روتیں اور ہمیں بھی رُلاتی تھیں۔ ایک تو میں یوں ہی اُن کی جُدائی کے خیال سے رنجیدہ تھی۔ اوپر سے انھوں نے رُلا رُلا کر مار ڈالا اس خود تو مرے سے خوش و خرم ہیں ہمیں خواہ مخواہ اداس کر دیا

پوچھئے میں کیا کا کیا لکھنے لگی ابھی تو باجی کی شادی کا ذکر سنانا ہے ــــ نسیم بھائی کے ولایت سے آتے ہی مسز نعیم نے دھوم دھام سے منگنی کی رسم کر دی اور نومبر کے شروع میں شادی کی تاریخ مقرر ہوئی۔ اماں پہلے ہی سے تیاری کر رہی تھیں اب انھوں نے خالہ جان اور چچی محمدی وغیرہ کی رائے سے اور جہیز یں خریدیں۔ چچا جان نے تاکید کر دی تھی کہ جہیز میں فضول اور بے کار سامان نہ دیا جائے اور نہ دھوم دھڑکا کیا جائے جو جان بہادر کے ہاں بھی کہلوا دیا تھا۔

اماں نے باجی کے میں جوڑے پانچ سوتی اور پندرہ ریشمی گرمی سردی کے بستر، پلنگ کی چادریں، تکیوں کے غلاف، میز پوش، خوان پوش، رومال، موزے، میاں کے بنڈ شوے، تکیے دانیاں، اَلّا بلّا، غرض اس قسم کی بہت سی چیزیں بنائی تھیں چھپتر برتن تانبے کے اور بکس پیٹی کے۔ ایک چائے کا سیٹ۔ زیور میں دو جہیز یں گلے کی، دو کانوں کی، دو ہاتھوں کی۔ کف گریبان کے بٹن تین انگوٹھی چھلّے اور تین چار زیور چاندی کے پاؤں میں پہننے کے لئے۔

چودھواں باب

۱۶ نومبر ۳۲ء

اکبر پور -

میرے پیارے بھائی جان، آداب، اشتیاق دید، قدم بوسی - پرسوں آپ کا خط اور اس سے پہلے پارسل اور تار ملا - آپ کی خیریت معلوم کر کے ہم سب کو بہت خوشی اور اطمینان ہوا خصوصاً اماں کو خاص زمانے میں آپ کے نہ ہونے کو بہت محسوس کر رہی تھیں آپ کو تار سے باجی کی شادی کی اطلاع تو دے دی گئی تھی اب آپ کے حسب الحکم تفصیل سے ان کی شادی کا حال لکھتی ہوں -

سب سے پہلی بات تو یہ سنیئے کہ آپ کے موجود رہنے کا

سب سے بدگماں رہتی ہو۔ ریاض بھائی اور احسان ماموں سے زیادہ دور اندیش اور آدمی کو پہچاننے والا کون ہوگا۔ یہ آئیں سب سے زیادہ بڑی بوڑھی دادی اماں سن کر نکتہ چینی کرنے والی۔

اتنے میں فرح اندر داخل ہوئی۔ وہ آج کل کسی سوچ میں غرق اور اداس رہتی تھی۔ عذرا نے بہن کو دیکھا تو دونوں بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں "میری باجی تم مجھ سے چھوٹ جاؤ گی"۔ فرح نے یہ سنتے ہی عذرا کے کندھے میں منہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے روتا دیکھ کر عذرا اور ہاجرہ بھی رونے لگیں۔ انصار یہ محلس دیکھ کر پریشان ہو گیا "ارے بھئی یہ کیا ہے؟ آخر یہ تماشا کیا ہے، بھلا رونے کی کوئی بات تھی؟" لیکن کسی نے اس کی بات نہ سنی "یہ عورت بھی خدا نے عجیب مخلوق بنائی ہے۔ خوشی میں، رنج میں آرام میں، تکلیف میں ہر حالت میں رونا ___ رونا ___ اچھا لو تم محلس کئے جاؤ میں تو جا رہا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔ مرد کسی بات سے اس قدر نہیں گھبراتا جتنا عورت کے آنسوؤں سے۔

سُرخ ہیں کیا ہوا ہاجرہ کیا تم لڑ پڑیں۔ بھئی ابھی عذرا اس قابل نہیں ہوئی کہ اس سے لڑا جائے۔

ہاجرہ۔ میں تمہاری طرح لڑاکا نہیں کہ ہر وقت لڑتی رہوں۔ عذرا تو اس غم میں رو رہی ہیں کہ باجی کی شادی ہو جائے گی اور میں یونہی رہ جاؤں گی۔

انصار۔ ارے تمہیں اتنا رشک اور جلدی کیا ہے۔

عذرا۔ (جھنجھلا کر) تم دونوں بدتمیز ہو ۔ جاؤ مجھ سے بات نہ کرو۔

انصار۔ تم روز بروز خود بدتمیز ہوتی جاتی ہو۔ کوئی بڑوں سے اس طرح بات کرتا ہے۔

ہاجرہ۔ بھئی اس وقت اسے نہ چھیڑو۔ وہ سچ مچ رو دے گی۔

انصار۔ آخر کوئی وجہ بھی۔

عذرا۔ کچھ نہیں۔

انصار۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

عذرا۔ میری باجی بچاری مجھ سے چھُٹ جائیں گی اس کا صدمہ کیا کم ہے اور پھر انصار ماموں نہ جانے نسیم کیسے آدمی ہوں۔ مجھے تو ڈر ہے کہ جیسے باپ ہیں ویسے ہی بیٹے بھی ہوں گے۔

انصار۔ نہیں نسیم بہت خوبیوں کے آدمی ہیں۔ اپنے باپ سے بہت مختلف ہیں۔ ان کی طبیعت ماں سے ملتی جلتی ہے بہت شریف کم سخن، ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں۔ خرچ کی ابتدا ان کی طرف سے ہو گی۔ بیوی کے فرماں بردار غلام بن کر رہیں گے۔

ہاجرہ۔ اب اتنا مبالغہ بھی نہ کرو۔

انصار۔ نہیں سچ کہتا ہوں مجھے نسیم بہت پسند ہیں۔ عذرا تم بلاوجہ

تو فرح ماحی پر ــــ عا ــــ شق تھے ــــ
عذرا۔ ناجرہ تم بڑی بے شرم ہو گئی ہو۔ خدا کے لئے ایسی بات منھ سے
نکالو اماں نے سن لیا تو مار ڈالیں گی۔
ناجرہ۔ جی! اور یہ بھی پتہ ہے کہ یہ نسبت کیوں ہوئی۔
عذرا۔ کیوں؟
ناجرہ۔ کسی سے کہنا نہیں کان لاؤ تو چپکے سے سناؤں گی۔ آپا کو خبر
ہو گئی تو غضب ہو جائے گا۔
عذرا۔ (ہکا بکا ہوکر) وہ ایسی کیا بات ہے؟
ناجرہ۔ یہ تو تمھیں پتہ ہے کہ رضیہ اور فرح ماحی کی ہمیشہ سے دوستی ہے
انھوں نے اپنے بھائی کے سامنے فرح ماحی کی بڑی تعریفیں کیں
ان کی اماں نے بھی کہا کہ یہ لڑکی مجھے پسند ہے مگر وہ چپ رہے۔
ولایت میں یہ ہوا کہ کہیں ریاض بھائی کے پاس انھوں نے فرح
ماحی کی تصویر دیکھ لی وہ ماشاء اللہ سے خوبصورت تو ہیں ہی۔ انھیں
بھی پسند آئیں اور وہاں ریاض بھائی سے کہا، یہاں اپنی اماں کو لکھا
اور اس طرح ــــ نسبت ہو گئی۔
عذرا منھ پھلا کر چپ ہو رہی۔
ناجرہ۔ تم احمق ہو۔ ماحی کی شادی ہو گی خوب چہل پہل رہے گی
فرح ماحی دلھن بن کر کیسی پیاری لگیں گی۔
عذرا۔ ہائے میری ماحی مجھ سے چھوٹ جائیں گی اور جائیں گی بھی جان بہادر
کے گھر کے ہاں مجھے کوئی بھی اچھا نہیں لگتا۔
انصار نے کمرے میں آکر کہا۔ کیوں کیوں۔ یہ عذرا کی آنکھیں کیوں

اور پھر خالہ جان کا مزاج کون بھر سکتا ہے۔
ناحرہ۔ اے بچاری آپا جان پریشان کہ کیا کریں کیا نہ کریں مگر جب جان بہادر اور ان کی بیوی نے احسان چچا کا اطمینان کر دیا تو انھوں نے بھی مشورہ دیا کہ نسیم کا پیام منظور کر لو اور جمیل بھائی کے پیام پر تو بہت ناراض ہوئے کہ اس نے ابھی بی اے بھی نہیں کیا نہ نوکر نہ چاکر اسے کون اپنی لڑکی دے گا۔
عذرا۔ میری ماجی کے پیام دینے کو یہی دو نوں لڑکے رہ گئے تھے؟ آخر اماں کو ایسی جلدی کیا ہے۔
ناحرہ۔ آپا بہت پریشان تھیں کہ کیا کریں انھوں نے دادا ابا سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ نسیم سے نسبت کر دو اور جمیل کو ٹال دو۔
عذرا۔ اب میں سمجھی کہ کیوں روز روز جمیل بھائی آتے اور اماں کے کام کرتے رہتے ہیں۔
ناحرہ۔ جمیلہ آپا کو جب پتہ چلا کہ نسیم سے منظوری دے دی گئی تو بہت ہی ناراض ہوئیں روئیں دھوئیں اور بچارے جمیل بھائی تو سا بے جان دینے پر آمادہ تھے خیر آپا نے کسی نہ کسی طرح جمیلہ آپا کو منا لیا اور کہا لڑکا ابھی نوکر چاکر نہیں اس لئے احسان ناراض ہیں خیر دیکھا جائے گا فرح کا ہو جائے دو ابھی تو اور لڑکیاں ہیں۔
عذرا۔ کیا؟ کیا؟ اس سے کیا مطلب؟
ناحرہ۔ (ہنس کر) مطلب یہ کہ فرح سے نہ سہی عذرا سے ہو جائے گا۔
عذرا: (ناحرہ کے تھپڑ مار کر) چپ رہو بدتمیز۔
ناحرہ۔ واہ میرا اس میں کیا قصور ہے تو جو ہوا وہ سنا رہی ہوں خیر تم پریشان نہ ہو تمہیں تو خود جمیل بھائی پسند نہیں کرتے وہ بجائے

انھوں نے کسی کو نہیں دکھایا تھا اس میں انھوں نے نسیم صاحب کو لکھا تھا کہ وہ بہت اچھے اور قابل آدمی ہیں اور ان کا ارادہ فرح کو پیام دینے کا ہے آپ اس رشتے پر غور کیجئے۔

عذرا۔ نسیم ۔۔؟ ہاں بہادر کے لڑکے ؟ بھلا ان کا اور باجی کا کیا جوڑ ۔۔ وہ فیشن ایبل، بے پردہ آزاد خیال بیوی چاہتے ہوں گے۔ اور پھر وہ امیر ہم غریب ۔۔۔ بھائی جان نے بھی کمال کیا۔

ہاجرہ۔ احسان چچا نے بھی تقریباً یہی باتیں کہی تھیں جو ابھی تم نے کہیں اور کہا ہم ایسی جگہ ایسی لڑکی دینا نہیں چاہتے جہاں اس کو کم حیثیت سمجھا جائے یا خلاف طبیعت ایسے خیالات اور معاشرت بدلنے پر مجبور کیا جائے، لیکن مسز نسیم بار بار آئیں اور سب شکوک مٹانے کی کوشش کی۔ وہ کہتی ہیں کہ نسیم کو فیشن ایبل آزاد خیال بیوی پسند نہیں ۔۔ اور نہ وہ پردے کے معاملے میں جبر کرے گا۔ رہی امیری غریبی اس کا سوال نہیں ۔۔۔ فرح ہزاروں میں ایک لڑکی ہے وہ ہمارے ہاں آجائے تو ہمارے نصیب جاگ اٹھیں گے۔

عذرا۔ بڑی آئیں بچاری۔ وہ کون ہوتی ہیں میری باجی کو مانگنے والی مجھے یہ سب ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

ہاجرہ۔ تم تو احمق ہو۔ خیر یہ قصہ تو تھا ہی اس کے ساتھ یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ جمیلہ آپا کو معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئیں اور دعوے کرنے لگیں کہ فرح تو میری ٹھیکری کی مانگ ہے۔ ہرگز اور کہیں بیاہ ہو نہیں سکتا میں اپنا خون کر ڈالوں گی۔

عذرا۔ ہائے جمیل بھائی !! وہ تو بہت برے ہیں بدمزاج پڑھے لکھے

بخار اتر گیا۔ لیکن الصار کی تاکید اور ڈاکٹر کی ہدایت کی وجہ سے بستر پر ہی بیٹھی رہتی۔ ناحرہ، الصار، فرح، صغرا، وکیہ سب اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتے رہتے الصار انگریزی کے قصے سناتے طرح طرح کے کھیل لوڈو، ڈرافٹ، تاش وغیرہ کھیلتے۔ کبھی سیدہ الصار کی غزلیں اور نظمیں سناتی اور کبھی اپنی چھوٹی چھوٹی نظمیں جنھیں الصار نے اصلاح دے کر ٹھیک کر دیا تھا۔

عذرا نے دیکھا کہ آج کل سر نعیم کا آنا جانا بہت بڑھا ہوا ہے، اور حمیلہ خاتون بھی بار بار گھنٹوں ان سے باتیں کیا کرتی ہیں حمیل بھی دوڑ دوڑ کر آتا ہے محمد احسان آئے تو وہ بھی چپکے چپکے ناحرہ سے بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے مگر عذرا کا دماغ اس قدر کمزور ہو رہا تھا کہ وہ دیر تک کسی بات کو نہ سوچ سکتی تھی اور نہ اس سے کوئی نتیجہ نکال سکتی تھی۔

ناحرہ۔ عذرا میں نے پتہ چلالیا کہ آپا جان کیوں فکر مند اور فرح پریشان ہیں اور کس لئے سر نعیم دوڑ دوڑ کر آتی ہیں اور حمیلہ آپا کیوں ناراض ہیں۔

عذرا۔ تو پھر بتاؤ نا کیا بات ہے مجھے تو وحشت ہونے لگی۔

ناحرہ۔ (ہنس کر) گھبراؤ نہیں تمھاری بات نہیں ہے۔

عذرا۔ (حیران ہو کر) میری بات کیا ہوتی؟ بتاتی کیوں نہیں ہو۔

ناحرہ۔ فرح باجی کی منگنی کی بات چیت ہو رہی ہے۔

عذرا۔ (بے چین ہو کر) باجی کی منگنی ۔۔۔ کس سے؟

ناحرہ۔ آخر بدحواسی کیا ہے اطمینان سے سنو تو سناؤں۔

عذرا۔ سناؤ بھی تو۔

ناحرہ۔ وہ حواس دن ریاض بھائی کا خط آپا جان کے نام آیا تھا جو

وقت پر دوائیں، دودھ اور عرق وغیرہ پلانا ڈاکٹر کو لانا دکھانا سب ان کے ذمہ تھا۔
اٹھارھواں دن تھا بخار دو دن سے کچھ کم تھا مگر عذرا کی وہی حالت تھی۔ کسی کو پہچانتی نہ منھ سے کچھ بولتی۔ انصار دوا یا دودھ پلانے کے لئے لاتے تو بہت پکارنے پر صرف منھ کھول دیتی تھی آج ڈاکٹر نے دوسرا انجکشن دیا تھا۔ نسیمہ خاتون باہر تھیں فرح بھی باہر رہی تھی۔ عذرا کے پاس صرف سیدہ اور انصار تھے۔ سیدہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں ماتھے پر رکھ رہی تھی انصار نے گلاس میں دوا انڈیلی اور عذرا کے پاس جاکر کہا "عذرا۔ عذرا لو دوا پی لو" عذرا نے خلافِ معمول آنکھیں کھول دیں اور انصار کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ انصار نے گلاس اس کے ہونٹوں سے لگادیا عذرا نے دوا پی لی اور آہستہ سے کہا "کون انصار ماموں؟ تم کب آئے؟" سیدہ خوشی سے اچھل پڑی "انصار ماموں انصار ماموں — باجی بول پڑیں — انھوں نے آپ کو پہچان لیا" انصار نے لبوں پر انگلی رکھ کر سیدہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ عذرا نے پھر آہستہ سے کہا "تم ولایت کب جا رہے ہو — بھائی جان وہاں انتظار کر رہے ہیں — اور انصار ماموں تم بھائی جان کے خط کا جواب کیوں نہیں دیتے —" انصار مبہوت کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عذرا بخار میں بہک رہی ہے یا سمجھ کر باتیں کر رہی ہے نسیمہ اور فرح بھی لپکی ہوئی اندر آئیں۔ عذرا نے انھیں دیکھا "اماں؟ باجی؟ آپ کہاں تھیں — مجھے کیا ہوا تھا؟" نسیمہ خاتون نے اختیار سجدے میں جھک گئیں اور فرح بہن کے پاس بیٹھ کر اس کا سر محبت سے سہلانے لگی۔
اس دن سے عذرا کی طبیعت سنبھلنی شروع ہوگئی اکیسویں دن

بخار ستایا اور بہت پرہیز اور احتیاط کی تاکید کی۔ محمد احسان کو اس وقت چھٹی نہیں مل سکتی تھی اس لئے مجبوراً چلے گئے۔ بسیمہ گھر میں کسی مرد کے نہ ہونے سے اور بھی پریشان تھیں۔ عدرا کو اب دو ایک روز سے غفلت رہنے لگی تھی سارے دن ناحرہ، فرح، صعرا اسیدہ اس کے پاس رہیں حبیب الٰہی دو مرتبہ آئے اور بڑی دیر تک اس کے سرہانے بیٹھ کر دعائیں پڑھتے رہے دن میں دو مرتبہ اُن کا ملازم دوالانے اور ڈاکٹر سے حال کہنے کے لئے آتا تھا دو چار مرتبہ جمیل بھی مزاج پرسی کے لئے آیا اور خالہ سے اصرار سے کہا کہ کوئی کام ہو تو مجھے بتا دیجئے۔

بخار کو پندرہواں دن تھا عدرا غفلت میں بے سدھ پڑی تھی۔ وہ اسی کمزور ہو گئی تھی کہ ہاتھ لگاتے ڈر لگتا تھا بسیمہ خاتون دعا پڑھ رہی تھیں فرح صعرا پاس بیٹھی تھیں کہ اوپر سے ناحرہ بھاگتی ہوئی آئی اور بولی "آیا جان انصار بھائی ابھی حیدرآباد سے آئے ہیں وہ یہاں آتے ہی ہوں گے" ذرا دیر بعد انصار آگئے لیکن عدرا کی حالت دیکھ کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے ـــــ وہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ انصار پہلے تو بہت پریشان ہوئے مگر پھر اپنے کو سنبھال کر بسیمہ خاتون کو تسلی دی اور اُن سے پوچھ کر شام کو دوسرے ڈاکٹر کو لے آئے۔ انھوں نے کچھ دوائیں وغیرہ بدلیں۔ تیمارداری کے متعلق ہدایتیں دیں ایک انجکشن دیا اور کہا اب غفلت کم ہو جائے گی ڈاکٹر کے اطمینان دلانے سے بسیمہ خاتون اور لڑکیوں کو کچھ تسلی ہوئی۔

انصار نے عدرا کی تیمارداری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دوا اور غذا دینے کا باقاعدہ ٹائم ٹیبل سا کر لٹکا دیا۔ ٹمپریچر چارٹ تیار کیا۔ دن اور رات میں سب کی باریاں مقرر کیں۔ بسیمہ خاتون کو مجبور کیا کہ وہ رات میں چند گھنٹے آرام کر لیا کریں۔ وہ خود سارا دن یہاں رہتے ٹمپریچر لیا اور درج کرنا ٹھیک

کب تک آئیں گے؟ مجھے خط کیوں نہیں لکھتے۔ در اصل یا ہاجرہ ان کے
کان کھینچ دینا نسیم چھ مہینے بعد ہندوستان واپس آ رہے ہیں میرا
دل تم سب سے ملنے کو اب بہت بے چین ہے مگر کیسے آؤں؟
تمھارا چاہنے والا بھائی۔ ریاض

ہاجرہ اور عذرا ساتھ ساتھ خط پڑھتی رہیں۔ اپنے ذکر پر ہاجرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا
خط پڑھنے کے بعد عذرا نے چادر میں منھ چھپا لیا اور جب ہاجرہ نے زبردستی کھولا تو اس کی
آنکھیں سرخ تھیں عذرا نے کہا "ہاجرہ پڑھا بھائی جان کا خط"
ہاجرہ۔ ٹھیک تو لکھا ہے بھائی جان نے۔ میں تو تم سے پہلے ہی کہنا چاہتی تھی مگر
ڈر کے مارے نہیں بولی میرا تو یہی خیال ہے کہ رضیہ کتنا ہی پڑھ جائے تمھاری
سی قابلیت اس میں کہاں سے آئے گی۔
عذرا۔ بھائی جان کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اصلی جیز اعلیٰ اخلاقی صفات ہیں اور
یہی علم کا مقصد ہے یہ بھی سچ ہے کہ اماں جیسی نے مثل سیرت کے انسان بہت
کم ہوتے ہیں میں تو ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ مگر ہاجرہ سچ کہوں
جی یہی چاہتا تھا کہ کالج میں پڑھتی۔۔۔
فرح آ گئی اور عذرا سے بھائی کا خط لے کر پڑھنے لگی عذرا نے کہا آؤ ہی اماں
کے نام کا خط تو لا دو" فرح منھ بنا کر بولی اماں نے نہ مجھے خط دیا نہ سنایا یہ کہا تم
عذرا کا خط پڑھ لو۔ نہ جانے کیا بات ہے جب سے پڑھا ہے فکر مند بیٹھی ہیں۔
تینوں لڑکیاں سوچتی رہیں کہ کیا بات ہو سکتی ہے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا

عذرا کا بخار کئی دن ہو گئے نہ اترا نسیمہ بہت پریشان ہوئیں محمد احسان کو لکھا
وہ تین دن کی چھٹی لے کر آئے اور ڈاکٹر کو بلا کر اچھی طرح دکھایا اس نے میعادی

اعلیٰ اور صحیح معنی میں انسان بنانے محض رسمی ابتدائی تعلیم انسان
میں یہ صفات پیدا نہیں کر سکتی ہاں صحیح طور پر جو تعلیم دی جائے
اس میں مدد ضرور دیتی ہے لیکن اچھی تربیت اور نیکی کی فطری
صلاحیت بغیر رواجی اور رسمی تعلیم کے بھی انسان میں اعلیٰ
اخلاقی صفات پیدا کر سکتی ہے میں مثال کے طور پر اس ہستی کی
صفات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جسے تم دنیا میں سب سے زیادہ
چاہتی ہو یعنی ہماری اماں تم جانتی ہو کہ ان کی تعلیم معمولی اور بہت
تھوڑی، بلکہ محدود ہے لیکن ان میں فرض شناسی، نیکی، خدا ترسی،
خدا شناسی، صبر و استقلال، ہمت اور حوصلہ، توکل، اطاعت
کی جیسی اعلیٰ صفات، اور بغیر انسانی خدمت کی لگن اور ہمدردی
کا جذبہ کس قدر ان کے اندر موجود ہے اس سے خیال کرو کیا کسی کالج
یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم سے پیدا ہو سکتا ہے؟ تم ان ہی اعلیٰ
اخلاقی اقدار کو سیکھنے اور ان کو حاصل کرنے ۔ دیکھتے ہو؟
ہاں تو میری پیاری بیٹی تم بھی تعلیم یافتہ جاہل نہیں رہو گی۔
اپنی تعلیم گھر پر جاری رکھو مطالعہ زیادہ سے زیادہ وسیع کرو، اچھی باتیں
کہیں سے اور کسی سے بھی ملے حاصل کرو۔ اور سب سے زیادہ اپنی
اماں کی سیرت اور صفات کو پیش نظر رکھو۔ اور خود بھی ویسی
ہی بننے کی کوشش کرو۔

ہو گیا اب ختم کرتا ہوں انشاءاللہ پھر باتیں
ہوں گی اور پیار۔ اچھا کیسی ہیں الطاف سے
کیا کر رہے ہیں۔ یورپ

اُردو میں انگریزی الفاظ ٹھونستے ہیں کوشش کرنے سے آتی ہے مگر یقین کرو کہ یہ چند روز کی بات ہے کچھ عرصہ بعد اس کا ردِ عمل ہوگا اور وہ لوگ جو آج انگریزی بولنا فخر اور اردو جانے کو شرم سمجھتے ہیں اپنی غلطی محسوس کریں گے اور ملک میں انھیں لوگوں کی قدر و منزلت ہوگی جو اپنی مادری زبان پر عبور رکھتے ہیں۔

تمھیں چونکہ لکھنے کا شوق ہے (اور ماشاء اللہ اس عرصے میں تم نے کافی ترقی کی ہے) اس لئے تمھارے لئے بہت ضروری ہے کہ اردو کو اچھی طرح سیکھو عام لڑکیوں کے مقابلے میں تمھاری اُردو اچھی سہی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب اور سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور تمھیں اس پر عبور حاصل ہے ابھی تمھیں اس کے لئے بہت محنت اور کوشش کرنی پڑے گی تم اُردو کے اعلیٰ درجے کے مصنفوں کی تمام کتابیں غور اور توجّہ سے پڑھ ڈالو سرسید، حالی شبلی، نذیر احمد، رسوا، سرر، سرشار کی تصانیف خطوطِ غالب اور پھر تمام چوٹی کے شعراء کا کلام کا مطالعہ کرو اس سے تمھاری قابلیت بڑھے گی، مذاق ستھرا ہوگا معلومات میں اضافہ ہوگا اور لکھنے میں مدد ملے گی۔ مجھ سے اور انصار سے اس بارے میں مشورہ لیتی رہو میں نے انصار کو لکھا ہے کہ وہ تمھارے لئے کتابیں فراہم کریں۔ انصار تو خود بہت اچھا لکھنے لگے ہیں ہمارا تو سارا ذوقِ ادب ڈاکٹری آلات کی نذر ہو رہا ہے۔

کیا تم سمجھتی ہو کہ جو اسکول کالج میں تعلیم پا رہے وہ حاصل ہے علم کا مقصد ہے انسان میں اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا کرنا جو انسان کو

تو لیتی ہیں مگر بے بس ہیں ہیں اگر اس وقت وہاں موجود ہوتا تو ممکن تھا کچھ
کرسکتا میرے واپس آنے میں دو سال کے قریب ہیں جس میں آجاؤں
تو انشاء اللہ تمھاری آئندہ تعلیم کا بندوبست کروں گا

معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں پڑھنے کے شوق کے ساتھ ساتھ رضیہ سے
مقابلے کا بھی بہت خیال ہے کہ وہ آگے بڑھ جائے گی اور تم رہ جاؤ گی
مگر کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ آج کل عام طور پر
تعلیم کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ اسکول کالجوں میں جاکر کچھ کتابیں رٹ کے
ڈگری لے لی جائے تاریخ جغرافیہ، سائنس میں معمولی سی واقفیت اور
ٹوٹی پھوٹی انگریزی لکھنے اور بولنے کی قابلیت ہی کو اعلیٰ تعلیم سمجھ لیا
گیا ہے تعلیم کا معیار تو یہ ہے کہ انگریزی بولی اور سمجھی جائے اور مقصد یہ
کہ لڑکوں کو نوکری مل جائے اور لڑکیوں کو کوئی اچھا سا بر مل سکے یہ سبھی
زیادہ تر لوگ اسی مقصد سے پڑھاتے ہیں

انگریزی پڑھنا بہت اچھا ہے کوئی بھی علم اور زبان انسان سیکھے
وہ بجائے خود مفید ہے اور پھر انگریزی ادب میں تو اس قدر اعلیٰ درجے
کی کتابیں موجود ہیں اور ساری دنیا کی ادبی کتابوں کے ترجمے ہیں کہ
محض اس ایک زبان کو سیکھ کر دنیا بھر کے ادب سے واقفیت ہو سکتی
ہے اور انسان بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے اور اسی لئے میں بھی چاہتا
ہے کہ تمھیں اچھی انگریزی آجائے لیکن پہلی اور ضروری چیز اپنی زبان
میں مہارت اور عبور حاصل کرنا ہے آج کل ہمارے نوجوان طبقے میں
اردو سے ناواقفیت اور انگریزی (خواہ کتنی ہی غلط سلط) بولنے کو
بڑے فخر کی بات سمجھا جاتا ہے وہ ایسے بھدے اور بھونڈے پن سے

بھائی کے خط کے انتظار میں سخت بے قرار تھی۔ ننگے پاؤں اٹھ کر باہر بھاگی
مگر باجرہ نے پکڑ کر ڈانٹ دیا کہ "پاگل ہوئی ہو سحر میں یوں پھرو گی۔ بے قراری کیا
ہے خط ابھی یہاں آجائے گا" نسیمہ خاتون نے عذرا کا خط اسے بھیج دیا اور
اپنا خود پڑھنے لگیں مرچ نے کہا اماں زور سے پڑھئے ناں۔ انھوں نے
جواب دیا "تمہارے کام کی کوئی بات نہیں جاؤ عذرا والا خط پڑھ لو"
عذرا نے ہاجرہ سے خط چھین لیا۔

میری پیاری بہن۔ جیتی رہو۔ امتحان کی کامیابی
تمھیں بہیں سب کو مبارک ہو۔ خدا کرے تم اسی طرح اعلیٰ اعلیٰ دنیا
میں شاندار کامیابیاں حاصل کرو۔ آمین مجھے تم سب کی کامیابی سے
بے حد خوشی ہوئی میری طرف سے دکیہ اور صغرا کو بھی مبارکباد دینا۔
پیاری عذرا تمہارے خط اور مضموں سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ تھیں
اس بات کا بہت صدمہ ہے کہ تم آگے تعلیم نہیں پاسکتیں تمھاری یہ
آرزو جائز اور شوق بجا ہے خود میرا جی بھی یہی چاہتا ہے کہ میری بہن
اعلیٰ تعلیم حاصل کرے لیکن دنیا میں سب باتیں انسان کی مرضی
کے موافق نہیں ہوا کرتیں۔ خرچ کے سوال کو چھوڑ کر ہمارے یہاں کے
رواج اور رسد شتیں اس قسم کی ہیں کہ اماں تمھیں اپنے سے الگ کسی
جگہ بھیجنے کے لئے تیار نہ ہوں گی اور انھیں مجبور کرنا ناممکن ہے ان کی
یہی عنایت کیا کم ہے کہ انھوں نے سب کی باتیں اور اعتراضات
سننے کے باوجود ہر طرح کی مالی مشکلیں برداشت کر کے تھیں دسویں
تک پڑھا دیا ہمارے ملک میں ابھی لاکھوں لڑکیاں ایسی ہیں
جن کو معمولی نوشت وخواند کی بھی اجازت نہیں وہ علم کی روشنی کے لئے

تیرھواں باب

چاروں سے عذرا کو بخار آرہا تھا وہ بیماری میں ذرا دیر کو بھی ماں کو اپنے پاس سے ہٹنے نہیں دیتی تھی وہ کسی کام کے لئے گئیں اور اس نے شور مچایا "اماں آجائیے میرا جی گھبرا رہا ہے" اس مرتبہ بھائی کی رٹ لگی ہوئی تھی "اماں اگر میں مر گئی تو بھائی جان کے دیکھنے کی حسرت رہ جائے گی۔" "اماں بھائی جان کو تار دے کر بلا لیجئے میں ضرور مر جاؤں گی۔" ماں نے پہلے تو تسلی دی سمجھایا اور پھر ڈانٹ دیا کہ "خبردار جو بے ہودہ باتیں بکیں۔ نہیں میں پاس نہ آؤں گی" بیچاری یہ سُن کر خاموش ہو گئی۔

عذرا سر پہ پٹی باندھے لیٹی تھی ہاجرہ اس کے پاس میٹھی باتیں کر رہی تھی آج ولایتی ڈاک کا دن تھا باہر سے ڈاکیہ نے آواز دی عذرا

دس روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ سب نے عذرا سے کہا کہ تم کھڑے ہو کر شکریہ ادا کرو۔ مجبور ہو کر وہ کھڑی ہوئی اس کی تقریر مختصر تھی مگر جچے تلے الفاظ، شیریں لہجہ اور سادہ طرز ادا کی وجہ سے سب نے بہت پسند کی۔

جلسے کے بعد مہمان بیویوں کو چائے پلائی گئی۔ خاص خاص مہمانوں کو بیگم صاحبہ کے ساتھ مسز نعیم اپنی کوٹھی پر لے گئیں۔ یہاں پُر تکلف ٹی پارٹی کا انتظام تھا۔ عذرا وہاں جانا نہیں چاہتی تھی مگر بیگم صاحب اور ان کی نند، اسے اور ناحرہ کو جس کے ہیر ڈریس کے پارٹ کو انھوں نے بہت پسند کیا تھا، اصرار کر کے اپنے ساتھ لے گئیں بیگم صاحب کی حق دار اور سرپرست تو مسز نعیم اور رحمہ ہی بنی رہیں۔ مگر ان کی نند نے ناحرہ اور عذرا سے خوب باتیں کیں اور چلتے وقت بہت اصرار کیا کہ ڈاک بنگلے پر ہم سے ملنے ضرور آنا۔ مگر ان دونوں نے خوش اسلوبی سے نہ آسکنے کی معذرت کر دی۔

شہر کی عورتیں مُنھ کھولے حسرت سے سُنتی رہیں۔ اس کے بعد دو ڈرامے اسٹیج کئے گئے ایک انگریزی میں ایک اُردو میں۔ اُردو کے ڈرامے میں رضیہ فرح کو ہیروئن بنانا چاہتی تھی مگر نسیمہ نے اجازت نہ دی عذرا سے بھی تمام لڑکیوں اور استانیوں نے اصرار کیا مگر وہ خود ہی راضی نہ ہوئی آخر ہاجرہ نے ہیروئن کا پارٹ کیا اور انگریزی ڈرامے میں رضیہ نے ڈراموں اور نظموں کے بعد نسیم صاحب نے تقریر کی جس میں اسکول کی تعریف کی مسٹر اور مسز نعیم کی کوششوں کو سراہا کہ انھوں نے اپنے وطن میں یہ اسکول قائم کرکے بہت بڑی خدمت انجام دی ہے لڑکیوں کو انگریزی تعلیم پانے کی ہدایت کی اور مسز نعیم کا شکریہ ادا کیا بعد میں ان کی سدیے تقریر کا ترجمہ کیا تب عورتیں سمجھیں کہ انھوں نے کیا کہا تھا اب سرٹیفکٹ تقسیم کرنے کا وقت آیا پہلے آٹھویں کی لڑکیوں کو سرٹیفکٹ اور اول آنے والی لڑکیوں کو انعام دیے گئے آخر میں دسویں کی لڑکیوں کو پہلے عذرا کا نام پکارا گیا عذرا سفید کھدر میں ملبوس، سادگی کا مجسمہ آنکھیں جھکائے آگے کھڑی ہو گئی نسیم صاحب نے کچھ تعجب سے اس لڑکی کی طرف دیکھا مس مار تھانے کہا یہ دسویں میں فرسٹ آئی ہیں اور اسکول کی سب سے ذہین اور قابل لڑکی ہیں۔ سب کی نظریں عذرا پر جم گئیں۔ نسیم صاحب نے چند لفظوں میں اس کی تعریف کی اور سند و انعام کی کتابیں اُسے دیں عذرا کے جانے کے بعد رضیہ کی باری آئی۔ چونکہ رضیہ بھی فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئی تھی اس لئے خاص طور پر (خلاف قاعدہ) دسویں میں دونوں کو انعام دیے گئے تھے عذرا کو تین کتابیں اور رضیہ کو قیمتی "ٹوش پن" تقسیم انعام کے بعد ڈپٹی کمشنر کی بہن نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میری طرف سے دسویں اور آٹھویں میں اول آنے والی دونوں لڑکیوں کو بیدرہ اور

کسی کا بچہ نہ روئے، کوئی کرسی نہ گھسیٹی جائے، بے حد بے ہودہ ہو! عورتیں سہمی ہوئی سی نظر آتی تھیں، وجاہت مسز نعیم کی باتوں سے خائف ہو رہی تھیں۔ موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔ بیویاں گڑبڑا کر کرسیوں سے اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگیں مسز نعیم بدحواس ہو کر انھیں سمجھانے لگیں کہ خدا کے لئے خاموش اور قرینے سے بیٹھی رہئے اور پھر گھبرا کر مجیدی بیگم، رضیہ، یاسمین، اندرا اور مس مارتھا کے ساتھ پیشوائی کو بھاگیں۔ میم صاحب پھولوں سے سجے ہوئے پھاٹک میں داخل ہوئیں تو چھوٹی چھوٹی بچیوں نے رٹی ہوئی نظم "God save The King" گانی شروع کی۔ میم صاحب پھولوں کی بارش کے درمیان مسکراتی سر کے اشارے سے سلاموں کا جواب دیتی ہوئی آگے بڑھیں۔ ڈائس پر چند کرسیاں لگی تھیں درمیان میں ایک مخملی کرسی تھی اس کے سامنے کی میز پر کارچوبی میز پوش پڑا تھا اور پھولوں کا گلدان رکھا تھا۔ میم صاحب کے بیٹھتے ہی یاسمین نے گوٹے کا کارچوبی ہار اور پھولوں کا ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔ استانیوں اور لڑکیوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں مگر بیچاری عورتیں اپنا سبق بھول گئیں کسی کسی نے تالی بجائی بھی تو وہ ایک آدھ ہاتھ مار کر رہ گئی۔ میم صاحب کے ساتھ ان کی ہندوستانی سدھی تھیں۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب ہندوستانی تھے۔

سب سے پہلے مسز نعیم نے کھڑے ہو کر میم صاحب کی شان میں منظوم قصیدہ پڑھا اور پھر رپورٹ سنائی۔ رپورٹ میں نسیمہ خاتون اور محمد احسان علی کا ذکر برائے نام تھا جس پر اکثر جانے والی عورتوں کو بہت تعجب ہوا اور بعض کو ناگوار بھی گزرا۔ عذرا اور ہاجرہ کو تو بہت ہی برا معلوم ہوا مگر نسیمہ خاتون نہایت متانت سے بیٹھی سنتی رہیں۔ رپورٹ کا مس مارتھا (دوسویں کی استانی) نے انگریزی میں ترجمہ سنایا۔ رضیہ نے انگریزی میں تقریر کی جسے

قمیص اور دوپٹہ تھا تو معمولی ریشمی کپڑے کا مگر اس نے سلیقے سے سلمے ستاروں کا
کام ساکر اور جھالر وغیرہ لگا کر بہت خوبصورت بنالیا تھا اس کی صورت یوں بھی
اچھی تھی اس لباس میں اور بھی بھولی نکل رہی تھی ہاجرہ نے محض رضیہ کی ضد میں
سر سے پاؤں تک سفید ریشمی کپڑے پہنے تھے اور کانوں میں صرف ہیرے کے بُندے
عذرا نے کئی مرتبہ ہاجرہ سے پوچھا کہ تم کیا پہنو گی مگر اس نے ٹال دیا اُسے جلسے کی کوئی
خاص خوشی نہ تھی وہ تو اس رنج میں گھل رہی تھی کہ آگے کیسے پڑھوں ـــ رضیہ تو
بی اے کرے گی اور میں یونہی رہ جاؤں گی۔ اس کے دل میں ابھی تک سودیسی کھدر
اور آزادی کی تحریک کا اثر باقی تھا اور اسے ڈپٹی کمشنر صاحب کی بیگم کی اس قدر خوشامد
اور ان کے آنے کی اتنی تیاری اور لوکھلاہٹ ناگوار تھی۔ جلسے کے دن اس نے
ایسا کبھی کا رکھا ہوا کھدر کا سفید شلوار قمیص نکال کر چپکے سے پہن لیا اس پر چنا ہوا
دوپٹہ اوڑھا اور برقعہ اوڑھ کر سب کے ساتھ اسکول چلی گئی۔

جلسے میں سیکڑوں وضع کے رنگ برنگ زرق برق کپڑوں اور زیوروں
میں ملبوس خواتین کے درمیان، ہاجرہ کی جھلکتی ہوئی سفید پوشاک پر خواہ مخواہ
سب کی نظریں پڑ رہی تھیں لیکن عام طور پر کسی نے اس کھدر پوش کم حیثیت سی
لڑکی کا خیال بھی نہیں کیا جو سب سے الگ تھلگ اداس سی پھر رہی تھی۔

شام کو چار بجے سے پہلے ہی عورتیں بیگم صاحب کی دید کے اشتیاق میں
جمع ہو گئیں۔ لڑکیاں اور اُستانیاں ان کو قرینے سے کرسیوں پر بٹھا رہی تھیں۔
مسز نسیم ایک ایک بیوی کو سمجھا رہی تھیں کہ دیکھئے جب بیگم صاحب تشریف
لائیں تو اس طرح آپ سب کھڑی ہو جائیے گا اور جب ان کے گلے میں ہار
ڈالا جائے اور وہ تقریر کریں تو یوں تالیاں بجائی جائیں، اور ان کی تقریر
خاموشی اور توجہ سے (خواہ ایک حرف سمجھ میں نہ آئے) سنئے گا۔ شور نہ ہو،

اور اس کی غزلوں اور نظموں کی خاصی شہرت ہوگئی۔ اس نے بعض جگہ "عذرا خاتون"
کے مضمون دیکھے تو سمجھ گیا کہ یہ اس کی اپنی ہی عذرا ہے۔ اس نے مزاحیہ انداز میں عذرا
کی تعریف بھی کی اور اس کو چھیڑا اور مذاق بھی اُڑایا۔ عذرا کے دیکھا دیکھی تبسم کو بھی
لکھنے کا شوق پیدا ہوا مگر اسے فطری طور پر شعر سے بہت ذوق تھا وہ چپکے
چپکے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھتی اور صرف عذرا کو دکھاتی تھی۔

آج عذرا نے بڑی دیر تک بیٹھ کر ایک مضمون "اعلیٰ تعلیم کی آرزو" لکھا
جس میں اس نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا اور بجائے کسی رسالے میں بھیجنے کے
بھائی کو خط میں رکھ کر بھیج دیا۔ خط میں علاوہ اپنی کامیابی کی اطلاع کے اتنا اور لکھا
کہ رضیہ علی گڑھ بی اے کرنے کے لئے جا رہی ہیں مگر میرے لئے اس کے سوا
کیا چارہ ہے کہ دل پر پتھر رکھ کر بیٹھ رہوں۔

نتیجہ نکلنے کے مہینہ بھر بعد اسکول میں بڑا بھاری جلسہ ہوا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی
میم صدارت کے لئے تشریف لانے والی تھیں اس لئے مسز نعیم، رضیہ اور استانیوں نے جلسے
کو کامیاب بنانے کی جان توڑ کوشش کی۔ اس موقع کے لئے رضیہ نے بڑی محنت سے
انگریزی کی ایک تقریر تیار کی تھی۔ مسز نعیم چونکہ اسکول کی سکریٹری تھیں۔۔ اس لئے
انھوں نے چار سالہ رپورٹ تیار کی تھی جس میں سرسری سا ذکر نسیمہ، محمد احسان اور
حبیب الٰہی کی مدد کا بھی تھا، باقی ساری کارگزاری اپنے پر اوڑھ لی تھی۔

جلسے کا مقررہ دن بھی آ گیا۔ آج مسز نعیم اور رضیہ کے ٹھاٹ دیکھنے کے قابل
تھے۔۔ یاسمین کا لباس اور زیور بھی عمدہ تھا مگر اسے زیادہ بناوٹ سجاوٹ پسند
نہیں تھی۔ اور بھی شہر کی تمام عورتیں اپنے اپنے حیثیت کے مطابق خوب سج بن کر
آئی تھیں۔ فریحہ نے اس موقع کے لئے خاص طور پر اپنا لباس تیار کیا تھا۔ غرارہ،

مسز نعیم نے بھی پڑھ کر تعریف کی لیکن جمیلہ خاتون کو معلوم ہوا تو بہت ہی برہم
ہوئیں، بھابھی کو بہت برا بھلا کہا "بہن کو نصیحت کی" تو غضب خدا کا اب
لڑکیاں اخبار رسالوں میں مضمون لکھا کریں گی۔۔ جانے تمہاری عقل پر کیا
پتھر پڑ گئے ہیں لڑکیاں روز بروز آزاد اور خود سر ہوتی جاتی ہیں اور تمہیں
پرواہی نہیں"۔ نسیمہ نے کہا "مضمون لکھنے میں ہرج ہی کیا ہے" اس پر وہ اور
بھی چراغ پا ہوئیں اور خوب گرجیں جھلکیں۔ نسیمہ نے بیٹی کو منع کر دیا کہ اب کہیں چھپنے کو
مضمون نہ بھیجنا عذرا بیچاری اس ذرا سے مضمون کی اشاعت کو خدا جانے کتنی
بڑی بات سمجھ اور کیسے کیسے خواب دیکھ رہی تھی۔ ماں کی یہ بات سن کر سکتے میں
رہ گئی۔ اس کے سارے خیالی قلعے مسمار ہو گئے محمد احسان آئے تو [illegible]
عذرا کا مضمون دکھایا اور جمیلہ خاتون کی خفگی اور نسیمہ کی ممانعت کا حال [illegible]
وہ مضمون پڑھ کر بہت خوش ہوئے عذرا کو بلا کر شاباشی دی اور پوچھا اب [illegible]
مضمون کب بھیجو گی" اس نے کہا "اب نہیں لکھوں گی" "کیوں [illegible]
نسیمہ نے کہا "آپا خفا ہوتی ہیں" محمد احسان کو غصہ آ گیا [illegible]
آپ ان کا کہنا مانیں تو لڑکیوں کو [illegible] کہیں [illegible]
[illegible] بیٹی تم شوق سے لکھا [illegible]
[illegible]

سوایا جاتا۔ فرح اور صغرا کو سینے کاڑھنے اور کارچوبی کام بنانے سے دلچسپی تھی۔ بہت شوق سے جی لگا کر بناتیں۔ دکیہ کو ٹرا بھی لگتا شرم بھی آتی مگر خاموشی سے کام کر دیتی۔ البتہ عدرا کو جہیز کے نام سے چڑھ تھی — خواہ ایسا ہو یا کسی اور کا ہاں پہنے کے کپڑے اچھے خاصے سی لیتی تھی۔

پچھلے سال ڈرتے ڈرتے ایسا ایک مضمون عدرا نے تہذیب نسواں میں چھپنے کے لئے بھیجا تھا۔ دو تین ہفتے بعد تہذیب کا پرچہ آیا تو ناصرہ وہیں بیٹھی تھی اس نے لے کر کھول لیا اور فہرست دیکھ کر اچھل پڑی — ادہو یہ "عدرا خاتون" کا مضمون چھپا ہے ادھر سے عدرا ادھر سے فرح اور صغرا دوڑیں اور چھینا جھپٹ ہونے لگی عدرا سب سے زیادہ بے قرار تھی مگر فرح نے جھڑک دیا "شرم نہیں آتی اپنے مضمون کے لئے ایسی بے قراری" اور کوئی موقع ہوتا تو دلوں میں لڑائی ہو جاتی مگر اس وقت عدرا جھینپ کر چپ ہو گئی۔ سب سے زیادہ حق ناصرہ کا تھا کیونکہ پہلے اسی نے دیکھا تھا چنانچہ اس نے پڑھ کر سنایا۔ ادیر مولوی ممتاز علی کا نوٹ تھا "یہ چھوٹی لڑکی پہلی مرتبہ تہذیب کے مضمون نگاروں کی محفل میں شامل ہوئی ہے مضمون کی طرز ادا اس کا شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کر رہی ہے ہماری دعا ہے کہ یہ بچی آسمان ادب پر درخشندہ ستارہ بن کر چمکے" سب نے مسکرا کر عدرا کو دیکھا اس کا چہرہ شرم اور خوشی کے جذبات سے دیکھنے کے قابل بن گیا تھا۔ چار کالم کا مضمون تھا جس کا موضوع لڑکیوں کی تعلیم تھا۔ نسیمہ نے پڑھا، حبیب الہیٰ صاحب نے پڑھا، اسکول کی ہر ہر استانی اور لڑکی نے پڑھا گویا چھپ کر اس میں کوئی نئی بات پیدا ہو گئی تھی حالانکہ وہی مضمون تھا جو اس نے کلاس میں لکھا تھا

دوسری طرف چلی گئی لڑکیوں نے ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھا اور پھر قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں مگر عذرا اس ہنسی میں شریک نہ تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں ہو رہی تھیں۔
گھر پہنچ کر نسیمہ خاتون نے کہا عذرا بھائی کو اپنی اور صغرا کی کامیابی کی خبر لکھ دو۔ عذرا جا کر ریاض کو خط لکھنے لگی۔ ریاض کو یورپ گئے دو سال ہو گئے تھے وہ وہاں بہت محنت سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے فرحت "لا" کے لئے اور نسیم آئی سی۔ ایس کے لئے انگلینڈ چلے گئے تھے اور وہاں چھٹیوں میں اکثر تینوں دوستوں کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ریاض کے خط ہر ہفتے آتے تھے کبھی ماں کے نام کبھی بہنوں کے نام ہر دوسرے ہفتے چچا کو بھی خط لکھتے کبھی کبھی صغرا اور ہاجرہ کو بھی چند سطریں لکھ دیتے ایک مرتبہ مسز نعیم کو بھی لکھا مگر بیچاری رضیہ کو ایک پرزہ بھی نہ بھیجا۔ رضیہ نے کئی مرتبہ ہنسی ہنسی میں فرح سے شکایت بھی کی
بیٹے کے جانے کے بعد سے نسیمہ زیادہ تر خاموش اور اُداس رہا کرتی تھیں ان کے چہرے پر صرف اس دن شگفتگی آتی تھی جس دن ریاض کا خط آتا خط کے آنے پر کبھی مولود کرتیں کبھی مجلس کبھی ندر دلاتیں ان کی نمازیں اور وظائف پہلے سے زیادہ طویل ہو گئے تھے گھنٹوں دعائیں صرف ہو جاتے گھر کا کام کاج زیادہ تر لڑکیاں کرتی تھیں۔ جمیلہ نے بہن کی پریشانی دیکھ کر مشورہ دیا کہ اللہ رکھے دو دو جوان بیٹیاں ہیں اب تم ان کے جہیز کا کچھ سنتیا کرو یہ بات نسیمہ کو بھی ٹھیک معلوم ہوئی انھوں نے کبھی کبھی کے لئے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑے نکالے کچھ اور موقع موقع سے خریدے اور فرصت کے وقت سیتی پروتی رہتیں اکثر جمیلہ خاتون بھی دکیہ کے کپڑے لے کر آ بیٹھتیں۔ کپڑوں پر جو کام وغیرہ ہوا ہوتا وہ فرح اور دکیہ اور صغرا سے

اور قابلیت ایسی تھی کہ تھرڈ ڈویژن میں آتی؟ مجھے تو اسکول کیا پیجاب بھر میں اوّل آنا چاہئے تھا۔ یا تو ممتحن کی غلطی ہے ورنہ رول نمبر میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔
لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ رضیہ کو یہ طرز بہت ناگوار ہوا۔ وہ تلملا کر رہ گئی
چائے وغیرہ ختم ہونے کے بعد رضیہ اُٹھ کر ماں کے پاس گئی اور کافی بلند آواز میں پوچھا "ممی علی گڑھ کالج سے پراسپکٹس آگیا؟" مسز نعیم نے کہا ابھی تو نہیں آیا دو چار روز میں آجائے گا یہ سُن کر سب لڑکیوں کے کان کھڑے ہوئے۔
فرح۔ رضیہ کیا تم علی گڑھ جارہی ہو؟
رضیہ۔ (فخر سے) ہاں پاپا کی رائے ہے کہ میں علی گڑھ گرلز کالج میں داخل ہوجاؤں پہلے بی اے کرلوں پھر آئندہ تعلیم کے بارے میں غور کیا جائے گا۔
اندرا۔ "پہلے بی اے کرلوں پھر آئندہ تعلیم کے بارے میں غور کیا جائے گا"
کیا بی اے سے بھی آگے پڑھنے کا ارادہ ہے؟
رضیہ۔ کیوں نہیں دسویں تک کی تعلیم بھی کوئی تعلیم ہے اصل تعلیم ہے کالج کی اور سچ پوچھو تو انسان پارس بنتا ہے یورپ جاکر۔ بی اے کے بعد یورپ جاکر تعلیم پانا میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔
یاسمین۔ پہلے بی۔اے تو کرلو۔ کیوں ابھی سے ڈینگیں مارتی ہو۔
رضیہ۔ یاسمین تو میری باتوں میں نہ بولاکر۔
ہاجرہ۔ (ہنس کر) اور شادی ---- پھر شادی کب ہوگی؟
رضیہ نے تیوری پر بل ڈال کر جواب دیا "شادی؟ شادی جاہل لڑکیوں کی زندگی کا مقصد ہے"
اندرا۔ اور تعلیم یافتہ لڑکیوں کی زندگی کا مقصد کیا ہوتا ہے؟
رضیہ نے ادائے تحقیر کے ساتھ جواب دیا "آزاد زندگی" رضیہ یہ کہہ کر

ہاجرہ۔ اور تم خود؟

نجمہ۔ بھئی مجھے کھانا پکانا آتا ہی کہاں ہے۔ تمیم بہت اچھا پکاتی ہیں۔

اندرا۔ عذرا ایک بات سچ سچ بتاؤ۔

عذرا۔ تم پوچھو اور میں نہ بتاؤں؟

اندرا۔ یہ تم کس ترکیب سے فرسٹ ڈویژن مار لیتی ہو یہ گر ہمیں بھی سکھاؤ (عذرا شرما کر ہنسنے لگی)

فرخ۔ خدا جانے یہ عذرا اور رضیہ کو ممتحن کیوں فرسٹ ڈویژن دے دیتے ہیں یہ ضرور کچھ رشوت دیتی ہوں گی (رضیہ نے جھلا کر فرخ کی طرف دیکھا بیچاری فرخ کے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ در پردہ رضیہ کی فرسٹ ڈویژن کے لئے کیا کیا کوششیں ہوئی ہیں) اور بولی "رشوت سے کیا ہوتا ہے۔ جس میں قابلیت ہوگی فرسٹ ڈویژن لے آئے گا۔"

یاسمین۔ (بہن کو طرح سے) ہاں مسٹر جی آپ کی سی قابلیت کوئی کہاں سے لائے۔

اندرا۔ معلوم ہوتا ہے عذرا رشوت زیادہ دیتی ہے۔ تبھی تو رضیہ سے بھی زیادہ نمبر آجاتے ہیں۔

عذرا۔ (آہستہ سے) تو بہ اندرا چپ رہو نا۔

فرخ۔ اصل چیز ڈویژن ہے۔ دس میں نمبروں کے فرق سے اور اول دوم ہونے سے کیا ہوتا ہے۔

رضیہ۔ (منہ پھیر کر نجمہ سے) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ممتحن کی غلطی سے اول دوم اور دوم اول ہو جاتا ہے اصل چیز قابلیت ہے۔۔۔ یہ سن کر لڑکیاں مسکرانے لگیں عذرا جو اسکول بھر میں کھلنڈری اور مسخری تھی لیکن پڑھنے میں ہمیشہ پسندیدہ رہتی تھی منہ بنا کر بولی "رضیہ تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ اب مجھی کو دیکھو بھلا میری محنت

اس لئے اسکول میں فرسٹ وہی کہلاتی ہے دکیہ، صغرا شمیم اور نجمہ
نے آٹھویں کا امتحان دیا تھا وہ تینوں بھی پاس ہو گئی ہیں اور اب اسکول
چھوڑ رہی ہیں اس لئے ان سب کی ماتی لڑکیوں نے دعوت کی ہے سُنا ہے
کچھ دن بعد ڈپٹی کمشنر صاحب کی میم صاحبہ تشریف لاکر لڑکیوں کو اپنے
ہاتھ سے سرٹیفکٹ عنایت کریں گی۔ مسز نعیم اور استانیاں ابھی سے
ایک بہت بڑے جلسے کے اہتمامات میں مصروف ہیں۔
چیزیں تیار ہونے کے بعد ایک دسترخوان پر مسز نعیم، نسیمہ خاتون
مسز ستر یا اور استانیوں کو بٹھایا گیا دوسری طرف آٹھویں اور دسویں کی
لڑکیوں کو اور تیسرے دسترخوان پر سب چھوٹی لڑکیوں کو ساتویں اور نویں کی
لڑکیاں کھلاتے پلاتے اور خاطر تواضع میں مصروف رہیں کیونکہ میزبان دراصل
وہی ہیں، دسترخوان پہ چائے، پیسٹریاں اور دوسری قسم قسم کی چیزیں
چُن دی گئی تھیں۔
رضیہ۔ بھئی یہ پیسٹری کس نے بنائی ہے بہت اچھی ہے
ہاجرہ۔ ہاں میم صاحب تمھیں تو انگریزی چیز پسند آتی ہے ہم بچاروں کی
پکائی ہوئی کیوں بھائے گی۔
اندرا۔ ہاجرہ یہ تمھاری زبردستی ہے واقعی پیسٹری بہت اچھی ہے۔
عذرا۔ مجھے تو دہی بڑے بہت اچھے معلوم ہو رہے ہیں کھاتے کھاتے
میرا پیٹ پھٹ جائے گا۔
اندرا۔ (کنکھیوں سے ایک استانی کی طرف دیکھ کر جو بے تحاشا کھا رہی تھی) ارے
کیوں جھوٹ بولتی ہے کھانے والوں کی صورت ہی اور ہوتی ہے
نجمہ۔ ورقی سموسے نہایت عمدہ ہے ہیں ہمارا ماورچی بھی ایسے نہیں بنا سکتا۔

بارھواں باب

آج نعیم گرلز ہائی اسکول میں بہت رونق ہے سب اُستانیاں لڑکیاں صاف سُتھرے کپڑے پہنے دعوت کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ مسز نعیم نسیمہ خاتون اور مسز ستربا آئی ہوئی ہیں ایک طرف سب بڑی لڑکیاں بیٹھی ہنس بول رہی ہیں اور ان کے بیچ میں سب سے زیادہ شگفتہ اور ہنستا ہوا چہرہ عذرا کا ہے۔ یاسمین، زکیہ، ہاجرہ، تسنیم، امداد آس پاس بیٹھی ہیں۔ دوسری طرف رضیہ ریشمی خوبصورت ساڑی میں ملبوس بیٹھی ہے۔ فرح، نجمہ، شاہدہ وغیرہ اس کے گرد بیٹھی ہیں۔ اسکول رنگ برنگی جھنڈیوں، کاغذ اور پھولوں کے گلدستوں سے سجا ہوا ہے۔ یہ سب چہل پہل اور تیاریاں ہیں دعوت کی میٹرک کے امتحان میں رضیہ اور عذرا فرسٹ ڈویژن میں اور امداد تھرڈ میں پاس ہوئی ہے۔ عذرا کے نمبر رضیہ سے کچھ زیادہ ہیں

دُوسرا حصّہ
سنہ ۱۹۲۳ء سے سنہ ۱۹۲۸ء تک

ایک پلنگ پر سعیدہ پڑی سسک رہی تھی اور ماجدہ اُسے سمجھانے کی کوشش میں مصروف
تھی سعیدہ نے روتے ہوئے کہا "ایک تو بھائی جان اتنی دُور گئے اور پھر اکیلے؟" ماجدہ نے
اپنے آنسوؤں کو رومال سے پونچھا اور سنبھل کر کہا "نہیں بی بی اللہ ان کے ساتھ ہے"
سعیدہ نے رو کر بھولے پن سے جواب دیا "مگر اور کوئی تو نہیں"

محمدی بیگم نسیمہ کے پاس آئیں اور ان کو گلے سے لگا کر بولیں "تم کوئی اُس
میں جا رہی ہوں۔ کل پرسوں کو خیر سے فرحت بھی سدھار رہا ہے — جو
تم پہ گزری وہی مجھ پہ بیتنے والی ہے — اللہ پر بھروسہ رکھو — اب رونا
بچے کے سدھارنے کے بعد رونا بدشگونی ہے۔"

تیسرے دن محمد احسان لڑکیوں کو لے کر دہلی سے واپس آ گئے اور
ریاض کے خیریت سے روانہ ہونے کا حال بیان کیا۔ ریاض کا ایک تسلی بھرا خط بھی
ماں کے نام تھا محمد احسان کئی دن کھادی کے خیال سے ٹھیرے رہے اور جب
ان کی طبیعت کو بظاہر کچھ سکون ہو گیا تب واپس گئے۔

فرح اور عذرا خود بہت ملول تھیں مگر ماں کا ہر وقت خیال رکھتیں
بمبئی سے انصار کے ساتھ بھی ریاض کے خط ماں اور بہنوں کے نام آئے
جس میں ان سب کی تسلی تشفی کی تھی اور جلد ہی جلد ہی خط لکھنے کا وعدہ تھا
اور ان سب کو تاکید تھی کہ ہر ہفتے مجھے خیریت لکھتی رہا کرو۔

ٹوٹ گیا دونوں ماں بیٹے کی ہچکی بندھ گئی۔ فرح عذرا اور سیدہ بھائی سے لپٹ کر رونے لگیں محمد احسان کا چہرہ ضبطِ گریہ سے سُرخ ہو گیا آخراں کے اصرار سے ریاض اُٹھے۔ ساتھ ساتھ سکنے پاؤں ماں اور دوسرے سب لوگ پیچھے پیچھے۔ ریاض دوبارہ سب سے ملے۔ سیدہ کو خوب سا پیار کیا اتنے میں ناخرہ دوڑتی ہوئی اوپر سے آئی اُس کا مُنھ اور آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی تھیں ریاض کے ہاتھ میں ایک عمدہ فوٹو پن دیا۔ کہا نانا اماں نے دیا ہے۔ مگر چہرے اور آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ غلط کہہ رہی ہے ریاض نے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "ناخرہ خدا حافظ۔ بُھلا نہ دینا" ناخرہ کی نرگسی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

ریاض دروازے کی طرف مُڑے نسیمہ نے بے قرار ہو کر کہا "میاں ایک مرتبہ اور میرے کلیجے سے لگ جاؤ" وہ پھر گلے سے لپٹ گئے بڑی مشکل سے مسز نعیم اور محمدی بیگم نے ماں بیٹے کو ایک دوسرے سے جُدا کیا اور ریاض روانہ ہوئے۔

ریاض کو رخصت کرنے سینکڑوں آدمی گئے تھے جس میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے ریاض سب سے ملے گاڑی نے سیٹی دی۔ احسان، ریاض اور انصار جا کر بیٹھ گئے گاڑی آہستہ آہستہ روانہ ہوئی سینکڑوں آدمی رومال اور ٹوپیاں ہلانے لگے ریاض کھڑکی سے آدھے باہر نکلے سب کو دونوں ہاتھوں سے سلام کر رہے تھے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں سب سے آگے ڈپٹی نعیم تھے حبیب الٰہی صاحب کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور ڈپٹی صاحب بھی متاثر معلوم ہوتے تھے۔

نسیمہ ماتوں نے جاں سی پلنگ پر پڑی خدا جانے کیا سوچ رہی تھیں مسز نعیم اور جمیلہ ان کے پاس بیٹھی تھیں اور بہت سی عورتیں جا چکی تھیں

سیر بھی ہو جائے گی اور ریاض بھائی پر احسان بھی۔
ناجرہ۔ احسان کیوں جتاتے ہو۔ سچی بات کہو کہ سیر کے لئے جا رہا ہوں۔
انصار۔ تم کیوں جلتی ہو۔ تمہارا جی چاہتا ہے تو چلو ممبئی لے چلوں۔
ناجرہ۔ تم ہی جاؤ۔
عذرا۔ بچاری ناجرہ کو ماما ابا دہلی تک کو جانے نہیں دیتے آخر ہم سب
بھی تو جا رہے ہیں۔
انصار۔ ناجرہ دہلی تو ضرور چلو۔
ناجرہ۔ مجھے ایسی خواہش نہیں۔ آپ ہی سیریں کرتے پھریئے یہ کہہ کر
ناجرہ دوسری طرف چلی گئی۔
فرخ۔ بچاری ناجرہ۔ اس کا دل کس قدر دہلی جانے کو چاہتا ہے
مگر ماما ابا بھی خوب ہیں!

بارہ بجے دروازے پر تانگے آ گئے سب نے ریاض کے امام ضامن
باندھے گلے سے لگا لگا کر دعائیں دیں اور آب دیدہ ہو گئے فرخ اور عذرا
رقیہ اور نجمہ دہلی تک ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھیں، باہر بہت سے
مرد اسٹیشن تک رخصت کرنے آئے تھے ریاض نے چاروں طرف دیکھا
ماں کہیں نظر نہ آئیں ڈھونڈتے ہوئے سہ دری میں گئے تو دیکھا کہ تخت پر
اوندھی سجدے میں پڑی ہیں دراویر سب چپ چاپ کھڑے رہے
آخر ریاض نے کہا "اماں" نسیمہ نے سر اُٹھایا۔ دیکھا ریاض اچکن ٹوپی
پہنے امام ضامن بندھوائے کھڑے ہیں انھوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں
سے داہنے بازو پر امام ضامن باندھا اور بمشکل اتنا کہا "جاؤ میاں خدا کے
سپرد کیا" ریاض جھک کر ماں کے سینے سے لپٹ گئے ضبط کا سدھن

کراتنی تکلیف کی۔" رضیہ نے خوبصورت پیڈ اور لفافے کا ڈبہ دے کر کہا کھولئے گا نہیں خط لکھئے گا اسی لئے پیڈ لفافے دیئے ہیں۔" اصغر ایک کاپی لے کر آئے اور بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر بولے "بھائی جان اس کاپی پر اپنے سفر کے حالات لکھ کر بھیجا کیجئے گا ریاض نے اسے گلے سے لگا کر کہا "ضرور" سیدہ بیچاری اس سوچ میں تھی کہ بھائی جان کو کیا دوں آخر دوڑی دوڑی گئی اور ایک خوبصورت ہولڈر جو اسے تیسری جماعت میں اول آنے پر ملا تھا لاکر بھائی کو دیا "بھائی جان اس قلم سے مجھے خط لکھئے گا" ریاض کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انھوں نے بہن کو گلے سے لگا لیا۔

ریاض بھئی انصار میرا تو کیمرہ خراب ہوگیا اس لئے ان سب کی تصویریں نہیں لے سکا تم اماں اور سب لڑکیوں کی تصویریں لے کر مجھے ضرور ضرور بھیج دینا۔

انصار۔ اچھا میں دہلی سے پلیٹیں خرید لاؤں گا۔

رضیہ۔ اگلے مہینے نسیم بھائی بھی جارہے ہیں ان کے ساتھ بھیج دیجئے گا

انصار۔ اچھا نسیم صاحب بھی جارہے ہیں فرحت جس بھی دو تین دن میں روانہ ہورہے ہیں ــــــ رہ گئے ہم ــــــ وہ یہیں جھک ماریں گے۔

ریاض۔ تم بی اے کرتے ہی روانہ ہوجانا۔ دو سال کی تو بات ہی ہے۔

انصار۔ احسان ماموں کیا آپ کے ساتھ بمبئی تک جارہے ہیں؟

ریاض۔ ان کا ارادہ تو تھا مگر میں نے منع کر دیا۔ خواہ مخواہ زحمت ہوتی اب صرف دہلی تک جائیں گے اور یہ سب لڑکیاں بھی ساتھ ہوں گی۔

انصار۔ تو ہمارا آپ کا ساتھ رہے گا۔

عذرا۔ اچھا تم بھی بمبئی جارہے ہو۔

انصار۔ بہت دن سے بمبئی کی سیر کو جی چاہتا تھا۔ یہ موقع اچھا ہے

دن گزرتے کیا دیر لگتی ہے بات کی بات میں نومبر کی ۱۹ تاریخ آگئی کل ریاض کی روانگی ہے آج شام ہی سے کسے رشتے والوں کے ہاں سے صدقے کے تیل، ماش اور امام ضامن آنے شروع ہوگئے رات بھر سب لوگ جاگتے اور باتیں کرتے رہے نسیمہ کام میں مصروف تھیں بار بار آکر بیٹے کو پیار کرتیں اور چلی جاتیں۔ محمد لقمان بھتیجے کو بہت سی باتیں سمجھاتے رہے بہیں اور انصار ریاض کے گرد بیٹھے رہے غرض رات بھر رت جگا رہا صبح ہوتے ہی کسے کے مرد عورتیں رخصت کرنے کے لئے آنے لگے۔

فرح اور عذرا ہائی کے بنے ہوئے ہال میں ان کا بستر باندھ رہی تھیں اور ریاض پاس کھڑے چیزیں دے رہے تھے بستر باندھنے کے بعد انھیں دوبارہ سوٹ کیس کھولنا پڑا تاکہ بہنوں کے تحفے رکھیں فرح نے سر پوش اور سوئٹر ساکر دیا تھا عذرا نے اونی موزے دستانے اور رومال۔ ہاجرہ نے مفلر اور موزے بُنے تھے، صغرا نے اونی صدری۔ دکیہ نے کمربند بُن کر دئے تھے۔ جمیلہ خاتوں نے گلے میں پہنے کا چھوٹا سا کلام مجید۔ ریاض ایک ایک چیز لے کر شکریہ ادا کرتے، تعریف کرتے اور سوٹ کیس میں رکھ لیتے انصار نے آکر کہا ہماری ایک نشانی رکھ لیجئے ریاض مسکرائے کہا تم بھی لڑکیوں کی طرح کاڑھنے بُنے لگے ہو؟ انصار نے ایک چھوٹا سا چمڑے کا اٹیچی کیس جس میں کنگھا، برش، شیو کا سامان وغیرہ لگا ہوا تھا ریاض کو دیا انھوں نے شکریہ ادا کر کے رکھ لیا۔ رضیہ خوبصورت ریشمی ساڑی پہنے مسکراتی ہوئی آئیں اور لپک کر بولیں "ہمارا بھی ایک ناچیز تحفہ قبول کر لیجئے" ریاض کچھ جھینپ سے گئے رضیہ نے کہا "کیوں کیا آپ کو اس کے لیے میں کچھ اعتراض ہے؟" ریاض گھبرا گئے "جی نہیں۔ آپ کی بڑی عنایت

کیا ہے لڑکی ہے حیا رکھوتے رہے گی۔
ریاض۔ نہیں اماں بھلا کوئی بات تھی۔
نسیمہ۔ اچھا تو جسے تم پسند کرو اُسے بتاؤ؟
ریاض۔ دبس کر، میں تو کسی کو بھی پسند نہیں کرتا میں نے تو کبھی اس کے متعلق سوچا بھی نہیں آپ اپنے ریاض پر پورا بھروسہ رکھئے وہ ہرگز کوئی ایسی بات نہ کرے گا جس سے آپ کو رنج یا شرمندگی ہو۔
نسیمہ۔ دشفقت سے سر پہ ہاتھ پھیر کر) کہنے کی تو ضرورت نہیں مگر میری اس بات کو یاد رکھنا کہ نماز روزے کی پابندی، قرآن کی تلاوت ہرگز ناغہ نہ ہو میں نے دل پر پتھر رکھ کر ساتھ سمندر پار جانے کی اجازت اسی بھروسہ پر دی ہے کہ میرا بچہ مذہب کا پورا پابند رہے گا۔
ریاض۔ انشاء اللہ
نسیمہ۔ بُرے لڑکوں کی صحبت سے بچتے رہنا کوئی بُری بات سنی تو مجھے رنجیدہ نہ پاؤ گے
ریاض۔ آپ اطمینان رکھئے مجھے اپنی خاندانی روایات اور اپنی ماں کی خواہشوں کا ہر وقت خیال رہے گا اور اپنے باپ اور ماں کی سیرت کو ہمیشہ سامنے رکھوں گا۔
نسیمہ۔ بس میرے میاں میں یہی چاہتی ہوں۔
محمد احسان نے بھی شادی کے خیال کی مخالفت کی اور بھاوج کو سمجھا دیا جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا تو بہت چہ می گوئیاں ہوئیں حمیلہ خاتون کو سب سے زیادہ ناگوار ہوا اور انھوں نے بے حد اصرار کیا۔ وہ دکیہ کے لئے ریاض کو سوچے بیٹھی تھیں مگر نسیمہ نے کہہ دیا کہ جیا جتنے دونوں راضی نہیں تو میں کیا کروں کرنے والے بیاہ کے بعد بھی سیم لے آتے ہیں وہ انشاء اللہ ایسا نہیں کرے گا۔

ریاض۔ اماں میں نے تو آج تک اس کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں کیا فائدہ جلدی میں کوئی ایسی بات ہو جائے کہ پھر عمر بھر پچھتائیں۔
نسیمہ۔ اللہ نہ کرے۔ اچھا میں تمھیں لڑکیاں بتاتی ہوں ایک تو صحرا ہے سب سے زیادہ حق تمھارے چچا ہی کا ہے۔ دوسری رکیہ۔
ریاض۔ توبہ ہے میرے گناہوں کی حالجاں سے تو میں پناہ مانگتا ہوں
نسیمہ۔ مگر رکیہ کی صورت کیسی پیاری ہے ہزاروں میں ایک لڑکی ہے۔
ریاض۔ وہ لاکھوں میں ایک سہی میری اور حالجاں کی کبھی نہیں پٹ سکتی۔
نسیمہ۔ اور صحرا؟
ریاض۔ اماں بھلا سگی بہن اور چچا زاد بہن میں فرق ہی کیا ہے اور وہ ابھی بالکل کم عمر ہے۔ ایسا خیال بھی نہ کیجئے۔
نسیمہ۔ نجمہ کیسی ہے؟
ریاض۔ احسن چچا کا اور ہمارا کوئی جوڑ نہیں وہ دولت مند، سرکار پرست رشوت خوار، قدامت پرست۔ ہمارا ان کا کیا جوڑ؟
نسیمہ۔ تم کسی لڑکی کو پرکھتے ہی نہیں۔ اچھا جان بہادر کی لڑکی رضیہ کیسی ہے؟
ریاض۔ اماں آپ بھی اس وقت کمال کر رہی ہیں انھیں کوئی آئی سی ایس چاہیئے، مجھ غریب کو وہ کیوں پسند کریں گے
نسیمہ۔ تم ایسی کہو کہ رضیہ کو پسند کرتے ہو یا نہیں۔
ریاض۔ (ہنس کر) میری پسند کا کیا ہے۔ اگر آپ اس قدر فیشن پرست اور بے پردہ بہو کو پسند کرتی ہیں تو میرا کیا ہے۔ کیا سچ مچ آپ رضیہ کو بہو بنانا چاہتی ہیں؟
نسیمہ۔ میں تو تمھاری رائے پوچھتی تھی کہ اگر تمھیں پسند ہو تو کر لو ابھی

ریاض آپ انشاءاللہ زندہ اور تندرست رہیں گی وہاں سے واپسی پر میری شادی کر دیجئے گا۔ بھلا سوچئے تو کہ خواہ مخواہ پانچ سال کے لئے آپ یہ مصیبت کیوں اپنے گلے ڈالیں۔

نسیمہ (جھڑک کر) خدا نہ کرے مصیبت کیوں ہوگی۔ جیسی فرخ ویسی تمہاری دلہن۔

ریاض۔ آپ اس پر کیوں اصرار کرتی ہیں؟ خاندان والوں کے خیال سے؟ انھوں نے ہماری پریشانی اور فکروں کے وقت تو کوئی مدد نہ کی اب ہمیں پریشان کرنے کو یہ شگوفہ چھوڑ دیا۔ کیا آپ کو اپنے ریاض پر اعتبار نہیں ہے؟

نسیمہ۔ سنتی ہوں وہاں کی عورتیں بلا کی طرح چپٹ جاتی ہیں کئی لڑکے میمیں کر لائے۔

ریاض (ہنس کر) جب تک انسان خود نہ چاہے کوئی نہیں لپٹ سکتا کیا آپ مجھے ایسا بے وقوف اور ناعاقبت اندیش سمجھتی ہیں کہ میں کسی میم کو لے آؤں گا؟

نسیمہ۔ میرے چاند مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے مگر آخر حرج کیا ہے۔ اچھا صرف عقد کرلو

ریاض یہ تو اور بھی بُری بات ہے کہ کسی بیچاری لڑکی کو پانچ سال کی قید سخت میں مبتلا کر دیا جائے پھر آپ کو اتنی جلدی مرضی کے مطابق لڑکی کہاں سے مل جائے گی

نسیمہ۔ خیر لڑکیوں کی کمی نہیں۔ اللہ رکھے تمہاری نیکی اور قابلیت اور تمہارے باپ کی اتنی شہرت اور میرا ایسا لحاظ ہے کہ کیسے میں کیا شہر بھر میں کوئی لڑکی ایسی نہیں جسے میں مانگوں اور کوئی انکار کر دے مگر میری پسند کا کیا ہے تم اپنی پسند بتاؤ۔ ساہ تو تمھیں کرنا ہے۔

ریاض آپ گھرائیے نہیں پوری احتیاط کروں گا کپڑے وہیں جا کر سوالوں گا۔
نسیمہ۔ نہیں یہاں سے بھی سوا کر لے جاؤ۔ تمھارے لیے لڑکیاں سوئٹر
مفلر، موزے، دستانے وغیرہ بھی سی رہی ہیں۔ یہ چھوٹی موٹی چیزیں تمھیں
آرام دیں گی اور بہنوں کا بھی حق حوق ہو جائے گا۔
ریاض میری بہنیں میرا کتنا خیال کرتی ہیں۔ میں ان چیزوں کو
جان کے برابر رکھوں گا۔
نسیمہ۔ میاں کئی دن سے ایک بات کہنا چاہ رہی ہوں تمھارے سدھارنے
میں کتنے دن ہیں؟
ریاض سوا مہینہ۔ نومبر کی اُنیس یا بیس کو یہاں سے روانہ ہوں گا۔
نسیمہ جب سے تمھارے جانے کی خبر مشہور ہوئی ہے سب کنبے والے
زور دے رہے ہیں کہ ریاض کی شادی کردو۔
ریاض (متحیر ہوکر) سبحان اللہ ماشاءاللہ لاحول ولا! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟
نسیمہ ہونے کو کیا ہوا۔ یہ تو ضرور ہے کہ اتنی جلدی میں میرے ارمان
نہ نکل سکیں گے مگر خیر عقد تو ہو جائے گا۔
ریاض بھلا آپ ہی سوچئے یہ کس قدر نامناسب بات ہے۔
نسیمہ۔ کیوں نامناسب کیوں ہے؟
ریاض۔ اماں اول تو ابھی میری عمر کم ہے میرا تو یہ خیال ہے کہ تیس ورنہ
کم سے کم پچیس چھبیس سال سے کم عمر میں شادی کرنا بڑی غلطی ہے اور
طالب علمی کے زمانے میں تو ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔
نسیمہ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ کہیں یہ حسرت دل کی دل ہی
میں نہ لے جاؤں۔

تا اللہ زندہ اور تندرست رہیں گی وہاں سے واپسی
بیجئے گا۔ بھلا سوچئے تو کہ خواہ مخواہ پانچ سال کے لئے
دن اپنے گلے ڈالیں۔
لے کر) خدا نہ کرے مصیبت کیوں ہو گی۔ جیسی طرح
ری دُلہن۔
ں پر کیوں اصرار کرتی ہیں؟ خاندان والوں کے خیال
ہماری پریشانی اور فکروں کے وقت تو کوئی مدد نہ کی
کرنے کو یہ شگوفہ چھوڑ دیا۔ کیا آپ کو اپنے ریاض پر
؟
ں وہاں کی عورتیں بلا کی طرح چیٹ جاتی ہیں کئی

/ ـت تک انسان جو نہ چاہے کوئی نہیں لپٹ سکتا کیا آپ مجھے
،اندیش سمجھتی ہیں کہ میں کسی میم کو لے آؤں گا؟
پر بھروسہ ہے مگر آخر حرج کیا ہے۔ اچھا صرف عقد کرلو
بات ہے کہ کسی بچاری لڑکی کو پانچ سال کی قید
۔ پھر آپ کو اتنی جلدی مرضی کے موافق لڑکی

نہیں۔ اللہ رکھے تمھاری نیکی اور قابلیت اور
اور میرا ایسا لحاظ ہے کہ جیسے میں کیا شہر بھر
میں مانگوں اور کوئی انکار کردے مگر میری
ماہ تو تمھیں کرنا ہے۔

نسیمہ۔ میری جاں تم مرد ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ مجھے اور اپنی بہنوں کو دیکھو۔ تم اللہ رکھے نئی جگہ جا کر اپنے کام میں نئی نئی دلچسپیوں میں بہل جاؤ گے مگر ہم کیا کریں گے؟ تمہارے چچا ہمیشہ بھر تمہیں نہ دیکھیں تو بے قرار ہو جاتے ہیں، انہیں تم پر پروانہ وار نثار ہیں اور ماں۔ اس کے دل کا حال تم کیا جانو گے۔ جس نے اپنی جان مال سب کچھ تم پر قربان کر دیا تمہاری جدائی میرے لئے جتنی سخت ہے وہ بس یا میں جانتی ہوں یا میرا خدا۔ تین چار مہینے دیکھے ہو جاتے تھے تو بے قرار ہو جاتی تھی اب پانچ، اُف پورے پانچ برس، ساٹھ مہینے تم سے نہ مل سکوں گی۔ آہ۔ کس طرح یہ دن کٹیں گے۔ میری جان۔ میرے بچے۔"

نسیمہ خاتون، ریاض پر جُھک گئیں اور اُسے گلے لگا کر بے قراری سے رونے لگیں۔ ریاض نے بڑی مشکل سے ضبط کیا اور ماں کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے۔

ریاض۔ اماں۔ خدا کے لئے دل کو سنبھالئے آپ اتنی پریشان ہوتی ہیں اور میری جُدائی آپ کے لئے اتنی سخت ہے تو اماں میں یورپ نہیں جاتا میں یہیں آپ کے قدموں میں رہ کر آپ کی خدمت کروں گا میں سمجھتا تھا آپ خوشی سے مجھے بھیج رہی ہیں یہ اندازہ نہ تھا کہ آپ کو اتنا زیادہ صدمہ ہوگا (صدمہ کے لہجے میں) چاہے کچھ ہو اب تو میں نہیں جاؤں گا۔

نسیمہ بڑی مشکل سے اپنی ہچکیوں اور اُمڈتے ہوئے آنسوؤں پر قابو پایا "میری قسم کھانے کی عادت نہیں مگر میاں خدا گواہ ہے کہ میں خوشی سے بھیج رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ اگر میں اجازت نہ دیتی تو تم ہرگز نہ جاتے۔ مگر کیا تم اپنی ماں کو اس قدر خود غرض سمجھتے ہو کہ اپنی تکلیف

اور محنت پر تمہاری آئندہ بہبودی اور ترقی کو قربان کر دے گی ۔ میری جاں میری تو بہتر سے یہ آرزو ہے کہ میرا بچہ لائق اور نامور آدمی بنے اپنے باپ کا نام والا اس کی عزت کرے اُسے عیش و آرام نصیب ہو۔ میرا کیا ہے چند دن کی زندگی ہے، بُری بھلی طرح کٹ جائے گی۔ نصیب میں ہو گا تو پھر یہ چاند سی صورت دیکھ لوں گی۔

ریاض۔ (ماں کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر) اماں یوں نہ کہیئے۔ خدا آپ کو زندہ سلامت رکھے اور مجھے موقع دے کہ آپ کی خدمت کرکے آپ کی تکلیفوں کی کچھ تلافی کر سکوں۔

نسیمہ۔ خدا تمھیں سلامت رکھے او تمہارے ارادے پورے کرے۔ پر پانچ سال پورے پانچ سال کس نے دیکھے ہیں۔

ریاض میں کوشش کروں گا کہ بیچ میں ایک مرتبہ آ کر آپ کی قدم بوسی کر لوں چاہے مجھے خرچ میں کتنی کفایت کرنی پڑے۔

نسیمہ۔ تم خرچ کی تکلیف نہ اٹھانا جب ضرورت ہو مجھے لکھ دینا زیور موجود ہے وہ اور کس لئے ہے۔

ریاض۔ نہیں اماں زیور بہوں کا ہے وہ رہنے دیجئے۔ مجھے ایسی کیا ضرورت ہوگی ماناناما میں ہزار دینے کو کہتے تھے مگر میں نے کہا بہ درہ ہزار کا بھی ہے احسان جتنا کم لیا جائے بہتر ہے اسی لئے میں نے بجائے امریکہ کے جرمنی جانے کا فیصلہ کیا کہ وہاں کا سکہ آج کل گرا ہوا ہے اس لئے خرچ کم ہوگا۔

نسیمہ۔ بہوں کو خدا رکھے تم خود زیور سوا دسا میں نے کرتے گروی رکھ کر روپیہ منگوایا ہے۔ تم گرم کپڑے سوا لو ٹسا ہے سخت سردی ہوتی ہے۔ خدا کے واسطے بے حد احتیاط کرنا۔

نسیمہ۔ میری جان تم مرد ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ مجھے اور اپنی بہنوں کو دیکھو۔ تم اللہ رکھے نئی جگہ جا کر ایسے کام میں نئی نئی دلچسپیوں میں بہل جاؤ گے مگر ہم کیا کریں گے؟ تمہارے چچا مہینہ بھر تمہیں نہ دیکھیں تو بے قرار ہو جاتے ہیں، انہیں تم پر پروانہ وار نثار ہیں اور ماں ۔۔۔ اس کے دل کا حال تم کیا جانو گے۔ جس نے اپنی جان مال سب کچھ تم پر قربان کر دیا تمہاری جدائی میرے لئے جتنی سخت ہے وہ بس یا میں جانتی ہوں یا میرا خدا ۔۔۔ تین چار مہینے دیکھے ہو جاتے تھے تو بے قرار ہو جاتی تھی اب پانچ، اُف پورے پانچ برس، ساٹھ مہینے تم سے نہ مل سکوں گی ۔۔۔ آہ ۔۔۔ کس طرح یہ دن کٹیں گے ۔۔۔ میری جان ۔۔۔ میرے بچے ۔۔۔"

نسیمہ خاتون ریاض پر جُھک گئیں اور اُسے گلے لگا کر بے قراری سے رونے لگیں۔ ریاض نے بڑی مشکل سے ضبط کیا اور ماں کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے۔

ریاض۔ اماں۔ خدا کے لئے دل کو سنبھالئے آپ اتنی پریشان ہوتی ہیں اور میری جُدائی آپ کے لئے اتنی سخت ہے تو اماں میں یورپ نہیں جاتا میں یہیں آپ کے قدموں میں رہ کر آپ کی خدمت کروں گا میں سمجھتا تھا آپ خوشی سے مجھے بھیج رہی ہیں یہ اندازہ نہ تھا کہ آپ کو اتنا زیادہ صدمہ ہوگا (ضد کے لہجے میں) چاہے کچھ ہو اب تو میں نہیں جاؤں گا۔

نسیمہ نے بڑی مشکل سے اپنی ہچکیوں اور اُمڈتے ہوئے آنسوؤں پر قابو پایا "میری قسم کھانے کی عادت نہیں مگر میاں خدا گواہ ہے کہ میں خوشی سے بھیج رہی ہوں ۔ میں جانتی ہوں کہ اگر میں اجازت نہ دیتی تو تم ہرگز نہ جاتے ۔۔۔ مگر کیا تم اپنی ماں کو اس قدر خود غرض سمجھتے ہو کہ اپنی تکلیف

گیارھواں باب

ریاض نسیمہ خاتون کی گود میں سر رکھے لیٹے ہیں۔

ریاض: اماں میں جا تو رہا ہوں مگر میری جان آپ ہی میں اٹکی رہے گی اور آپ کی صحت کی فکر ہمیشہ لگی رہے گی

نسیمہ: میاں میری فکر نہ کرو میں بہت سخت جان ہوں مروں گی نہیں تمھارے ماموں اور باپ دونوں تندرست اور کڑیل جوان چل بسے، اور میں ہمیشہ کی کمزور اور بیمار اب تک زندہ بیٹھی ہوں۔

ریاض: خدا آپ کو ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے آپ ابھی نہیں ہماری وجہ سے اپنی صحت کا خیال کیجئے گا ہم باپ کی شفقت سے محروم ہیں لیکن آپ کی ذات دونوں کا بدل ہے — اماں میں کیسے اتنے دن کی جدائی سہوں گا؟

حبیب الٰہی۔ (کچھ سوچ کر) اچھا لیکن اس کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی کہ تم اس روپے کو مع سود کے جمع کرتے رہنا اور اس سے نادار اور غریب لڑکوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا۔

اس ریاض اور نسیمہ کچھ نہ کہہ سکے بڑے میاں کی فیاضی، فراخ دلی اور محبت نے ان کو مسحور کردیا وہ ان کے احسان کے نیچے دب سے گئے نسیمہ نے بمشکل اتنا کہا "نانا ابا ہم آپ کی عنایت عمر بھر ______"

ریاض نے اس کا ہاتھ ابھی پُرنم آنکھوں سے لگایا منہ سے کچھ نہ بول سکے عذرا جو کمرے میں بیٹھی سب باتیں سُن رہی تھی بھاگی ہوئی آئی، اور دونوں بانہیں حبیب الٰہی صاحب کے گلے میں ڈال کر بولی "میرے نانا ابا" انھوں نے مڑ کر دیکھا۔ عذرا کی آنکھوں میں، چہرے پر اور عضو عضو میں خوشی ناچ رہی تھی۔ انھوں نے پیار سے اُسے گلے لگا کر کہا "اسی کی وجہ سے مجھے تمھاری پریشانی کا علم ہوا ______ اس کے ننھے سے دل میں بھائی کی کتنی محبت، کیسا خیال اور کتنا احساس ہے"

ریاض اور نسیمہ تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے

نسیمہ۔ مگر ابا ابا

حبیب الٰہی۔ بیٹی تم اگر مگر کرکے مجھ بڈھے کے دل کو دکھا رہی ہو۔ جب سے احمدی کا انتقال ہوا تو میں نے اس کے حصّے کی جائداد کی آمدنی الگ رکھی ہے اور اسے کار خیر میں صرف کر رہا ہوں۔ اس کو موئے ہوئے تیس سال ہو چکے ہیں۔ اب تک اس کے حصّے کی جائداد کی آمدنی سے بہت سے ایسے کام ہو چکے ہیں اور اب بھی بیس ہزار کے قریب بنک میں جمع ہے وہ میرے مصرف کا تو نہیں ہے ایسے ہی کاموں کے لئے ہے۔

نسیمہ۔ ابا ابا میرا دل قبول نہیں کرتا کہ خیرات کے روپے سے ریاض کو پڑھاؤں چھوٹی سی چھوٹی نوکری دلت کی خیر نہیں مگر خیرات کا روپیہ ——

حبیب الٰہی۔ (گلوگیر آواز میں) احمدی زندہ رہتی تو کیا میں اس کے بچوں کی تعلیم کا انتظام نہ کرتا کیا اُسے بھی تم خیرات کہتیں؟ برسوں بعد تم سے مل کر میں نے تمہیں احمدی کی جگہ سمجھا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ اپنی اولاد میں اور دوسروں میں بہت فرق ہے —— خیر ——

نسیمہ۔ (محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر) آپ رنجیدہ نہ ہوں ابا ابا میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

حبیب الٰہی۔ نہیں رنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے ہر ایک کو اپنے فعل کا اختیار ہے اچھا تو بی اماں اللہ اب جا کر لیٹوں گا۔

ریاض۔ (جو کسی سوچ میں غرق تھے) آپ اجازت دیں تو ایک بات کہوں۔

حبیب الٰہی۔ کہو کیا کہتے ہو؟

ریاض۔ یہ روپیہ میں اس شرط پر لینے کو تیار ہوں کہ بعد میں قسط وار ادا کرتا رہوں۔

یورپ جانا کیا آسان ہے؟

حبیب الٰہی۔ وہاں ایسا کیا بہت زیادہ خرچ پڑے گا۔ یہی سو دوسو روپے مہینہ۔

ریاض۔ (مسکرا کر) آپ یہاں کے خرچ سے وہاں کا اندازہ نہیں کر سکتے اگر بے حد تنگی ترشی سے گزر کیا جائے تب بھی تین سو سے کم کا خرچ نہیں۔

حبیب الٰہی۔ یہ بھی ایسا زیادہ نہیں۔ بہر حال میری رائے ہے کہ تم ولایت ضرور چلے جاؤ

ریاض۔ (دل ہی دل میں) آپ کے لئے زیادہ نہیں پر میری حیثیت سے تو بہت زیادہ ہے۔

نسیمہ۔ (بھرائی آواز سے) میرا خود یہی جی چاہتا ہے۔ اس کے باپ کی بھی یہی آرزو تھی ـــــ مگر آپ جانتے ہیں کہ میں اتنا خرچ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی۔

حبیب الٰہی خیر روپیہ کا دیکھا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کاہے کی تعلیم کے لئے یورپ جاؤ گے

ریاض۔ (ہچکچا کر) جو بات ممکن ہی نہیں اس کو کیا بتاؤں۔

حبیب الٰہی۔ میرے پاس روپیہ ہے وہ لے لینا۔

نسیمہ۔ نہیں ماما ایسا نہیں ہو سکتا میں مرحوم کی روح کو صدمہ پہنچانا نہیں چاہتی

حبیب الٰہی (غصے سے) مرحوم کی روح کو صدمہ ہوگا تو اس سے ہوگا کہ اس کا لڑکا ذلیل نوکریاں کرتا پھرے۔ روپیہ کم بخت اللہ تھوڑا ہی دیتا ہے میرا ابتدا سے قصد تھا کہ دو تین لڑکوں کی تعلیم کا انتظام کروں گا اب اپنے ہی بچے کو ضرورت ہے تو اسے دے دوں گا۔

حبیب الٰہی۔ کیسی سرکاری نوکری؟
ریاض۔ جی نہیں سرکاری نوکری تو اب مل ہی نہیں سکتی
حبیب الٰہی۔ ہوں ـــــ یہ پہلے۔ سوچا ـــــ ایسی ویسی نوکری کس کام کی کتنی تنخواہ کی نوکری ملنے کی اُمید ہے؟
ریاض۔ (ڈرتے ڈرتے) یہی کوئی چالیس پچاس کی۔
حبیب الٰہی۔ چالیس پچاس کی! تمھیں شرم نہیں آئے گی ایسی ذلیل نوکری کرتے؟ بزرگوں کا نام ڈبوؤ گے؟
ریاض۔ اس میں شرم کی یا نام ڈبونے کی کیا بات ہے محنت کرکے کھانا ذلت نہیں مُفت کی روٹیاں توڑنا شرم کی بات ہے۔
حبیب الٰہی۔ (ڈانٹ کر) کیا بکواس کرتے ہو یہ سب بے تُکی باتیں ہیں جانتے ہو باپ کا نام کیسا بڑا تھا؟ اُس کا بیٹا چالیس پچاس کی نوکری کرتا پھرے گا؟
ریاض کا چہرہ شرم اور غصّے سے سُرخ ہوگیا۔ لیکن بزرگوں کا ادب کرتے تھے اس لئے بڑی کوشش سے ضبط کیا اور خاموش رہے تھوڑی دیر بعد حبیب الٰہی پھر بولے "تم ولایت جاکر کوئی ڈگری کیوں نہیں لاتے"؟ ریاض اب بھی چُپ رہے۔ نسیمہ نے کہا "ولایت جانا تو وہ خود چاہتا ہے مگر کیسے جائے؟"
حبیب الٰہی کیوں کیا پاؤں میں مہندی لگی ہے یا اماں سے الگ نہیں ہو سکتے؟
نسیمہ۔ (آہستہ سے) جی یہ بات نہیں۔
حبیب الٰہی۔ پھر کیا بات ہے صاف کیوں نہیں بتاتیں؟
ریاض۔ (اب خاموش نہ رہ سکے) جناب مجھ جیسے غریب آدمی کے لئے

ہیں کوئی اس کو روپیہ دے تھوڑا ہی رہا ہوں۔ ملک میں نے کارڈ پڑا ہے اُن کے کام آجائے گا اور جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں ریاض بھائی سے لے لوں گا۔ عذرا لاجواب ہو کر چپ ہوگئی۔ انصار گھر گئے تو ناجرہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں حبیب الٰہی صاحب کے پاس چلے گئے اور بڑی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔

تین چار دن بعد کا ذکر ہے نسیمہ، ریاض اور عذرا گھر پر تھے باقی سب لڑکیاں اسکول گئی ہوئی تھیں۔ باہر سے کسی کے لکڑی کھٹکھٹانے کی آواز آئی ــــ نسیمہ نے کہا ریاض میاں دیکھنا شاید ابا ابا ہیں۔ ریاض لپک کر باہر گئے اور حبیب الٰہی کے ساتھ اندر واپس آئے نسیمہ نے سلام کیا انھوں نے دُعا دے کر سر پہ ہاتھ پھیرا اور گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

حبیب الٰہی ریاض بھئی سُنا ہے تم ولایت جا رہے ہو؟

دونوں ماں بیٹے نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور چُپ ہو رہے۔

حبیب الٰہی۔ ارے میاں بولتے کیوں نہیں اس میں شرم کی کیا بات ہے۔

نسیمہ۔ ابا ابا آپ سے کسی نے یونہی کہہ دیا ہوگا ولایت جانے کا تو کوئی ارادہ نہیں ہے۔

حبیب الٰہی۔ (کھنکھار کر) پھر کیا ارادہ ہے۔ خدا جانے آج کل کے لڑکوں کو بے کاری سے کیا اُلفت ہے۔

ریاض۔ (ندامت سے) کئی جگہ نوکری کی درخواست دی ہے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔

انصار۔ میرے والد مرحوم کا دس بارہ ہزار روپیہ میرے نام حیدرآباد بنک میں جمع ہے۔ رماس بھائی وہ لے کر یورپ چلے جائیں۔ میں ابھی قانونی طور پر بالغ نہیں لیکن ماما آپا چاہیں تو روپیہ نکلوا سکتے ہیں۔

عذرا نے محبت اور عقیدت کی نظروں سے انصار کو دیکھا "انصار ماموں تم کتنے اچھے ہو ۔۔۔ مگر اماں اور بھائی جان اس پر تیار نہ ہوں گے"

انصار۔ کیوں نہ ہوں گے۔ اس میں عیب کیا ہے۔

عذرا۔ (کچھ دیر سوچ کر) تم امیر آدمی ہو اس لئے غریبوں کے دل کا حال نہیں جان سکتے تم سمجھتے ہو کہ جس کے پاس پیسہ نہ ہو اس میں غیرت اور خودداری بھی نہیں ہوتی ۔۔۔ نہیں اس میں امیروں سے زیادہ احساس خودداری ہوتا ہے اماں ہرگز کسی کا احسان لینا گوارا نہ کریں گی۔

انصار۔ (آزردہ ہو کر) میں تو آپا جان کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتا ہوں ہاں وہ مجھے غیر سمجھیں تو اور بات ہے ۔۔۔ اور عذرا یہ تم نے مجھے امیر کیوں کہا ۔۔۔ ماما آپا کے پاس روپیہ جائداد ہوگی، تو اس سے میرا کیا تعلق۔ خرچ کی طرف سے بے فکر سہی مگر وہ روپیہ میرا تو نہیں ۔۔۔ میں تو خود ایک لاوارث لڑکا ہوں ۔۔۔ وہ جو دس بارہ ہزار روپیہ ہے اس کی آمدنی ہی کتنی، میں تو تم سب سے زیادہ غریب اور بے کس ہوں۔

عذرا۔ (انصار کی دلدہی کرتی ہوئی) میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔ تم خواہ مخواہ خفا ہو گئے میں نے تو ایک عام بات کہی تھی اچھا اب معاف کر دو۔

انصار۔ ایک شرط پر۔ آئندہ مجھے امیر نہ کہنا

عذرا۔ (مسکرا کر) اچھا اب نہ کہوں گی۔

انصار نے پھر وہ چھیڑا۔ رماس بھائی کو اس میں تامل کیا ہوگا

شام کو الصار بیگم کے ہاں آئے۔ ریاض باہر تھے اور فرح اور بیگم جمیلہ حالتوں کے ہاں گئی ہوئی تھیں صرف عذرا اور رشیدہ گھر پر تھیں۔ الصار نے پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر ریاض کا ذکر چھیڑا اور آخر عذرا سے سب کچھ کہلوا لیا۔

عذرا۔ الصار ماموں کوئی ایسی انجمن نہیں جہاں سے غریب لڑکوں کو تعلیم کے لئے روپیہ مل جایا کرے اور جب وہ نوکر ہو جائیں تو اُن سے وصول کر لیا جائے۔

الصار۔ عذرا ہمارے اس عجیب و غریب ملک کی ریت ہی رالی ہے یہاں پیسے والے لوگ دنیا بھر کی فضولیات، لہو و لعب، عیش و عشرت میں روپیہ برباد کریں۔ نام و نمود کی خاطر سیٹھ بھروں کو کھلائیں سرکار کی خوشامد اور خطابوں کی آرزو میں لاکھوں روپیہ لٹائیں۔ جنگ میں انسانی جانوں کی ہولی کھیلنے کے لئے ہزاروں روپیہ چندہ دیں، رسم و رسوم شادی بیاہ میں اتنا خرچ کر دیں کہ دیوالیہ ہو جائیں مگر عذرا یہ کریں جو ذہین اور شوقین لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی انتظام کریں یا کسی اچھے اور مفید کام میں روپیہ صرف کریں۔

عذرا۔ (اُداس ہو کر) نہ جانے ان امیروں کے دل کیسے ہوتے ہیں۔ میرے پاس روپیہ ہوتا تو سب کا سب شوقین لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دیتی۔

الصار۔ (مسکرا کر) جب ہوگا تو اپنے اس نیک ارادے کو بھول جاؤ گا۔

عذرا۔ (مسکرا کر) میرے پاس کبھی روپیہ نہیں ہوگا مجھے روپیہ جمع کرنے کا شوق نہیں ہاں کبھی کبھی کسی غریب کو دینے یا اسکول کے لئے یا تعلیم پانے کے لئے جی چاہتا ہے کہ بہت سارا روپیہ ہو۔

ایک منٹ کو نیند نہیں آئی۔ صبح کی اذان کی آواز سن کر اُٹھی وضو کرکے نماز پڑھی اور بڑی دیر تک دُعائیں مانگتی رہی۔ ریاض اور نسیمہ بھی اُٹھ گئے۔ ریاض نے پوچھا "کیا بات ہے عذرا آج بڑی جلدی اُٹھ گئیں"۔ عذرا نے بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا "کچھ نہیں بھائی جان رات نیند ہی نہیں آئی" ریاض نے دیکھا کہ عذرا کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے ہیں مگر اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں؟

دوپہر کو ہاجرہ آئی تو عذرا کو کسی سوچ میں غرق اور فکر مند پایا ہاجرہ۔ کس فکر میں بیٹھی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم ظلمی نہ ہو جاؤ۔

عذرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاجرہ نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی ہیں ہاجرہ پریشان ہو گئی "کیا ہوا عذرا اسے لڑائی ہو گئی؟ درج ماجی نے کچھ کہا ہوگا؟ اماں نے ڈانٹا؟ بھائی جان تو کچھ کہتے نہیں ہیں میں سمجھ گئی ضرور انصار بھائی سے لڑائی ہوئی ہے پہلے ہی سے کیا کم بدمزاج تھے اب تو حیدر آباد جا کر اور بھی اکھڑ اور چڑچڑے ہو گئے ہیں ٹھیرو تو جاؤ آج کیسی ان کی خبر لیتی ہوں" عذرا کو ہنسی آ گئی۔ عذرا۔ انصار ماموں بچارے سے تو جب سے وہ آئے ہیں بات بھی بہت کم ہوئی ہے لڑائی کا بھلا کیا ذکر ـــــ اور تمھارے باقی تمام قیاسات بھی غلط ہیں نہ میں کسی سے لڑی۔ کسی نے مجھے کچھ کہا۔

ہاجرہ کے اصرار پر عذرا نے سب باتیں اسے بتائیں وہ غور سے سُنتی اور ماتھے پر بل ڈال کر کچھ سوچتی رہی۔ اس نے عذرا کو تسلی دی کہ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ ضرور کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکال دے گا ریاض بھائی نے بڑا اچھا کام کیا ہے اس کا اجر انھیں ضرور ملے گا یہاں سے جا کر پہلے تو ہاجرہ اپنے کمرے میں بیٹھی بڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی آخر انصار کو اپنے کمرے میں بلایا اور عذرا کی گفتگو اسے سُنائی۔ کچھ دیر تک دونوں صلاح مشورہ کرتے رہے۔

کردیتا مگر کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو بغیر سُود کے قرض دے دے ـــــ اماں آپ پریشان نہ ہوں میں نے کئی جگہ نوکری کے لئے درخواست دی ہے کہیں نہ کہیں پچاس ساٹھ کی جگہ مل ہی جائے گی، کچھ تو آپ کی فکروں میں کمی ہو گی۔ نسیمہ بڑی رات گئے تک بیٹھے سے باتیں کرتیں اور اُسے تسلی دیتی رہیں۔

عذرا جب سے بھائی آئے تھے اُن کی افسردگی کو محسوس کر رہی تھی مگر اچھی طرح سمجھ نہیں سکتی تھی کہ وجہ کیا ہے اتفاق سے اُس نے ماں اور چچا کی گفتگو سنی اور پھر رات کو جب نسیمہ اور ریاض میں باتیں ہوئیں اس وقت بھی وہ جاگ رہی تھی۔ اب اسے پتہ چلا کہ کیوں اماں، بھائی جان اور چچا جان آج کل اس قدر پریشان ہیں۔ وہ رات بھر جاگتی اور دُعائیں مانگتی رہی کہ یا اللہ کوئی ایسی تدبیر نکل آئے کہ بھائی جان کے ولایت جانے کا انتظام ہو جائے اور وہ وہاں سے بہت "مڑے آدمی" بن کر واپس آئیں۔ کبھی سوچتی کیا اچھا ہو کہ صبح کو غسل جانے میں مُنہ دھوتے ہوئے کوئی سُوراخ نظر آئے اور جب اُسے کھودا جائے تو بہت سی اشرفیاں یا پندرہ ہزار روپیہ دیگ میں بھرا ہوا مل جائے (بچاری نے ایک قصہ سُنا تھا کہ شہر میں کسی کو اس طرح خزانہ مل گیا) یا علاءالدین کا چراغ مل جائے تو کیسا ہو ـــــ شاید ہمارے ابا نے کبھی کسی بنک میں روپیہ جمع کیا ہو ـــــ کسی کو اس کی خبر ہو ـــــ اب پتہ چلے کہ پندرہ میں ہزار روپیہ بنک میں جمع ہے ـــــ کیسا اچھا ہو۔ دلت بھر یہ چھوٹی سی لڑکی تخیل کی وادیوں میں بھٹکتی اور خیالی پُلاؤ پکاتی رہی

نسیمہ خاتون کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ احسان متفکر کچھ دیر اور بیٹھے رہے پھر اُٹھ کر چلے گئے۔

انصار کو حبیب الٰہی نے عثمانیہ یونی ورسٹی میں جو سنہ ۱۹۲ء ہی میں قائم ہوئی تھی داخل کرا دیا تھا وہ ایف۔ اے کا امتحان دے کر ابھی واپس آئے تھے شام کو ریاض اور انصار ٹہل کر واپس آئے کچھ دیر باتیں کرتے رہے انصار کے جانے کے بعد نسیمہ نے موقع دیکھ کر بیٹے سے کہا "میاں اب کیا ارادہ ہے؟"

ریاض " اماں میں اس سوچ میں ہوں کہ کیا کام شروع کروں میں اپنے کئے پر پچھتاتا نہیں۔ اچھے کام کے بعد انسان کو ہرگز پشیمانی نہیں ہوتی مگر مجھے اس کا رنج ہے کہ میں آپ کے اور بہنوں کے آرام کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ گھر کی مالی حالت دیکھ کر فکر میں گھلا جاتا ہوں۔ میں خود تو کم سے کم خرچ میں گذارہ کرسکتا ہوں مگر آپ لوگوں کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی"۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ریاض کرتے رہے۔ ماں نے تسلی دی کہ "تم ہماری فکر نہ کرو جیسے سات آٹھ سال سے گزر ہو رہی ہے ابھی ہوگی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر احسان ہے کہ اس نے ہزاروں سے بہتر حالت میں رکھا ہے کسی کے محتاج نہیں۔ عزت آبرو کے ساتھ گزارہ ہو رہا ہے یہ بتاؤ اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے اور پڑھو گے یا نوکری کرو گے"۔

ریاض اماں آرزو تو یہ تھی کہ یورپ جاؤں مگر بغیر پیسے کے یہ کیسے ممکن ہے!

نسیمہ تم کہو تو جائداد میں سے دو چار ہزار کی کوئی چیز فروخت کردی جائے۔

ریاض نہیں اماں ایک تو پہلے ہی آمدنی کم ہے دوسرے تین چار سال کے لئے کم سے کم پندرہ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ اتنے میں کیا کام چلے گا!

نسیمہ۔ (متفکر ہو کر) اتنی رقم تو ناممکن ہے۔

ریاض۔ اگر کہیں سے قرض مل سکتا تو کتنا اچھا تھا پھر میں انشاءاللہ قسط وار ادا

اب پچھتا رہے ہیں۔

نسیمہ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) تم سچ کہتے ہو مگر بھائی اسے طبیعت کی یہ افتاد باپ سے ورثے میں ملی ہے۔ مجھ سے تو اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ دشمنوں کی صحت پر برا اثر پڑا تو میں کس کی ماں کو ماں کہوں گی؟ بتاؤ کیا کروں۔

احسان۔ میں کیا بتاؤں مجھے تو اس نے مشورہ دینے کے حق سے بھی محروم کردیا۔ ایک مرتبہ وہ میری بات ٹھکرا چکا اب کس منہ سے اسے کوئی صلاح دوں۔

نسیمہ۔ احسان میرے بھائی خدا کے لئے تم ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ تم اس کا برا بھلا نہ بتاؤ گے تو پھر اور کون میٹھا ہے اس کا؟ ایسے بچوں سے غلطی بھی ہوجاتی ہے۔ بزرگ معاف کرتے ہیں۔

احسان۔ بھائی میری ناراضگی اس پر نہیں کہ اس نے میرا کہنا کیوں نہیں مانا مجھے تو افسوس اس کا ہے کہ اس نے اپنے خاندان کے مستقبل کا خیال نہ کیا اس کی پریشانی اور بے بسی دیکھ کر کیا مجھے صدمہ نہیں ہوتا؟ اس کا ایسا اچھا دماغ اور ذہن ہے کہ وہ بہت آسانی سے سول سروس میں آجاتا یورپ جانے کے لئے وظیفہ مل جاتا تعلیمی ترقی کا موقع بھی ملتا اور مصیبت کے دن بھی کٹ جاتے۔ مگر اب تو خود اس نے سب دروازے اپنے لئے بند کردیئے میرے پاس اگر روپیہ ہوتا تو کچھ بھی بات نہ تھی میں اسے یورپ بھیج دیتا اور وہ وہاں سے کوئی اچھی ڈگری لے آتا اب تو یہ نظر آرہا ہے کہ رو دھیک کر کہیں چالیس پچاس کی نوکری مل جائے تو مل جائے اسے یہ خیال بھی نہ ہوا کہ میری بہن اور جن کی تعلیم بیاہ شادی سب مجھے کرنی ہے ـــــ افسوس اس کی عقل پر۔

دسواں باب

ریاض بی اے کا امتحان دے کر واپس آئے تو بہت افسردہ اور پریشان رہتے، نہ پہلی سی بذلہ سنجی، ظرافت، خوش طبعی۔ اُن کا مسکراتا ہوا شگفتہ چہرہ مُرجھا سا گیا تھا۔ نسیمہ ان کی حالت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کُڑھتیں بیٹے سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اس عرصے میں محمد احسان آئے تو انھوں نے دیور کو ریاض کی حالت بتائی کہ کس قدر اُداس اور خاموش رہتا ہے۔

احسان۔ مجھے تو یہ سب پہلے ہی نظر آرہا تھا۔ لاکھ سمجھایا ہر قسم کے سٹیٹ فرار دکھلائے مگر انھیں تو قوم کی خدمت، ملک کی بہبودی اور آزادی کی دُھن سوار تھی۔ وہ شخص کیا ملک اور قوم کی خدمت کرے گا جو اپنے خاندان کی خدمت بھی نہ کر سکے، جسے اپنے حالات کا احساس نہ ہو۔

کو معلوم ہوا تو انھوں نے طارق سے کہا کہ عذرا کو اسکول بھیجنا شروع کر دو اس کی فیس میں دوں گا۔ مہینے بھر بعد عذرا چھٹی نویں میں داخل ہو گئی۔ رضیہ کو بڑی خوشی تھی کہ عذرا کا داخلہ ہو گیا وہ دوبارہ آئی تو اسے بہت ناگوار گزرا۔ اس دفعہ عذرا اسکول آئی تو سب باتوں سے الگ تھلگ رہتی بس چپ چاپ پڑھا اور گھر کی راہ لی۔ رضیہ ہر جگہ پیش پیش تھی اور موقع بے موقع اشارے کنائے سے یہ جتا دیتی کہ اب اسکول پر ہمارا قبضہ ہے۔ عذرا چپ رہتی مگر ناحرہ جس میں اب بہت تیزی اور طراری آ گئی تھی رضیہ کا توڑ تھی۔ وہ ہر معاملے میں اس سے دو دو جواب سوال کرتی ایک دن عذرا "ملازمی" کو کسی کام کے لئے بھیج رہی تھی رضیہ بیچ میں کود پڑی اور اسے منع کر دیا کہ پہلے یہ یہیں فلاں کام کرے۔ بات میں بات نکلنے لگی اور دونوں میں خاصی جھڑپ ہو گئی۔ عذرا نے کہا "میں تم سے تو کچھ نہیں کہہ رہی تھی تم آخر بیچ میں کیوں بول پڑیں" رضیہ نے چمک کر جواب دیا "ہمی اب اسکول پر آپ کا سکہ نہیں چل سکتا وہ دن لد گئے جب جلیل میاں دادا اڑاتے تھے۔ اب اسکول پر ہمارا راج ہے"۔ عذرا کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گئی صرف اتنا کہا "ہاں ہاں میں پہلے ہی سے جانتی ہوں کہ تمھارا راج ہے اسی لئے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتی"۔ مگر ناحرہ اور یاسمین تینوں رضیہ کے پیچھے پڑ گئیں کہ تم نے یہ بہت نارسا بات کہی اور اسے قائل کر کے چھوڑا۔

عذرا اس واقعہ کے بعد سے اور بھی الگ تھلگ رہنے لگی۔ اس سال فرح، ناحرہ اور یاسمین نے دہلی جا کر آٹھویں کا امتحان دیا۔ عذرا اور ناحرہ کی ملازمہ ساتھ گئی تھیں۔

نتیجہ نکلا عذرا اور ساسی فرسٹ ڈویژن میں اور رضیہ اور امہ اسیکنڈ ڈویژن
میں پاس ہوئیں۔ رضیہ کی کامیابی کی خوشی میں پارٹی دی گئی۔ ماں باپ بھائی اور بعض
دوسرے عزیزوں نے تحائف بھی دیئے۔

عذرا کی کامیابی کی بھی گھر بھر کو بہت خوشی ہوئی محمد احسان اور ریاض
خاص طور پر بہت خوش تھے۔ محمد احسان نے عذرا سے پوچھا "کیا انعام لوگی" وہ
تو جیسے سوچے ہی بیٹھی تھی پٹاخ سے بول پڑی "میٹرک کا کورس" ریاض نے کئی
خوبصورت کاپیاں قلم اور پنسلیں لاکر دیں۔ حبیب ماما نے چاندی کی دوات
انعام میں دی اور ناہرہ نے ایک خوبصورت جیومیٹری بکس منگا کر تحفتہً دیا۔
پندرہ دن بعد ایک پارسل عذرا کے نام آیا کھولا گیا تو دیکھا کہ انصار نے
"پریم پچیسی" اور "پریم بتیسی" منشی پریم چند کی دو تازہ تصانیف" اپنی ہی سی
بھانجی کی شاندار کامیابی کی خوشی میں بھیجی تھیں۔

اس مرتبہ اسکول مسز نعیم کے پاس اور ان کے انتظام میں کھلا جہاں بہا
کی کوشش سے آٹھویں تک کا اسکول منظور ہو گیا اور "ایڈ" ملنے لگی نویں جماعت
کھولنے کا بھی انتظام کیا گیا اور ایک استانی پرائیویٹ طور پر اس کے لئے رکھی گئی۔
نویں کی فیس کم سے کم آٹھ روپے مقرر ہوئی تاکہ اس طرح استانی کی تنخواہ نکل آئے۔
اسکول دور جانے کی وجہ سے تانگے کا خرچ بڑھ گیا اور فرح دسیدہ کی فیس بھی
بڑھ گئی نسیم کے لئے مزید آٹھ دس روپے کا خرچ برداشت کرنا بہت مشکل تھا
انھوں نے نرمی سے بیٹی کو سمجھا دیا۔ عذرا مان تو گئی مگر اسے بہت قلق ہوا۔ سب
لڑکیاں اسکول چلی جاتیں اور وہ اکیلی چپ چاپ پڑھتی رہتی۔ مگر کوئی
مدد دینے والا نہیں تھا اس لئے فکر مند تھی کہ کیسے تیاری کروں گی آخر محمد احسان

سے زیادہ آمدنی ـــــ تھوڑی سی کوشش سے اسکول محکمۂ تعلیم سے منظور ہو کر ہائی اسکول بن سکتا تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ اور ماموری اور شہرت مفت میں۔ اور بیوی بیٹی کی خواہش کے مطابق اسکول پر قبضہ بھی۔ انھوں نے منظور کر لیا کہ آٹھویں کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا تو وہ اسکول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔

مسز نعیم نے جوش اسلوبی سے اسکول کی عمارت کا چھوٹا ہونا، اور بعض دیگر مشکلات نسیمہ کو سنائیں اور کہا کہ اگر اسکول میرے مکان کے نزدیک آجائے تو میں زیادہ وقت نگرانی میں صرف کر سکوں گی نسیمہ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا محمد احسان اور حبیب الٰہی سے ذکر آیا، تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ اگر آپ اور ڈپٹی صاحب اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں تو اس سے بہتر کیا ہے۔ ہم اس وقت بھی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں گے۔

مسز نعیم نے اپنی کوٹھی کے قریب ایک ہمدرد وکیل کی چھوٹی سی کوٹھی جس کا بڑا سا احاطہ تھا اسکول کے لئے کرایہ پر لے لی اور معاملہ طے ہو گیا کہ چھٹیوں کے بعد اسکول وہاں اُٹھ جائے گا عذرا اور ہاجرہ کو قدرتی طور پر اپنے گھر سے دوسری جگہ اسکول چلے جانے کا بہت افسوس ہوا ساتھ ہی چھپا ہوا خیال بھی دل میں موجود تھا کہ وہاں رضیہ کی زیر حکومت رہنا پڑے گا ہاجرہ تو نام تک کٹا لینے پر آمادہ تھی مگر عذرا نے باوجود تیز مزاج ہونے کے سمجھ سے کام لیا وہ سچے دل سے علم کی شائق تھی اس لئے اس نے ہاجرہ کو بھی سمجھایا اور خود بھی طے کیا کہ اس معاملے میں یہ ایک لفظ منہ سے نکالیں گے یہ کسی پر یہ ظاہر ہونے دیں گے کہ ہمیں یہ بات بُری لگی ہے

امتحان دیا نسیمہ، مسز نعیم اور ایک اُستانی اُن کے ساتھ گئیں۔ نسیمہ پر خرچ کا
خاصا بار پڑا۔ ایک طرف ریاض کی فکر تھی۔ وظیفہ بند ہو گیا، فیس کی معافی
ختم ہوئی۔ اب وہ ٹیوشن سے کام چلا رہے تھے۔ نسیمہ کو ہر وقت فکر رہی کہ یہ
خرچ کس وقت اُٹھا رہا ہوگا۔ عذرا امتحان دے کر واپس آئی تو ریاض کے
بھیجے ہوئے پچاس روپے اور خط ملا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ ایک مضمون
پر مجھے یہ انعام ملا ہے جسے میں عذرا کے امتحان کے خرچ اور آئندہ کے
کورس کے لئے بھیج رہا ہوں۔ نسیمہ اور عذرا کو بہت خوشی ہوئی۔ لیکن فرح
کو بہت ناگوار گزرا۔

مسز نعیم جب سے اسکول میں کھدر اور چرخے کا رواج ہوا تھا اسکول کے
مستقبل سے مایوس ہو گئی تھیں۔ اسکول پر نسیمہ اور عذرا کا بہت اثر تھا
ماں سرپرست تھیں اور بیٹی اسکول کی سب سے بڑی جاذب کی طالب علم
اور لڑکیوں و اُستانیوں کی محبوب اور پھر تمام کام انتظام میں اُستانیوں کی
مددگار۔ مسز نعیم نسیمہ سے بہنوں جیسی محبت کرتی تھیں مگر رشک اور خود نمائی
کے شوق سے، جو انسانی فطرت کی کمزوریوں میں سے ہے، وہ بھی مبرا تھیں۔
اسکول پر وہ اپنا اثر بڑھانا چاہتی تھیں، ادھر رضیہ اور عذرا میں بات بات
پر مقابلہ ہوتا اور اکثر جیت عذرا کی رہتی۔ غرض مسز نعیم اور رضیہ نے
ماں بہادر کو اپنا ہم خیال بنایا۔ وہ شروع میں اس اسکول کے کچھ حامی
رہے تھے۔ کسی ایسے کام میں روپیہ لگانا جس میں کامیابی اور شہرت کی اُمید کم
ہو، اُن کے اصول کے خلاف تھا لیکن اب اسکول اپنی ابتدائی مشکلات
جھیل چکا تھا اور ڈھائی سال سے کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا۔ پچاس
کے قریب لڑکیاں، چار اُستانیاں، چندوں اور فیسوں سے سو دو سو ماہوار

صحیح رائے مانتی تھی۔ بھائی کی وجہ سے اُسے بھی آزادی، اصلاحت، جامعہ، قوم، کھدر، چرخہ، مولانا محمد علی اور گاندھی جی وغیرہ سے کچھ واقفیت اور ہمدردی پیدا ہو گئی اور ان کی محبت کا بیج اس کے دل میں لگ گیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ابھی ان چیزوں کا مفہوم بہت کم سمجھتی تھی اور اس کے لئے یہ سب الفاظ تقریباً ہم معنی تھے۔ ہاجرہ تو گویا اس کی تابع مہمل تھی اور جو عذرا کے خیالات اور رائے ہوتی وہی اس کی ہوتی تھی۔

حبیب الٰہی زبردستی انصار کو پکڑ تو لائے تھے مگر اب اس کی ماں اصغری اور دنیا سے بیزاری سے بہت پریشان تھے وہ نہ کسی سے ملتا جلتا نہ ہنستا بولتا تھا سارے دن اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ اس کا دل اس وقت ساری دنیا سے باغی ہو رہا تھا، خصوصاً ریاض کا اپنی رائے اور ارادے کی مضبوطی کی وجہ سے کامیاب ہونا اور خود اُس کا ناکامی سختی سے مغلوب ہو جانا بہت زیادہ کھل رہا تھا عذرا اور ہاجرہ نے اپنی سمجھ کے موافق اس کی دلدہی کی کوشش کی مگر سب بے کار گئی۔

حبیب الٰہی نے نسیمہ اور احسان سے مشورہ کیا اور انصار کو چند مہینے کے لئے اس کی پھوپی کے پاس حیدر آباد بھیج دیا اور لکھ دیا کہ سختی سے نگرانی کی جائے۔

لڑکیوں کا اسکول ابھی تک محکمۂ تعلیم سے منظور نہیں ہوا تھا محمد احسان ریاض اور انصار کے مشورے سے کورس بنتا تھا صرف ساتویں آٹھویں کا کورس بیجا بے کار رکھا گیا تھا۔ اس سال عذرا، رضیہ، ساتویں اور اندرا مڈل کی تیاری میں مصروف تھیں۔ فروری ۱۹۲۱ء میں دہلی سنٹر سے انھوں نے

سی قومی درس گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی میاد پڑ گئی اس پر ان جاں نثاروں کو اپنی ہی مادر کالج سے اپنی ہی سوائی عمارتوں سے پولیس کے ہاتھوں نکالا گیا۔ پھونس کے بنگلوں اور خیموں میں نئے کالج کی ابتداء ہوئی بہت سے اولوالعزم، لائق اور ذہین طالب علم اور استاد پرانا کالج چھوڑ کر اس بے سروسامان درس گاہ میں آ کر شامل ہو گئے اور انتہائی جوش و خروش پاکیزہ خیالات اور نیک ارادوں کے ساتھ اس کالج کا کام شروع ہوا ان مجاہدوں میں ریاض بھی تھے۔

نسیمہ کو ریاض اور احسان کے خطوں سے حالات معلوم کر کے بہت صدمہ ہوا۔ کچھ ریاض کے مستقبل سے مایوسی اور کچھ اس کا قلق کہ چچا بھتیجے سے ناراض ہو گئے انھوں نے بیٹے کو ناراضگی کا خط لکھا ریاض چھٹی لے کر اکبرپور آئے اور جس حد تک وہ سمجھ سکتی تھیں ماں کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کوشش کی اور ان کو تسلی دی کہ آپ گھرائیں نہیں آئندہ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔ چچا کی ناراضگی کا خود ریاض کو بہت رنج تھا ماں بیٹے دونوں نے انھیں خط لکھے بیٹے نے معافی کا ماں نے سفارش کا جواب سے ریاض کو اطمینان ہو گیا لیکن نسیمہ کو نہیں ہوا کیونکہ وہ دلاور کی طبیعت سے زیادہ اچھی طرح واقف تھیں لیکن۔ جانتی تھیں کہ ان کی ناراضگی ضد کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ سچے دل سے بھتیجے کی بہبود اور فلاح کے خیال سے منع کرتے تھے لیکن حبیب الہٰی کی طرح جوان لڑکوں پر سختی کرنا روا نہیں سمجھتے۔

بیٹے گھر ہی میں ریاض کے خیالات کا اثر عذرا پر بہت ہوا وہ اپنے بھائی کو دنیا کا سب سے زیادہ عقلمند آدمی سمجھتی اور اس کی رائے کو بالکل

رات کو اولڈبوائز لاج میں پھر جلسہ ہوا جلسے میں ریاض چچا کو بھی لے گئے۔ مولانا محمد علی کی تقریر نہایت پُرجوش اور پُراثر تھی۔ ان کے بعد لڑکوں نے بولنا شروع کیا ایک لڑکے نے تجویز پیش کی، کہ اگر بزرگانِ قوم ہمیں اس ادارے سے الگ کرنا چاہتے ہیں تو ہماری تعلیم کا کوئی دوسرا بہتر انتظام کریں تبھی ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں اس پر پہلے بہت شور و غل مچا کئی لڑکوں نے اس کی مخالفت کی اور بُرا بھلا کہا لیکن بعض سمجھ دار اور دور اندیش لوگوں نے اس کی تائید کی کہ بات ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر حسن صاحب نے بھی اس کی حمایت میں تقریر کی۔ بقصہ مختصر تجویز منظور ہوئی کہ قوم سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلمان لڑکوں کے لئے بہتر تعلیم کا انتظام کرے تاکہ وہ موجودہ درس گاہ کو چھوڑ کر وہاں تعلیم پا سکیں۔

اگلے دن ریاض کی درخواست پر مولانا محمد علی نے محمد احسان کو بلا کر سمجھایا وہ مولانا کے معتقد اور دوست تھے مگر اس امر پر ان سے متفق نہ ہو سکے ان کی دلی آرزو تھی کہ ریاض اعلیٰ تعلیم پائے، بڑا عہدہ ملے، اور خاندان کی حالت سنوارے لیکن اب وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ لڑکا مستقل مزاج ہے ایک بات ٹھان چکا ہے اور اس وقت ساری قوم اس کی طرف دار ہے اور چچا کا انتہائی لحاظ کرنے کے باوجود اس کی عدول حکمی کرنے پر تیار ہے تو وہ مجبور ہو گئے۔ انھوں نے بھاوج کو مفصل خط لکھا اور خود سہارن پور چلے گئے۔

ہمیں تفصیلات سے بحث کرنا نہیں مختصر یہ کہ ۲۹ اکتوبر کو قوم کے مدبر اور اکابر لیڈروں کے ہاتھوں جن میں مولانا محمود الحسن، حکیم اجمل خاں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، عبدالمجید خواجہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں

لیکن وہ یہ کیسے گوارا کر لیتے کہ انصار' اس کا نواسا جس پر اُن کی آئندہ نسل کا انحصار ہے' جو اُن کا نام چلانے والا ہے' وہ یوں دین و دنیا سے جاتا رہے!! اور پھر اُن کا حکم (وہ حکم جسے آج تک کسی نے نہیں ٹالا) نہ مانے۔ ۱۱۱ صحت ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کان پکڑ رات کی گاڑی سے انصار کو لے کر روانہ ہو گئے۔

وہ اُدھر روانہ ہوئے اس طرف محمد احسان پہنچ گئے وہ خود خلافت کے حامی اور آزاد خیال آدمی تھے چچا بھتیجے میں گھنٹوں بحث ہوئی۔ دونوں دوسرے کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کوشش کرتے رہے وہ کہتے یہ ہماری مادر کالج ہے ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے اسی سے علم کی دولت پائی یہ مسلمانوں کی واحد درس گاہ ہے اسے چھوڑ دینا اسے نقصان پہنچانا ہے ریاض کہتے جب مسلمانوں کا کالج مسلمانوں کی روایات کو برقرار نہ رکھے، وہ غلامی کی تعلیم دے اور غلام پیدا کرے جہاں خیال اور ضمیر تک کو آزادی نہ حاصل ہو جو دوسروں کی خوشامد اور چاپلوسی میں ملتِ اسلامی کو نقصان پہنچائے' اسے محض مسلمانوں کی واحد درس گاہ سمجھ کر اس کا احترام کرنا اور اس میں پڑھنا غلط ہے بے کار ہے جب اصولی بحث میں محمد احسان نہ جیت سکے تو خاندان کی حالت اور ریاض کی ذمہ داریوں کو یاد دلایا کہ یہاں سے چلے گئے تو پھر کیا کرو گے۔ کوئی اور یونیورسٹی تمھیں نہیں لے گی اور تمھاری اعلیٰ تعلیم کا منصوبہ دل کا دل ہی میں رہ جائے گا — غرض بہت دیر تک ان کو سمجھایا۔ اس پر ریاض چُپ ہوئے کیونکہ انھیں اپنی مالی حالت اور اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس تھا۔

وہ دل میں اور ہی منصوبے باندھ رہی تھیں۔

اکتوبر کا مہینہ تھا۔ ریاض اور انصار علی گڑھ تھے۔ انصار "سیکنڈ ایر" میں اور ریاض "ورتھ ایر" میں پڑھ رہے تھے۔ ایک دن حبیب الٰہی کے پاس اکبر پور، اور محمد احسان کے پاس سہارن پور، علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کا تار پہنچا حالت نازک ہے فوراً آؤ۔ حبیب الٰہی بچارے بڈھے آدمی۔ بیٹے بیٹیاں گنوا کر اب بڑھاپے کا سہارا پوتا اسا اور ایک پوتی ہی تو تھی، تار پا کر سخت بدحواس اور پریشان ہوئے اور اسی وقت علی گڑھ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو سب سے پہلے ناحدایان کالج سے ملے۔ صورتِ حالات سے آگاہی ہوئی کہ مولانا محمد علی مولانا ابوالکلام اور دوسرے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں جو لڑکوں کو، "ورغلا" رہے ہیں کہ کالج چھوڑ دو اور "بغاوت" پر آمادہ کر رہے ہیں۔

سارے کالج میں ہل چل مچی ہوئی تھی لڑکے جوش میں بھرے ہوئے نت نئے منصوبے سوچتے ساتے اور بگاڑ دیتے "بھانت بھانت" کے "والدین" جمع تھے جو لڑکوں کو سمجھا کر، دھمکا کر، زبردستی کر کے ساتھ لے جاتے تھے۔ حبیب الٰہی نے انصار اور ریاض دونوں کو بلا کر بہت سمجھایا لیکن انھوں نے دیکھا کہ دونوں لڑکے "باغی" ہو گئے ہیں۔ انصار تو جوش میں بھرا ہوا ہے۔ لیکن ریاض سنجیدگی سے غور و فکر کر رہے ہیں۔ حبیب الٰہی نے دیکھا کہ سمجھانا بجھانا بے کار ہے لڑکوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ ان کی سب دلیلوں کو چند لفظوں میں رد کر دیتے ہیں تو غصے سے بدحواس ہو گئے۔ ریاض پر تو کوئی بس نہیں تھا

تھی اور کپڑے ہمیشہ صاف پہنتی مگر اس کے علاوہ کوئی خاص سنگھار یا آرائش کا شوق نہیں تھا، بہت سادہ اور الھڑ طبیعت تھی۔ ماں بہن دونوں اس کے لاابالی پن سے کڑھتیں اور اس کو ٹوکتی رہتیں۔ ماں کہتی "عدرا ہر وقت اسکول کے کام کی دُھن سوار رہتی ہے کچھ اور بھی سیکھے گی کہ نہیں؟"

فرح کہتی "اماں ذرا دیکھو تو ہر وقت بال بکھرے رہتے ہیں، جانے منہ بھی دھوتی ہے یا نہیں ــــ سفید دوپٹہ ــــ ہاتھ کان ننگے ــــ جیسے لڑکا ہو؟" نسیمہ کہتیں "ملا سے اچھی تو لڑکا ہو جاتی ماتی لڑکی ہوئی۔ اس کا گزارہ کیسے ہوگا؟"

عدرا کی طبیعت واقعی عام لڑکیوں سے مختلف تھی۔ عورتوں کی باتوں، غیبت اور عیب جوئی، لڑائیوں جھگڑوں سے اس کا دم گھٹتا تھا، سینے پرونے سے جی گھبراتا (اگرچہ ماں کی مجبوری سے سیکھا تھا) ہاں صفائی کا بہت شوق تھا، خود بھی صاف رہتی اور اپنی چیزوں اور اپنے کمرے کو بھی صاف رکھتی۔ بہنوں میں اکثر جھڑپ ہوتی رہتی تھی۔ فرح اپنے کو بڑا سمجھ کر رعب رکھنا چاہتی مگر عدرا بھلا اپنے کو کسی سے کم سمجھتی تھی؟ وہ سنجیدگی کو ملحوظ رکھتی یہ بھڑک جاتی۔ اس لئے قصور نہ ہونے پر بھی ڈانٹ عام طور پہ عدرا ہی پر پڑتی تھی۔

خیر تو عدرا اور ناہرہ کے اثر سے اور بھی کئی لڑکیوں نے کھدر پہننا شروع کر دیا۔ مسز نعیم کو اسکول کی یہ فضا سخت ناپسند تھی۔ بارہا نسیمہ سے اس سے بحث ہوئی لیکن مسز نعیم قائل ہونے والی انسان نہ تھیں۔

ناگوار گزرا اور باوجود لڑکیوں کے انتہائی اصرار کے اسکول میں چرخا نہیں آنے دیا۔ لیکن دل اور خیالات پر تو ماں باپ یا اُستاد کا زور نہیں چل سکتا؟ دو چار لڑکیوں کے سوا باقی سب نے اپنے اپنے گھروں پر چرخا کاتنا شروع کیا اور کھدر بھی پہنے لگیں۔ ہاں مسز نسیم اور محمدی بیگم کے گھر اس وبا سے پاک تھے۔ حبیب الہٰی بھی ناجرہ کو اس کی اجازت نہ دیتے مگر اس نے چپکے سے کھدّر کے کپڑے بنائے اور اسکول جاتے ہوئے نہیں جاتی۔ محمد احسان کو لڑکیوں کے اس شوق سے بہت خوشی ہوئی۔ سیدہ بچی تھی، صغرا جو دوسروں کو کرتے دیکھتی خود بھی کرنے لگتی لیکن عذرا اور ناجرہ اگرچہ پوری طرح خلافت اور آزادی کے معنی نہیں سمجھتی تھیں مگر ان کو اس سے دلچسپی بہت ہو گئی تھی کھدّر کے کپڑے سب سے زیادہ شوق سے انھیں نے بنائے اور مدّت تک پہنتی رہیں۔

فرح کو کھدّر پسند نہ تھا، موٹا موٹا بدوضع کپڑا جو اچھی بھلی شکل کو خراب کر دیتا ہے کیوں خواہ مخواہ پہنا جائے؟ وہ بچپن سے بہت شوقین طبیعت کی تھی (اور جس حد تک ماں کی اجازت تھی) سنگھار بناؤ کرتی رہتی۔ کپڑے ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کاڑھ سا کر پہنتی دوپٹے رنگے ٹکے ہوئے ہوتے، اُسے رضیہ کے نئے نئے فیشن بہت پسند تھے۔ اس کی پوری تقلید تو ماں خالہ کے ڈر سے کہاں کر سکتی تھی مگر پھر بھی بہت کچھ اثر قبول کر لیا تھا۔ بہنوں کی دیکھا دیکھی کھدّر کا جوڑا اس نے بھی سوایا مگر ایک دو مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔

عذرا کی طبیعت بہن سے مختلف تھی۔ یوں میلی کچیلی تو نہیں رہتی

خاموشی سے کرتے اس تحریک نے ان میں عمل کی لگن کو اور تازہ کر دیا
اپنے قصبے والوں میں سب سے پہلے انھوں نے اس تحریک پہ لبیک
کہا کھدر کا استعمال بھی انھیں نے شروع کیا اور خاموشی سے کام
کرتے رہے۔ نسیمہ نے بھی اپنا پرانا چرخہ نکالا اور تھوڑی سی مشق سے
بھولا ہوا ہنر تازہ ہو گیا۔ بھلا لڑکیاں کیوں پیچھے رہتیں۔ ان کا تو
شوق کا زمانہ تھا۔ ہر نئی چیز پسند آتی اور ہر نئی بات کا خیر مقدم
کرتیں۔ چنانچہ ان کے لئے بھی چھوٹے چھوٹے خوبصورت چرخے
خریدے گئے اور اسکول سے جو وقت بچتا وہ چرخہ کاتنے میں صرف
کیا جاتا۔ سوت بکے جو دام ملتے وہ اسکول کے کام آتے۔ اب
اسکول میں ایک اور استانی انگریزی اور حساب پڑھانے کے لئے
رکھ لی گئی تھی۔ استانی اشرف النسا چھوٹی جماعتوں کو پڑھاتی تھیں
عذرا اور رضیہ آٹھویں میں چڑھ گئی تھیں اور پرائیویٹ طور پر پنجاب
سے امتحان دینے کے لئے تیاری کر رہی تھیں۔

اسی زمانے میں ایک مرتبہ "بی اماں" دورہ کرتی ہوئی اکبرپور
آئیں۔ وہاں کے باشندوں نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور ایک
بڑا جلسہ کیا گیا جس میں انھوں نے تقریر کی۔ جلسے میں عورتوں کے لئے
بھی انتظام تھا۔ نسیمہ خاتون اشرف النسا کے ساتھ ان کی تقریر سننے
گئی تھیں اور وہاں "بی اماں" سے ان کی ملاقات بھی ہوئی اگلے دن
بلا اطلاع "بی اماں" لڑکیوں کے اسکول پہنچ گئیں اور وہاں ایک
چھوٹی سی تقریر کی۔ ان کی باتوں کا اثر اشرف النسا اور لڑکیوں
پر بہت ہوا لیکن انگریزی کی عیسائی استانی اور مسز نعیم کو بہت

پیدا ہوگئی تھی، اب اس خواب گراں سے ہوشیار ہو رہے تھے۔ غلامی کی زنجیریں اب انھیں ناگوار اور گراں گذرنے لگی تھیں۔ حکومت پوری سختی سے کانگرس اور خلافت کی تحریک کو کچلنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ رجعت پسند حضرات اس کے آلۂ کار تھے لیکن آزادی و خلافت کا دور دورہ بروز بڑھتا جاتا تھا۔ جن لوگوں نے آزادی اور خلافت کا نام کبھی نہیں سنا تھا، وہ اب کھدر کے کپڑوں میں گاندھی ٹوپی یا چاند تارے کا نشان لگائے پھرتے تھے۔ جو پہلے پولس کے معمولی سپاہی کو دیکھ کر لرز جاتے تھے وہ اب شان خود داری کے ساتھ اکڑتے پھرتے اور علی الاعلان گاندھی اور محمد علی کی جے کے نعرے لگاتے اور آزادی کا راگ الاپتے تھے۔ عورتیں جو سالہا سال سے چرخے کا نام بھی بھول گئی تھیں اور بدیسی کپڑے کی چمک دمک اور سستے پن پر فریفتہ تھیں اب نئے سرے سے چرخے کی دلدادہ ہوگئی تھیں۔ بڑھیاں پرانے پرانے کبھی کبھی کے پڑے ہوئے چرخے نکال کر انھیں تیل دے صاف ستھرا کر کاتنے بیٹھ گئیں۔ نوجوان اور ستو ہیں عورتوں نے نئے اور رنگین چرخے منگائے اور اسی شوق سے سوت کاتنا شروع کر دیا جس شوق سے پہلے بدیسی قسم کی دست کاری میں مشغول رہتی تھیں۔ غرض اندر اور باہر ہر جگہ، امنگ اور خود اعتمادی کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔

محمد احسان قوم کے سچے خیر خواہ، آزادی کے قدرداں اور نہایت مخلص لوگوں میں تھے۔ خلافت کی تحریک سے انھیں خاص دلچسپی تھی مگر چونکہ نمود و نمائش سے ہمیشہ گھبراتے تھے اس لئے جو کچھ کرتے

نواں باب

سنہ ۱۹۲۰ء کا سال تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس زمانے میں سارے ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک ہل چل مچی ہوئی تھی اور ہندو مُسلمان باہمی تفرقے بھُول کر ایک جان دو قالب ہو کر سیاسی بیداری اور اپنے ملک کی آزادی کی دل و جان سے کوشش اور اس کے لئے قربانیاں کر رہے تھے۔ ایک طرف کانگرس کا زور تھا دوسری طرف خلافت کی تحریک اپنے معراج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ محمد علی، شوکت علی کا نام بچے بچے کی زبان پر تھا۔ ہر گلی کوچے سے

"بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو"

کی آواز آتی تھی۔ مُسلمان جو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد غیر ملکی حکومت سے بہت متاثر ہو چکے تھے اور غیر ارادی طور پر ان میں غلامی کی ذہنیت

سوا باجی کے کون ایسا ہوگا جس سے لڑوں اور پھر باجی سے لڑائی میں مزا نہیں۔ ذرا سی بات دل میں رکھ کر اُسے دنوں گھونٹتی ہیں تمہارے جانے سے تو میں جیسے اکیلی سی رہ جاؤں گی۔ اب کون سڑے عمولوں کا مذاق اُڑائے گا کون اصلاح دے گا۔ کون ہر بات پر نکتہ چینی کرے گا۔ اور کون سارے دن اسکول کا کام لیتا رہے گا۔

انصار۔ تو مطلب یہ کہ میں تمھیں یاد آؤں گا؟

عذرا۔ ضرور آؤ گے تم تو وہاں نئے نئے دوستوں اور دلچسپیوں میں مجھے بھول جاؤ گے مگر مجھے تو تمھارا اسکول بھی تمھاری یاد دہی دلائے گا۔

انصار۔ (متاثر ہوکر) واہ میں بھلا تمھیں بھول سکتا ہوں۔ میری اتنی اچھی سی بھابی ۔۔ چھوٹی سی اور سب سے پہلی دوست اور عزیز بہن۔ میں تو تمھیں باجرہ سے بھی زیادہ یاد کروں گا۔ اچھا عذرا خط لکھو گی نا؟

عذرا۔ (بھرائی آواز سے) اماں سے اجازت لے دو پھر ضرور لکھوں گی۔

انصار۔ اماں کچھ نہیں کہیں گی۔ میں پوچھ بھی لوں گا۔

شام کو ریاض اور انصار علی گڑھ روانہ ہوگئے لڑکیاں کئی دن اُداس رہیں۔ نسیمہ خاتون پھر افسردہ رہنے لگیں مگر لڑکیاں کچھ دن بعد اسکول کے کام میں بہل گئیں۔ ریاض اور انصار خطوں میں برابر اسکول کا حال دریافت کرتے اور مفید مشورے دیتے تھے۔ عید کی چھٹی پر ریاض تو نہیں آسکے مگر انصار چار دن کے لئے آئے اور بڑی چھٹیوں میں آنے کی اُمید دلا کر سدھار گئے۔

روانگی کے دن صبح کو عذرا دوریتیں دھیموں میں امام صاحب سی رہی تھی کہ الصار اُس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔
الصار۔ عذرا اب تم نے یہ نئی عادت اختیار کی ہے ؟
عذرا۔ کیا اب ہے کیسی عادت ؟
الصار۔ پہلے کسی بات پہ ناراض ہو جاتی تھیں تو لڑلیتی تھیں پتہ چل جاتا تھا۔ اب منہ پھلالیتی ہو مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کس بات پر ناراضگی ہے
عذرا۔ (تعجب سے) تم ہمیشہ ہی ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہو۔ بھلا آج تو سدھار رہے ہو ناراضگی کا کونسا موقع ہے میں تو بالکل ناراض نہیں۔
الصار۔ جھوٹ۔
عذرا۔ مجھے جھوٹا نہ کہا کرو۔ جھوٹ کے لفظ سے میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر میں خفا ہوتی تو چھپاتی کیوں کیا میں ڈرتی ہوں ؟
الصار۔ (مسکراکر) اچھا تم مجھ سے ڈرتی نہیں؟ یعنی بڈھے ماموں کا نہ ڈر نہ ادب ؟
عذرا۔ (ہنس کر) توبہ توبہ بھول گئی۔ بہت ڈرتی ہوں ۔ اصل میں بھائی جان کے جانے کے خیال سے میرا جی بڑا پریشان ہے اور اب میں اسی بد مزاج تو نہیں رہی کہ بے بات خفا ہو جاؤں۔
الصار۔ خیر یہ تو تمہاری کسر نفسی ہے ورنہ تمہارا مزاج ماشاء اللہ اب بھی کسی سے کم نہیں۔
عذرا۔ میں اب تمہارے ان فقروں سے بُرا نہیں مانتی۔
الصار۔ اچھا مجھے یاد بھی کرو گی یا یہ سوچ کر خوش ہو گی کہ لڑتا رہتا تھا اچھا ہوا چلا گیا۔
عذرا۔ سب سے بڑی وجہ تو یاد کرنے کی یہی ہو گی۔ تمہارے جانے کے بعد

رمالی لڑنے سے کیا ہوگا الگ ایک جوتا ہاتھ میں لے لو تاکہ محلے پڑوس والے تماشہ دیکھنے آئیں۔

فرح اور عذرا شرمندہ اور کھسیانی ہو کر چپ ہو گئیں مگر اسی طرح اسکول کے کاموں میں اکثر دونوں بہنوں میں جھگڑا ہوا کرتا تھا۔

ریاض اور انصار کی روانگی کا زمانہ قریب آگیا۔ ریاض بی اے میں اور انصار ایف اے میں داخلہ لینے جارہے تھے۔ نسیمہ حسب معمول خاموشی سے بیٹے کے جانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ حبیب الہٰی صاحب پرواسے کی جُدائی کا خیال بہت ستاتا تھا لیکن بھاری بھرکم آدمی تھے کسی بیدل کی حالت ظاہر یہ کرتے ہاں اس کے ساتھ جانے کے لئے دنیا بھر کا قیمتی اور اعلےٰ درجہ کا سامان مہیا کر دیا تھا انصار کے منع کرنے پر اُسے ڈانٹ دیتے وہ چاہتے تھے کہ ان کی شان اور حیثیت کے مطابق انصار وہاں رہے مگر انصار سادہ مزاج اور نفس کش طبیعت کا لڑکا تھا اسے نمود و نمائش کی ذراسی بھی پرواہ نہیں تھی۔ دوپہر بھر حبیب الہٰی نواسے کو نصیحتیں کرتے اور رات کو نسیمہ کے ہاں مجلس جمی انصار کے جانے کے خیال سے ہاجرہ بہت رنجیدہ تھی اور انصار کو بھی اُس کی تنہائی کا فکر تھا اور سب لڑکیاں بھی ان دونوں کے جانے سے پریشان تھیں خصوصاً عذرا تو بہت ہی رنجیدہ تھی۔ ہر وقت اس فکر میں رہی کہ بھائی جان اور انصار ماموں چلے گئے تو اسکول کے بارے میں کون صلاح مشورے دے گا پھر گھر کیسا سُونا سُونا ہو جائے گا امی کس قدر گھبرائے گا۔ ریاض کہتے تم گھبراؤ نہیں جو بات پوچھنی ہو خط لکھ کر پوچھ لینا۔ پھر نانا ابا تمھارے پاس ہیں اماں ہیں خالہ نسیمہ ہیں سب کام ٹھیک ہوتا رہے گا۔

سب لڑکے اور محمد احسان اور حبیب الٰہی تک جلسے کا حال سننے کے منتظر تھے۔ جلسے کی شاندار کامیابی کی اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے۔ ریاض سجیدہ آدمی تھے مگر انصار کی تو یہ حالت تھی کہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا وہ اپنی تحریر کو یوں پھولتا پھلتا دیکھ کر جتنا بھی خوش ہوتا کم تھا۔ وہ خود بھی دن رات محنت کرتا اور دوسروں سے بھی کس کر کام لیتا اور ناہرہ و عذرا کو تو ذرا دم کو چین نہ لینے دیتا تھا ناہرہ بعض وقت اُلجھ پڑتی کہ توبہ ہے کیا میں بیل ہوں کہ ہر وقت ہل میں جُتی رہوں" مگر عذرا پر تو خود ہی اسکول کی دُھن ایسی سوار تھی کہ اس کے سوا سب کچھ بھول گئی تھی۔ نسیمہ کہتیں" اچھی کبھی تو آرام بھی کر لیا کر رات کو بارہ بجے سوتی ہے صبح پانچ بجے سے اُٹھ جاتی ہے کوئی وقت تو ذرا سا فرصت کا بھی ہونا چاہئیے" وہ کہتی" اماں انصار ماموں اور بھائی جان چلے جائیں گے۔ پھر مشکل ہو جائے گی"

فرح۔ تم ہی اسکول کی بڑی منتظمہ ہو۔ آخر ایسا بھی کیا کہ کھانا پینا تک آدمی بھول جائے۔

عذرا۔ تم میری ہر بات میں کیوں دخل دیتی ہو۔ خود تو کچھ کرتیں نہیں دوسرا کرے تو اُسے بھی منع کرتی ہیں۔

فرح۔ میں تمھاری طرح خبطی نہیں کہ جس بات کی دُھن لگ گئی اس کے سوا سب کچھ چھوڑ دوں۔ بھائی جان نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے اسی لئے جو چاہتی ہے کرتی ہے۔

عذرا۔ تم چلو۔

فرح۔ اے دیکھئے اماں یہ بدتمیزی کر رہی ہے آپ بھی منع نہیں کرتیں۔

نسیمہ۔ ماشاء اللہ اتنی بڑی بڑی لڑکیاں لڑتی ہوئی کیسی اچھی معلوم ہو رہی ہیں

شروع کردیں۔ رضیہ اور عذرا ایک ایک گھنٹے پہلی دوسری جماعت کو پڑھانے پر مقرر ہوئیں۔ فرح صغرا وغیرہ کھانا پکانا اور دست کاری سکھانے میں مدد دیتیں اس طرح استانی کا ہاتھ بھی بٹتا تھا اور لڑکیوں کو بھی اسکول سے زیادہ لگاؤ پیدا ہوتا تھا غرض اسکول کا کام زور شور سے شروع ہوگیا۔

ستمبر کے آخر میں اسکول میں ایک بڑا جلسہ کیا گیا جس میں اسکول کی سب لڑکیوں نے حصّہ لیا۔ جلسہ میں سو ڈیڑھ سو سے زائد عورتیں جمع ہوگئیں نئی چیز تھی اس لئے سب کو دیکھنے کا شوق تھا۔ کچھ تجسس اور اعتراض کی غرض سے بھی آئیں لڑکیوں نے بہت محنت سے تیاری کی تھی جلسے میں نظمیں، مضمون قصّے وغیرہ سبھی تو پڑھے گئے۔ رضیہ اور عذرا نے تعلیم نسواں پر تقریریں کیں۔ آخر میں مسز نعیم نے سب عورتوں کا شکریہ ادا کیا اور اسکول کی حمایت میں پرجوش تقریر کی اور سب سے آخر میں نسیمہ، مسز نعیم اور محمدی بیگم نے اپنی اپنی گود پھیلادی کہ دیکھیں آپ میں سے کون اپنی لڑکیوں کی بہبود کی خاطر چندہ دیتی ہیں عورتیں مسز نعیم اور محمدی بیگم کی امارت اور نسیمہ کی شرافت اور خودداری سے خوب واقف تھیں انھوں نے جب ان کو ہاتھ پھیلاتے دیکھا تو بڑی شرم آئی اور پہلے ہی جلسے میں ستر روپے آٹھ آنے تین پیسے چندہ ہوا۔ کچھ نے وعدے کئے چندہ دینے میں کم حیثیت عورتیں پیش پیش تھیں اور صاحب ثروت منہ چھپا رہی تھیں جلسے کے بعد ایک کمرے میں سب عورتوں کو لایا گیا جس میں اسکول کی سی ہوئی دست کاری کی چیزیں، پکائے ہوئے کھانے مٹھائیاں وغیرہ سجی ہوئی تھیں اور کئی لڑکیاں فروخت کرنے پر مقرر تھیں ساری چیزیں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں اور تیس بتیس روپے کی بکری ہوئی اور عورتیں ہنسی خوشی اور اسکول کے متعلق اچھی رائے لے کر رخصت ہوئیں۔

ٹال دیا ۔" میں دیکھوں گا اگر یہ اسکول کچھ مفید کام کر سکا تو میں بھی مدد کرنے کی کوشش کروں گا میری اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں جنھیں پورا کرنا ضروری ہے"
یکم اگست ۱۹۱۹ء کی مبارک تاریخ کو لڑکیوں کے اسکول کا افتتاح حبیب الٰہی صاحب کے مبارک ہاتھوں سے ہوگیا اُستانی اشرف النساء سب کو پسند آئیں۔ پہلے دن اسکول میں صغرا، فرح، عذرا، یاسمن، تسنیم رضیہ اور رشیدہ داخل ہوئیں۔ دو چار دن بعد زہرہ اور ذکیہ بھی آہی گئیں رضیہ پہلے تو اپنی قابلیت کے زعم میں رہیں مگر آخر ماں کے سمجھانے، ہمجولیوں خصوصاً فرح کے اصرار اور نئے اسکول کے شوق میں پندرھویں دن وہ بھی داخل ہوگئیں۔ رضیہ اور عذرا چھٹی جماعت میں، فرح، زہرہ اور صغرا پانچویں میں، یاسمن، تسنیم، ذکیہ اور رحمہ چوتھی میں داخل ہوئیں۔ تیسری میں صرف ایک پڑوسی ہندو لڑکی تھی دوسری میں ساں اصغر اور پڑوس کی دو بچیاں اور پہلی میں بی سیدہ۔
پہلے مہینے کی فیس اور داخلے کی آمدنی سے کچھ کیڑا ریشم وغیرہ، کچھ تختے بلیک بورڈ رجسٹر دوات قلم غرض سب ضرورت کی چیزیں منگائی گئیں۔ مسز نعیم اور نسیمہ باقاعدہ دو تین گھنٹے اسکول میں پڑھانے آتیں کبھی جمیلہ خاتون (جو پہلے تو بہت جاہل تھیں مگر قرآن شریف ترجمہ اور مذہبی تعلیم کا نام سُن کر جیسی پڑھ گئی تھیں) اور محمدی بیگم بھی آجاتیں۔ اشرف النساء بڑی اچھی دست کار تھیں انھوں نے لڑکیوں سے دست کاری کی بہت سی چیزیں بنوائیں۔ مہینے کے آخر تک میں بائیس لڑکیاں ہوگئیں۔ انصار اور ریاض پھولے نہ سماتے تھے شام کو گھنٹوں بہنوں سے اسکول کی باتیں پوچھا کرتے۔ بس نہیں تھا کہ خود جا کر پڑھاتا

انصار ڈپٹی صاحب بڑے آدمی ہیں، حکام رس ہیں سب سے کاموں میں چندہ دیتے ہیں مگر جب ہمارے اسکول کو قائم کرادیں تب بات ہے۔

مسز نعیم۔ ایک دن تم دونوں خود اگر ان سے بات کرو نا۔ میں ان کی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتی ہاں میں جو کچھ کر سکتی ہوں اس کے لئے حاضر ہوں

دو ہفتے بعد اُستانی آگئیں نسیمہ، محمد احسان اور حبیب الٰہی صاحب نے اسکول کے لئے دو میں دریاں، دو ایک میزیں، دو چار کرسیاں اور چھوٹا موٹا متفرق سامان اپنے پاس سے دیا دس روپے مہینہ احسان نے پچیس روپے حبیب الٰہی نے، پانچ احسن علی نے دینے کا وعدہ کیا۔ مسز نعیم اور نسیمہ تمام کنبے اور برادری اور جاننے والی عورتوں کے ہاں گھر گھر خود گئیں انھیں اسکول کی ضرورت سمجھائی اور بتایا کہ اس میں کیا کیا پڑھایا اور سکھایا جائے گا پردے کا پورا انتظام ہوگا۔ بعض نے فوراً وعدہ کر لیا کہ تم پر ہمیں اپنے سے زیادہ اعتماد ہے بعض نے کہا ہاں بھیج دیں گے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکیاں انگریزی پڑھنے لگیں لیکن اکثر نے کہا تو ہم کیا جانیں مردوں کو اختیار ہے اور یہ تقریباً سب نے کہا کہ ڈولی کا انتظام کرو تبھی ویسی دیں گے نہیں۔ لڑکوں ہی کو پڑھانا مصیبت ہو رہا ہے لڑکیوں کے لئے کہاں سے لائیں۔ مسز نعیم تو بہت مایوس واپس آئیں مگر نسیمہ کو اس سدھی ہوئی تھی کہ نئی بات سے انھی سب بھڑکتے ہیں، رفتہ رفتہ سب سمجھیں گے۔

ریاض اور انصار بھی شہر کے معزز لوگوں سے جا جا کر ملے، اور کئی حضرات نے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ خود انصار، ریاض، فرحت، نسیم وغیرہ نے دو دو چار چار روپے کا چندہ لکھایا۔ مگر خان بہادر صاحب نے

ریاض۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہے اماں اور خالہ رودواں حاتی رہیں گی تو کسی کو اعتراض رہے گا میں منتی جی سے کہوں گا انگریزی وہ پڑھا دیا کریں گے۔
نسیمہ۔ نہیں میاں ایسی بات۔ کیونکہ ابھی سے لوگ بھڑک جائیں اگر تم کسی مرد کو مقرر کرگئے خواہ وہ کتنا ہی بوڑھا ہو، تو لوگ ضرور مخالفت کریں گے
ریاض اچھا تو جبری الحال اُردو، فارسی، حساب تاریخ وغیرہ کی تعلیم تو شروع ہو۔ انگریزی کے لئے پھر سوچ کر انتظام کریں گے۔
مسز نعیم۔ اور روپیہ؟
ریاض۔ اول تو لڑکیوں کی فیس ہوگی۔ فی الحال صاحب حیثیت لڑکیوں سے زیادہ اور غریب لڑکیوں سے کم فیس لی جائے۔ اس کے علاوہ چندے سے کچھ ملے گا ڈپٹی صاحب، چچا جان، چچا احسن، نانا ابا وغیرہ سے چندہ وصول کیا جائے گا ان کے علاوہ شہر کے اور صاحب ثروت لوگوں کے پاس بھی جائیں گے اگر سال، دو سال کامیابی سے اسکول چل گیا تو گورنمنٹ سے بھی "ایڈ" مل جائے گی۔ کچھ لڑکیوں سے دستکاری وغیرہ کرا کے فروخت کرادیا کیجئے گا۔
نسیمہ۔ احسان سے ذکر کیا تھا۔
الصار۔ جی ہاں ہم نے ان سے کہا۔ انھوں نے بہت پسند کیا اور ہر مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ہاں ریاض بھائی کورس کہاں کا رکھیں گے میرے نزدیک علی گڑھ کے گرلز اسکول کا ٹھیک رہے گا۔
مسز نعیم۔ پنجاب کا آٹھواں تک کا کورس اچھا ہے ایک تو انگریزی لازمی نہیں، دوسرے دستکاری کھانا پکانا سلائی تیمارداری وغیرہ بھی سکھائی جاتی ہے۔
ریاض انصار بھئی تم سب جگہ کے سلیبس منگالو جو بہتر ہوگا وہی رکھا جائے گا حالا آپ ڈپٹی صاحب سے ذکر کیجئے گا۔ ان سے ہمیں بہت زیادہ مدد کی امید ہے۔

ریاض۔ خالہ صاحبہ اگر کام کرنا ہے تو ہمت کرنی پڑے گی لوگ تو بُرا کہا ہی کرتے ہیں اور اب بھی ضرور کہیں گے اگر آپ جیسی تعلیم یافتہ اور روشن خیال خواتین بھی لوگوں کے کہنے سننے کی پروا کریں گی اور ان لے رہاں لڑکیوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کریں گی تو پھر کون ان کا حامی ہوگا۔ اللہ کا نام لے کر اسکول کی ابتدا کر ڈالئے۔ آگے خدا مالک ہے۔

نسیمہ۔ دل تو میرا بھی بہت چاہتا ہے اور لڑکیوں کو تو دُھن لگی ہے مگر آخر جگہ کا سوال ہے، پڑھانے والیوں کی ضرورت ہے اور سب سے بڑا سوال روپے کا ہے؟ لڑکیاں بھی کافی ہونی چاہئیں۔

انصار۔ ابھی دس پندرہ لڑکیاں کافی ہیں پھر ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی اور لوگ بھیجنے لگیں گے رہا روپیہ وہ تو چندہ کرنے سے ملے گا یوں تو کوئی دینے سے رہا۔

ریاض۔ میں نے ماما سے کہا تھا وہ اپنا چھوٹا مکان اسکول کے لئے دینے پر تیار ہیں اُستانی کا سوال آپ حل کیجئے کہ کہاں سے ملے گی۔

مسز نعیم۔ (کچھ دیر سوچ کر) لاہور میں ایک بوڑھی استانی مری جاننے والی ہیں دہلی کے کسی شریف خاندان کی ہیں مصیبت پڑی تو پڑھنے کی سوجھی۔ اس عمر میں تیاری کرکے آٹھویں کا امتحان اور جے اے۔ وی کا امتحان پاس کیا ہے اور اب وہاں کسی اسکول میں ملازم ہیں میرا خیال ہے کہ ہم انہیں یہاں لائیں گے تو ضرور آجائیں گی۔

ریاض اور انصار۔ (خوش ہو کر) آپ آج ہی انہیں خط لکھ دیجئے ہمارے علی گڑھ جانے میں دو مہینے باقی ہیں ہمارے سامنے اسکول کھل جاتا تو بہت اچھا تھا۔

نسیمہ۔ دو گھنٹے تو میں مسئلے مسائل سکھانے اور قرآن و اُردو پڑھانے کو تیار ہوں۔

مسز نعیم۔ فارسی اور لکھنا میں سکھا دیا کروں گی۔

باتیں مفید اور اچھی ہیں جنھیں اختیار کر لیں اور کون سی نقصان دہ اور ناکارہ ہیں
جنھیں چھوڑ دیں۔ اگر یہ کیا تو اندھی تقلید یا قدامت پرستی ہمیں برباد کر دے گی۔ مجھے
سب بچوں کے مضمون اور نظمیں پسند آئیں خصوصاً انصار جمیل رضیہ اور عذرا کی تقریریں
میں نے بہت دلچسپی سے سنیں انصار مغربی تعلیم کا دلدادہ اور اس کا اندھا مقلد ہے اچھے
بُرے سے مطلب نہیں لڑکیاں انگریزی پڑھ گئیں تو بس مقصد حاصل ہو گیا رہے جمیل،
وہ بیسویں نہیں انیسویں صدی کی ذہنیت رکھتے ہیں مگر صرف عورتوں کے لئے۔
رضیہ کی تقریر اچھی تھی مگر وہ ذرا ضرورت سے زیادہ آزادی چاہتی ہیں جس کو کم سے کم مجھ
جیسے بڈھے پسند نہیں کریں گے ہاں عذرا کی باتیں مجھ جیسے پرانے زمانے کے آدمی کو بھی
دل لگتی معلوم ہوئیں وہ بچی ہے اپنے خیالات پوری وضاحت سے ظاہر نہیں کر سکی
مگر اس نے سیدھے سادے الفاظ میں جو باتیں کہی ہیں وہ بڑے پتہ کی ہیں واقعی
لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت کے وقت یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ ان کو علم کی
روشنی سے منور کریں اور خدمت ایثار، بچوں کی پرورش اور گھرداری کا شوق بھی
دلائیں جہاں کی بڑائی اور فاضل قدر صفتیں ہیں مجھے ان بچوں کا شوق دیکھ کر بہت
مسرت ہوئی خدا انھیں اور زیادہ ہمت اور عمل کی لگن دے آمین۔"

شام کو ریاض اور انصار نے مسز نعیم اور نسیمہ سے اسکول کا ذکر چھیڑا۔
مسز نعیم۔ بیٹا میں تو خود سے آئی ہوں اسی فکر میں ہوں کہ لڑکیوں کا ایک اسکول
کھل جائے پر کیا کروں میں تو سارے شہر میں بدنام ہوں کہ آزاد ہے بے پردہ ہے جیسی
خود ہے ویسی ہماری لڑکیوں کو بنا دے گی ان باتوں سے دل برداشتہ ہو کر کچھ کرنے کی
ہمت نہیں ہوتی ہاں اگر نسیمہ کا ہاتھ اس کام میں ہو گا تو شاید کامیابی ہو جائے ان کا
اثر صرف اپنی برادری کی بلکہ سارے شہر کی عورتوں پر ہے۔

پڑھ کر وہ ریاض کے پیچھے جا بیٹھی اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے اور چہرہ سُرخ ہو رہا تھا سب لڑکے لڑکیاں حیرت سے اُسے دیکھنے لگے عذرا ابھی ہم جولیوں میں سب سے چھوٹی تھی لیکن اس کا مطالعہ وسیع تھا دوسرے اس میں ڈر بھی اور جوش تھا جس کی وجہ سے وہ بات کہنے میں جھجکتی نہیں تھی اسی لئے وہ اتنا اچھا بول سکی ۔ عذرا کے جواب میں جمیل نے پھر کچھ کہنا چاہا مگر صدر صاحب نے روک دیا کہ باقی کارروائی کا وقت نہیں رہے گا۔

ہاجرہ اُٹھیں اور باعشائی اور اس کے جواب میں اپنا مضمون سنایا اس کے بعد فرح نے ہچکچا کر گھرداری کے عنوان سے چھوٹا سا مضمون پڑھا آخر میں فرح صغرا اور ہاجرہ نے مل کر ترنم سے حالیؔ کی دعائے حاملہ جامدہ "بس وقت دعا ہے" پڑھی۔

اس کے بعد ریاض نے کھڑے ہو کر بتایا کہ ان جلسوں کی ابتدا کس طرح ہوئی اور ان کا کیا مقصد ہے پہلے جو دو جلسے ہوئے تھے ان کا ذکر کیا لڑکیوں کے شوق محنت اور اُمنگ کو سراہا اور بزرگوں سے درخواست کی کہ آپ سب لوگ اس میں دلچسپی لے کر ان کی ہمت افزائی کریں اور جلسوں کو کامیاب بنانے میں مدد دیں۔

پہلے جلسہ ختم ہوا۔ مگر ابھی نہیں۔ وہ صبے الٰہی صاحب ابی لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو گئے کچھ دیر کھانستے رہے پھر بھاری آواز میں کہا" میں بڈھا آدمی ہوں میرے زمانے میں لڑکے لڑکیاں کیا بڈھی بڈھی عورتیں اپنے باپ دادا کے سامنے بولتی ڈرتی تھیں میرے لئے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ لڑکیاں اور لڑکے جلسے کریں اور اس میں تقریریں کریں مضمون پڑھیں اور مل مل کر گائیں۔ مگر میں ان باتوں کو برا سمجھتا ہوں بُرا نہیں۔ زمانہ بدل گیا۔ زمانہ کی روش بدل گئی معاشرت بدل گئی اور تہذیب بھی بدلتی جا رہی ہے اور ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ سب پُرانی باتیں بجنسہ نہیں رہ سکتیں نہیں غور کرنا چاہیے کہ کون سی

دائیں طرف جا کر کھڑی ہوئی اور جمیل کی مخالفت میں تقریر شروع کی۔ اس نے تعلیم کی
حمایت کے ساتھ یہ بھی کہا یہ مردوں کی انتہائی خود غرضی ہے کہ وہ چاہتے ہیں عورتیں نہ پڑھیں
لکھیں نہیں بلکہ گھر کے کام کاج میں جتی رہیں وہ ان کی لونڈیاں نہیں برابر کی شریک
ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ مردوں کی ناانصافیوں کو عورتیں خوشی سے سہہ لیتی تھیں
اب تو وہ ان کے برابر بلکہ ان سے بڑھ کر رہیں گی۔ وہ کیوں گھر کا کام اور بچوں کی پرورش
کریں وہ تو اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے زندگی کے ہر شعبے میں حصہ لیں گی مردوں کا جی چاہے یہ کام
خود کریں یا کسی اور سے کرائیں۔ مرد کو کس نے یہ حق دیا کہ وہ عورت کو لونڈی سمجھے اگر وہ عورت کو
لونڈی سمجھے گا تو عورت بھی اُسے غلام سے بدتر جانے گی۔" کئی منٹ تک رضیہ بے تکان بولتی چلی
گئی خیالات میں تسلسل نہیں تھا لیکن غصہ اور جوش کی وجہ سے روانی آ گئی تھی۔

اتنے رضیہ بولتی رہی ریاض نے چپکے سے جلدی جلدی عذرا کو کچھ باتیں بتائیں جس کو
اس نے ایک پرچے پر نوٹ کر لیا۔ رضیہ کے بیٹھنے کے بعد عذرا سر جھکائے ہوئے بڑھی چند
لمحے تک خاموش کھڑی رہی اس کے ہاتھ اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور جب بولی تو
آواز میں کپکپاہٹ تھی لیکن ذرا دیر میں یہ کیفیت دور ہو گئی عذرا نے پہلے جمیل اور رضیہ کی
تقریر کا مقابلہ کیا کہا ایک سرے پر جمیل بھائی ہیں دوسرے سرے پر رضیہ ہیں صحیح
راستہ ان دونوں کے بیچ کا ہے عورتوں کو نہ جاہل رہنا چاہیے نہ اپنی ذمہ داری کے کاموں
سے گھبرانا اور انھیں چھوڑنا چاہیے وہ گھرداری بھی سیکھیں اور تعلیم بھی حاصل کریں۔ نہ
میم بن جائیں نہ جانور رہیں۔ آخر میں اس نے جوش بھری آواز میں کہا جو مرد عورتوں کو
جانور سمجھتے اور انھیں ذلیل بے جان اور بے حس خیال کرتے ہیں وہ سخت غلطی کر رہے ہیں
اب عورتیں بھی غفلت کی نیند سے ہوشیار ہو رہی ہیں اور وہ ان کی باتوں میں نہیں آئیں گی
یاد رکھیے اگر آپ نے عورتوں کو علم جیسی بے بہا دولت سے محروم رکھا تو دنیا میں بھی
اور خدا کے ہاں بھی اس کا جواب دینا پڑے گا۔ پھر جیب کی داد کے آخر کے دو تین بند

پس تیاریاں جلسے کی ہیں اس سے پہلے دو چھوٹے جلسے یہ لوگ کر چکے ہیں یہ تیسرا جلسہ زیادہ تیاری کے بعد اہتمام سے کیا جارہا ہے اور اس کی صدارت کے لئے بڑی خوشامد سے ڈاٹ ڈپٹ سُنسے کے بعد انصارے حبیب الٰہی صاحب کو رضامند کیا ہے لیجئے جلسہ شروع ہوگیا۔
صغرا شرمائی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھی اور حبیب الٰہی کے داہنی طرف کھڑے ہوکر نہایت خوش الحانی سے سورۂ رحمٰن کے ایک رکوع کی تلاوت کی حبیب الٰہی صاحب نے کھنکار کر جزاک اللہ کہا
بودہ اب اصغر کھڑا ہوا اس نے اقبال کی "بچے کی دعا" بہی پیاری سی آواز میں گاکر پڑھی۔
اصغر کے بیٹھتے ہی سیدہ آنکھیں جھکائے آکر کھڑی ہوگئی اور چھوٹی سی آواز میں شرماکر ساحات میوہ میں سے چند شعر پڑھے سب نے ستا ماستی دی۔
لیجئے وہ انصار اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور بڑے جوش و خروش سے لڑکیوں کی تعلیم پر تقریر شروع کی انگریزی تعلیم پر خاص طور پر زور دیا وہ بیٹھے بھی نہیں پائے تھے کہ جمیل نے صدر سے اجازت طلب کی اور تفصیل سے تعلیم خصوصاً انگریزی تعلیم کی بُرائیوں پر روشنی ڈالی، آزادی کی خرابیوں کو گنایا اور کہا عورت کا فرض گھر کا کام بچوں کی پرورش اور مرد کی خدمت کرنا ہے اُسے پڑھا لکھا کر آزادی دینا اور گھر کی زندگی کو ختم کردینا صرف غلط بلکہ نہایت خطرناک ہے بس قرآن حدیث کی معمولی تعلیم اور تھوڑا بہت اُردو پڑھنا لکھنا آجائے تو اس کے لئے نہایت کافی ہے جمیل کیا بول رہا تھا معلوم ہوتا تھا حمیلہ خاتون کی زبان اس کے منہ میں رکھ دی گئی ہے پرانے زمانے کی بعض عورتیں اس کی تقریر سے خوش ہورہی تھیں لیکن ساری لڑکیاں اور لڑکے پیچ و تاب کھارہے تھے جمیل پسینہ پونچھتے ہوئے جاکر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور رضیہ جھجکتی ہوئی صدر کے

آٹھواں باب

برسات کا زمانہ ہے آسمان پر ابر چھایا ہوا ہے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے حبیب النبی صاحب کے مکان کے بڑے کمرے میں دری چاندنی کا فرش بچھا ہوا ہے وسط میں مخملی قالین اور گاؤ تکئے رکھے ہیں جس سے ٹیک لگائے حبیب النبی صاحب سفید بس کی لمبی داڑھی، بڑی بڑی تیز آنکھیں، سفید انگرکھا اور سفید عمامہ باندھے بیٹھے ہیں داہنی طرف چاندی کی موٹھ کی لکڑی اور چاندی کا خاصدان اور دوسری طرف پھرت کا چمکدار اگالدان رکھا ہے ان کے قریب ہی نسیمہ خاتون سفید کپڑے پہنے بیٹھی ہیں۔ عذرا، فرخ، صغرا، ناجمہ، سیدہ، رضیہ، یاسمین، مسز نعیم، ریاض انصار، جمیل، فرحت وغیرہ ادھر ادھر قرینے سے بیٹھے ہیں ایک لڑکا فرشی پنکھا جھل رہا ہے اور ایک ماما پان اور پھل چھتی کر رہی ہے برابر کے کمرے کے دروازے پر پردہ پڑا ہے اور پردے کے ادھر محمدی بیگم، ذکیہ، شمیم، محمدہ وغیرہ بیٹھی ہیں۔

لڑکیاں اس بیہودی حرکت پر ہنس پڑیں۔ ریاض نے مسکرا کر کہا "حضرت یہ اسکول کا کمرہ نہیں برائی قسم کی خواتین کا مجمع ہے" انصار ہنسنے لگے عذرا نے بھائی کے پاس جا کر محبت سے ان کے کاندھے پر سر رکھ کر کہا "میرے بھائی جان کتنے اچھے ہیں کیسی اچھی اچھی باتیں سوچتے ہیں" ریاض نے پیار سے اس کا سر سہلایا "واہ اچھی اچھی باتیں تو تم سب نے سوچیں یا انصار نے میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

ناجرہ۔ اب اسکول کسی طرح کھلوائیے۔

عذرا۔ ہاں اب تو اس کے خیال میں رات کی نیند بھی اڑ جائے گی۔

فرح۔ خدا کرے جلد ہی سے اسکول قائم ہو جائے۔

سیّدہ۔ ہم بھی اسکول میں پڑھیں گے۔

نسیمہ۔ معلوم ہے اب کیا وقت ہے؟ ایک بج چکا ہے اب تم سب فوراً لیٹ جاؤ اور صبح کو جس نے ہمارے پڑھی اس کا ناشتہ بند۔

اب بھلا کس کی مجال تھی کہ ان کے حکم سے سرتابی کرتا ناجرہ اور انصار اپنے گھر گئے اور یہ سب اپنے اپنے پلنگوں پر لیٹ کر خیالی پلاؤ پکانے لگے۔

ایک دن بجائے فرح کے کوئی اور گھر کا کام کیا کرے۔ کیوں منظور؟"

"جی ہاں منظور"

"ناحرہ کی باغبانی والی تجویز خوب ہے تم سب اپنی اپنی ایک ایک کیاری بناؤ اور پھولوں کے گملے رکھوا ور ایک کاپی بناؤ جس میں پھولوں اور ترکاریوں کے بونے کا روزنامہ کیفیت نتیجہ وغیرہ صفائی اور خوش خطی سے لکھا جاتا رہے اور اگلی مرتبہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔" ناحرہ بہت خوش ہوئی

"بھائی جان بہت ٹھیک بات ہے۔"

"اب اصغر اور سیدہ کی تجویز کو لیجئے۔ اصغر تو ڈرائنگ سیکھ ہی رہے ہیں اور جو چاہیے اس کے ساتھ یا علاوہ اس سے اس میں کو حاصل کرے۔ سیدہ کو گیند بلا منگا دوں گا۔ اور سیدہ جس کو جی چاہے گا اپنے ساتھ کھلائے گی

اب رہی ہماری عذرا خاتون کی تجویز۔ اس سے میں بہت خوش ہوا۔ اُسے صرف پڑھنے کا ہی نہیں لکھنے کا بھی شوق ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میری دوسری بہنوں کو بھی پڑھنے لکھنے کا اتنا ہی شوق ہو جائے۔ بھئی عذرا تمہاری تجویز میں ایک اور بات بڑھا دی جائے تو کیسا ہے؟ یعنی ہر مہینے تم لوگ ایک جلسہ کرو جس میں اماں، ماما آپا یا کسی اور بزرگ خاندان کو صدر بناؤ۔ جلسے میں سب اپنی اپنی پسند اور سمجھ کے مطابق مضمون یا قصہ لکھ کر پڑھیں یا زبانی تقریر کریں۔ اپنی لکھی ہوئی یا اپنی پسند کی نظم سنائیں اس سے لکھنے کی بھی مشق ہوگی اور بولنے کا سلیقہ بھی آئے گا۔ جھجک بھی دور ہو جائے گی اور چہل پہل دل چسپی تو ہوگی ہی تم لوگ اپنی سہیلیوں اور بہنوں کو بھی جلسے میں شرکت کی ا۔ نظم اور مضمون پڑھنے کی دعوت دے سکتی ہو۔"

الصارے زور سے تالی بجائی ـــ "تعریف جیرو ور ریاض بھائی جان"

بولے "آپا جان آپ کے خیال میں میں ایسا بے وقوف ہوں کہ یہ سمجھتا ہوں کہ ابھی بغیر کسی مدد یا مشورے کے اسکول قائم کر لوں گا۔ میں نے ایک تجویز پیش کی ہے تاکہ سب کی توجہ اس طرف ہو سکے اور وہ غور کریں۔"
نسیمہ۔ میاں میں تمھیں بے وقوف نہیں کہتی بلکہ میں تو تمھاری ہمت کی تعریف کرتی ہوں کہ جس بات کی طرف بڑے بڑے لوگوں کو توجہ نہیں ہوئی اس کا تم نے خیال کیا لیکن یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ اسے بچوں کا کھیل نہ سمجھ بیٹھنا۔ یہ بڑا کٹھن کام ہے اگرچہ یہ میں جانتی ہوں کہ تم لوگوں نے دل میں ٹھان لی تو ضرور کوشش کرو گے اور انشاءاللہ اسکول کھلوا کر دم لوگے۔
نسیمہ کی باتیں سن کر سناٹا چھا گیا لڑکیوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اب ریاض کھڑے ہوئے "اس وقت میرے بھائیوں اور بہنوں نے جو مرے دار دل چسپ اور مفید تجویزیں سنائیں انھیں سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور یہ اندازہ بھی ہوا کہ ہماری لڑکیوں میں کام کرنے کا کس قدر حوصلہ، امنگ شوق اور صلاحیت ہے اور اگر پورا موقع ملے تو یہ کیا کچھ کر سکتی ہیں۔ مسٹر انصار کی تجویز بہت اہم اور نہایت ضروری ہے اماں کی رائے صحیح ہے کہ یہ کوئی آسان کام نہیں لیکن انشاءاللہ ہم دونوں اور ہماری اماں اس کے لئے جان توڑ کوشش کریں گے اور خدا نے چاہا تو تم لوگوں کے واسطے اسکول قائم کرا کے دم لیں گے لیکن فی الحال اس کو ملتوی کر کے باقی تجویزوں پر غور کرتے ہیں۔ فرح کی رائے ہے کہ ماری ماری سے سب گھر کا کام کریں۔ بھئی فرح تم جانو ہو ما، میں تو اس میں شرکت نہیں کر سکتا کیونکہ بہت پھوہڑ آدمی ہوں اچھا بھلا کام بگاڑ کر رکھ دوں گا۔ انصار چاہیں تو اس میں شریک ہو سکتے ہیں ہاں ایک ترمیم پیش کرتا ہوں بجائے روز کے ہفتے میں

رئیسوں سے وصول کیا جائے، آخر وہ ہے کس لئے؟

لڑکیاں پھڑک اٹھیں اور آپس میں اس کے متعلق زور شور سے باتیں کرنے لگیں کہ ساری مجلس درہم برہم ہو گئی۔ ریاض نے اٹھ کر مقرر یا محرک کو گلے سے لگا لیا۔ اور میاں انصار ایک ہیرو کی سی شان سے مجمع کے بیچ میں آ کر بیٹھ گئے اور بیار مندی کی ادا سے سب کی تعریفوں کے جواب میں مسکرانے لگے جب ذرا ہڑبونگ کم ہوئی تو ریاض نے ماں سے کہا "اماں انصار نے جو بات کہی اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

نسیمہ۔ میاں تم سب بچے ہو اور ہر کام کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہو۔ بھلا یہ تو سوچو کہ اسکول وہ بھی لڑکیوں کا اسکول، قائم کرنا بھی ہنسی کھیل یا گڑیاں کا بیاہ ہے جو یوں ہی آپس میں تحریریں کر کے قائم کر لیں۔ انصار میاں جوانی کے جوش میں ہر کام کو سہل سمجھتے ہیں۔

ریاض۔ اماں یہ کام مشکل ہے ناممکن تو نہیں

نسیمہ۔ خیر ناممکن تو دنیا میں کچھ بھی نہیں مگر ایسا مشکل کام یوں نہیں ہو سکتا جیسے تم کہہ رہے ہو۔ جب تمہارے ابا نے لڑکوں کا اسکول قائم کرنا چاہا تھا تو برسوں انھیں جدا جانے کتنی کوشش اور محنت کرنی پڑی تھی اور ہزاروں آدمیوں کی مخالفتیں سہیں۔ تب کہیں جا کر یہ اسکول قائم ہوا تھا اگر واقعی تم لوگ یہ چاہتے ہو تو اس کی طرف پہلے شہر کے معزز معتبر اور پیسے والے لوگوں کو متوجہ کرواور کوشش کرو کہ ان میں اس کام سے دلچسپی پیدا ہو اور وہ اس کی ضرورت کو سمجھیں تب شاید اسکول کھل سکے یوں باتیں بنانے سے نہیں کھل سکتا۔

انصار بیچارے کا سارا جوش اور ولولہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ دل گرفتہ ہو کر

محترمہ آپا جان اور دوسری معزز خواتین کی مدد درکار ہوگی اور تھوڑا بہت روپیہ بھی چاہیئے گا۔ اس کام میں مشکلیں بھی ہوں گی اور محنت بھی کرنی پڑے گی مگر وہ سب سے زیادہ مفید دلچسپ اور ضروری کام ہے جس کو جلدی سے جلدی انجام دینا چاہیئے " سب لڑکیاں' کیمہ اور خود رباص بڑے شوق سے انصار کی باتیں سُن رہے تھے اور غور سُننے کو بے چین تھے انصار مقرروں کے انداز میں کھانسے' سب کے مشتاق چہروں کو دیکھ کر مُسکرائے۔

ریاض۔ کہہ بھی ڈالو۔ کہاں تک اشتیاق دلاؤ گے۔

عذرا۔ ایسی کوئی معمولی سی بات ہوگی جسے اتنا اینچ پینچ سے بیان کر رہے ہیں۔

ہاجرہ۔ یہ تو ان کی عادت ہی ہے۔

انصار۔ (گھور کر) جی اور کیا؟ سب سے پہلے تم ہی دونوں نہ بھڑک اُٹھو تو سہی۔

ریاض۔ یار کہہ بھی ڈال۔

انصار نے آواز کو رُعب دار سا کر کہنا شروع کیا۔ حاضرین ہمارے شہر میں ایک ایسے ادارے کی کمی ہے جس کے بغیر ہماری لڑکیوں کی زندگیاں برباد ہو رہی ہیں ——— آپ لوگ میرا مطلب سمجھے ——— لڑکیوں کے اسکول کی ——— میری تجویز یہ ہے کہ جلد سے جلد ایک چھوٹا سا مُسلمان لڑکیوں کا مدرسہ کھول دیا جائے جس میں دو ایک بڑھے اُستاد پڑھائیں۔ دو چار شہر کی معزز خواتین خانہ داری' دستکاری اور کھانا پکانا سکھائیں' ایک آدھ اُستانی حساب اور انگریزی کے لئے رکھ لی جائے شہر بھر کے شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس میں پڑھیں۔ روپیہ شہر کے

اب لولو عذرا تم "
عذرا۔ پہلے آپ اور بھائی جان سنائیں پھر میں سناؤں گی۔
فرح۔ یہ کیا نخرے ہیں کہ پہلے وہ پھر میں۔ تمہاری کون سی دنیا سے رالی تحریر ہے جو سناتی جھی نہیں ہو۔ عذرا نے چمک کر جواب دیا "تمھیں کیا جاؤ نہیں سناتے "۔
ریاض۔ (پیار سے) دیکھو عذرا پھر تم نے لڑنا شروع کر دیا۔ لو اب سناؤ بھی کیا سوچا ہے۔
عذرا بھائی کو چاہتی بھی بہت تھی اور تھوڑا سا ڈرتی بھی تھی محبور ہوکر بولی "بھائی جان یہ سب مل کر میرا مذاق اُڑائیں گے"
انصار۔ وعدہ کرتے ہیں کہ مذاق نہ اڑائیں گے تم کچھ کہو تو سہی۔
عذرا۔ ہم سب مل کر مضمون اور قصے لکھا کریں۔ آپ اور انصار ماموں بھی اس میں شریک ہوں۔ ابا ابا کو جج بنا دیں اور ان کی رائے میں سب سے اچھا لکھا ہو اُسے انعام دیا جائے۔
فرح۔ (چپکے سے) بھائی جان اور انصار ماموں کے مقابلے میں تو تمھیں انعام ملنے سے رہا۔
عذرا۔ دیکھ لیجئے بھائی جان۔
ریاض۔ دیکھو فرح یہ بُری بات ہے۔ ہاں صدر صاحب اب آپ فرمائیں
انصار۔ صدر تو حیر جناب ہیں۔ مگر اب میں اپنی تجویز عرض کرتا ہوں یہ کہہ کر بڑی سنجیدگی سے انصار کھڑے ہو گئے "لیڈیز اینڈ جنٹلمین، تجویزیں تو ایک سے ایک اچھی ہوئیں لیکن ایک چیز ہے جس کی طرف معزز حاضرین کا خیال نہیں گیا۔ جو کام میں تجویز کرنے والا ہوں اس میں نہیں

گھر کا کام ۔ یا گڑیوں کا بیاہ۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم باغبانی شروع کر دیں تو وہ بہت دلچسپ اور نئی چیز ہو گی۔ عمدہ ترکاریاں، خوبصورت پھول، مزے دار پھل سب باغبانی سے مل سکتے ہیں اور ورزش اور تفریح مفت میں ہوتی رہے گی۔

عذرا۔ اور اتنی زمین کہاں سے آئے گی۔

ہاجرہ۔ ہم کوئی پورا کھیت یا باغ نہیں لو رہے۔ اپنے اپنے گھروں کے صحن میں کیاریاں بنالیں گے۔ پھول اور پودے گملوں میں لگ جائیںگے خود ہمارے ہی صحن میں کتنی زمین بے کار پڑی ہے وہیں سب مل کر باغبانی کر سکتے ہیں۔

ریاض۔ (مسکرا کر بھئی ہاجرہ بہت اچھی تجویز سوچی۔ اب ذرا دوسروں کی بھی تجویزیں سن لیں۔

ریاض کا جملہ ختم نہیں ہوا تھا کہ میاں اصغر نے آکر اُن کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ ”بھائی جان ہم سب ڈرائنگ سیکھیں ۔ آیا ہاجرہ کے پھل پھول پتوں درختوں سب کی تصویریں بنائیں، اور ان میں رنگ بھریں۔ بڑا مزا رہے گا۔

بات یہ تھی کہ اصغر آج کل ڈرائنگ سیکھ رہے تھے اور دن رات بہنوں کی کتابوں کاپیوں اور دیواروں پر مشق کرتے رہتے تھے۔ صغرا نے ہنس کر کہا ہاں تو اکیلا سائے کو کم ہے کہ اور سب بھی تیرے ساتھ مل کر گھر بھر کی چیزوں کا ناس کیا کریں“ سب ہنسنے لگے تو سیدہ نے ہنسے زور سے تالی بجائی اور چلا اُٹھیں ”بھائی جان گیند بلا۔ گیند بلا“ اور ۔۔ نے ہنس کر کہا ”بہت اچھا آپ کو گیند بلا ہی لے دیا جائے گا

جوڑے ایسے ایسے گھر جوش و آباد ہیں اب ہمیں بھی اس فرض
کی ادائیگی کے بعد دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہونا
چاہیے۔ ٹھیک ہے نا؟"
سب لڑکیوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے بس اب تو
بیاہوں سے جی بھر گیا۔"
عذرا۔ شکر ہے کہ تم لوگوں کا بھی جی بھرا ہیں تو تھک تھی اب عمر بھر یہی ہوگا۔
ریاض۔ اچھا تو مجلس کی متفقہ رائے یہ ہے کہ گڑیوں کا کھیل ختم اور کوئی
دوسرا کام شروع کیا جائے اب تم سب سوچ کر اپنی اپنی پسند کا کوئی
سا کام بتاؤ جو سب کو پسند آئے گا وہ شروع کیا جائے گا۔
کچھ دیر سب سوچتے رہے فرح نے سب سے پہلے زبان کھولی
"بھائی جان اگر ہفتے میں ایک ایک دن باری باری سے سب گھر کا کام کیا
کریں تو بڑا مزا آئے بشرطیکہ آپ اور انصار بھائی بھی شریک ہوں
اس سے سب کو گھر کے کاموں سے واقفیت بھی ہو جائے گی اور یہ بھی
پتہ چل جائے گا کہ کون سب سے بہتر کام کرتا ہے۔
ریاض۔ اچھا ایک تجویز تو یہ ہوئی۔ اب تم بتاؤ صغرا؟
صغرا حسب عادت شرما کر سکڑ گئی سب نے بہت اصرار کیا تو کہا
میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا جو سب کریں گے وہی میں کر لوں گی۔
انصار۔ لیجئے یہ تو نکل گئیں۔ اب تم بولو عذرا؟
عذرا۔ پہلے ہاجرہ بتائیں پھر میں اپنی تجویز بتاؤں گی۔
ہاجرہ۔ (بڑے انداز میں) دلچسپ اور مزے کے کام ہونے کو بہت
سے ہو سکتے ہیں لیکن ان میں سے بعض ہم کرتے بھی رہتے ہیں جیسے

تم چیں نہیں لینے دیتے آکر ماں کھاتے ہو کر کس سے حا ہو۔
انصار۔ نواب پتہ چلا تم اس لئے ناراض ہو۔ چلو خیر یہ قصہ اب ختم ہوا اب تم ایا بڑھنا لکھنا شروع کردو آج میں نے ماما آبا کے کتب خانے سے تمھارے لئے ایک بڑی اچھی کتاب تلاش کی ہے شام کو لا کر دوں گا۔ پڑھ کر اس پر بحث کریں گے۔
عذرا کتاب کا نام سُن کر خوش ہو گئی

رات کے وقت سب کھانے والے سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ ریاض آکر تخت پر بیٹھ گئے اور آواز لگائی' لڑکیو چلو ــــ ایک نئی بات" سب اپنے اپنے پلنگوں سے کود کود کر اُٹھ آئے اور فرح صغرا، عذرا، سیدہ اصغر سب ریاض کے گرد آکر بیٹھ گئے اور اصرار شروع ہوا ہاں بھائی جان بتایئے کیا نئی بات ہے ریاض نے کہا ذرا ٹھیرو انصار اور اجرہ بھی آجائیں۔ ذرا دیر میں وہ دونوں بھی آگئے۔
انصار۔ (مُسکرا کر) او ہو یہاں تو پارلیمنٹ کے سب ممبر موجود ہیں۔
ریاض۔ ہاں بس صدر کی کمی تھی وہ تمھارے آنے سے پوری ہو گئی۔
ریاض نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر فرح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ــ
"دیکھو بھئی اب شادیاں تو بہت ہولیں اور عذرا کے سوا سب کے لڑکے لڑکیاں بیاہ گئیں۔ رہی عذرا تو اسے شادی کرنا پسند نہیں وہ اسی گڑیا ننگ کو بیاہنا نہیں چاہتی ہماری رائے یہ ہے کہ اب تم لوگ بھی اس قصے کو ختم کردو سب شادی شدہ

انصار۔ میں تو اپنے گڈے کو کہہ رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے تمھارا داست بھی پیٹ ہے۔

عذرا۔ مرد ہو کر گڑیاں کھیلو گے۔

انصار۔ پھر کیا کروں تمھاری لڑکی کو کوئی پوچھتا نہیں تم اس صدمہ میں گھلی جاتی ہو۔ میں نے کہا چلو میں ہی کرلوں۔ سچ بتاؤ بیاہ کیوں نہیں رچاتیں۔ لاؤں گڈا ڈھونڈ کر۔

عذرا۔ انصار ماموں مجھے یہ گڈے گڑیا کی شادیاں کرنا اور وقت ضائع کرنا اچھا نہیں لگتا۔ بھلا کوئی بات بھی؟ میرا تو ان ہی شادیوں سے ناک میں دم آگیا۔

انصار۔ تم ہی دنیا سے نرالی ہو۔ سب لڑکیاں کرتی ہیں۔

عذرا۔ سچی بات یہ ہے کہ اماں کو بھی گڑیاں کھیلنا پسند نہیں ہیں۔ اس لئے میں اور بھی نہیں کرتی۔

انصار۔ آخر فرح نے تو دو بیاہ کئے۔

عذرا۔ انھیں شوق ہے۔ میں جب مجھے خود بھی شوق نہیں ایسی بات کیوں کروں جو اماں کو ناپسند ہے۔

انصار۔ ارے بھٹی میں ڈالو ان گڑیوں وڑیوں کو یہ بتاؤ کوئی تازہ افسانہ مضمون، ناول؟

عذرا۔ جی بڑا افسانہ مضمون ناول؟ سارے دن تو ہا ہو ہو مچی رہتی ہے کسی کتاب کو لے کر بھی بیٹھ جاتی ہوں تو سب کی سب آکر سر پر سوار ہو جاتی ہیں اور مذاق اڑاتی ہیں اس پر تو بیا جون کا بھوت سوار ہے پڑھنا لکھنا میں اگر اس سے اکتا کر میاں آکر چپ چاپ بیٹھ جاؤں تو

انصار۔ تو یوں کہو حاسد ہیں غیر سے عقد۔ بے محد پر کوئی پوچھے کہ میں نے کیا خطا کی!

عذرا۔ (ہنس پڑتی) اسی پر تو مجھے غصّہ آتا ہے سب پوچھتے ہیں کہ تم کس سے خفا ہو۔ حالانکہ میں کسی سے بھی خفا نہیں۔

انصار۔ ہاں تم صرف اپنی گڑیا کی قسمت کو رو رہی ہو جسے بر نہیں ڈھونڈا۔ غضب خدا کا سارے کنبے کی گڑیاں بیاہ گئیں اور بیچاری عذرا کی گڑیا کنواری بیٹھی ہے اُسے کوئی نہیں پوچھتا۔ خفا ہونے کی بات ہی ہے۔

عذرا۔ (بگڑ کر) واہ وا۔ بالکل غلط۔ میری گڑیا کے تو پچاسوں پیام آئے میں اس کا بیاہ کرنا ہی نہیں چاہتی۔

انصار۔ ہاں ہاں تمھیں دوسروں کے سامنے یہی کہنا چاہیئے ورنہ بڑی سُبکی ہوگی۔

عذرا۔ تو کیا میں جھوٹ کہتی ہوں۔

انصار۔ خیر خیر تم رنج نہ کرو میں کچھ انتظام کر دوں گا۔

عذرا۔ رہنے دو اپنا انتظام مجھے بیاہ سے نفرت ہے میں نہیں کروں گی بیاہ۔

انصار۔ تو میں تمھارے بیاہ کو کب کہہ رہا ہوں۔ واہ خواہ مخواہ اپنے اوپر لے گئیں۔

عذرا۔ (جھینپ کر) شرم نہیں آتی — میں تو اپنی گڑیا کو کہہ رہی ہوں۔

انصار۔ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔ خیر اگر اور کوئی نہیں جڑتا تو تم مجھ سے اپنی گڑیا کی شادی کر دو۔

عذرا۔ (بے اختیار ہنس کر) تم گڑیا سے بیاہ کروگے! ہماری بھابی گڑیا ہوگی بھئی واہ وا۔

انصار۔ سبحان اللہ میں نے ضرور کہی تمھاری گڑیا سے شادی منہ دھو رکھو۔

عذرا۔ تم نے ابھی تو کہا تھا۔

کھیل سے دل چسپی نہ تھی۔ انہیں بُرا لگتا تھا کہ یہ لڑکیاں اتنی بڑی بڑی ہوکر گڑیاں کھیلتی اور ان کے بیاہ کرتی ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ اس بہانے لڑکیوں کا جی بہل رہا ہے وہ خاموش رہیں۔

سب کے گڈے گڑیوں کی شادی ہو گئی یہاں تک کہ صغرا اور سیدہ نے بھی اپنے گڈے گڑیا کی شادی رچائی نسیم اور حمدہ نے بھی آپس میں بیاہ کیا مگر عذرا نے گڑیا کی شادی نہیں کی۔ ناحرہ نے بہت کہا کہ بہن میری گڑیا بیچاری کنواری بیٹھی ہے تم اسے بیاہ لے جاؤ مگر عذرا رضامند نہیں ہوئی سب لڑکیاں شادی اور اس کے بعد چوتھی چالوں میں مصروف تھیں مگر عذرا خاموش سی نظر آتی تھی۔ الصار نے عذرا کی اداسی کو تاڑا اور ایک دن جب وہ روٹھی ہوئی سی بیٹھی تھی کہا۔

الصار۔ عذرا کیا بات ہے کیا تم مجھ سے کچھ خفا ہو؟

عذرا (عذرا نے کس سے لڑی بیٹھی ہے) میں کیوں ہوتی خفا — تم خواہ مخواہ مجھے نہ چھیڑا کرو۔

الصار۔ واہ ری لڑکی۔ خواہ مخواہ لڑتی ہے۔ میں نے چھیڑا کب ہے بات پوچھی ہے۔ کس سے لڑی بیٹھی ہو؟

عذرا۔ اچھا تم جاؤ میرے پیچھے نہ پڑو۔ میں نہیں بولتی۔

الصار۔ تم سچ مچ لڑنے پر تلی بیٹھی ہو اور میں آج قسم کھا کر آیا ہوں کہ ہرگز نہیں لڑوں گا۔ اب دیکھیں کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔

عذرا۔ تم سب مل کر میرے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو۔ ابھی ناحرہ دماغ کھا کر گئی ہے۔ خواہ مخواہ الجھ پڑی کہ تم مجھ سے ناراض ہو اسے یہ آئے الٹی سلٹی باتیں سناتے۔

گڑیا کو بہت سلیقے کا جہیز دیا گیا۔ تسنیم، رضیہ، یاسمین و کیہ سب بُلائی گئیں۔ اور دو دن خوب چہل پہل رہی۔ اس شادی کے دوران ہی میں چپکے سے فرح کی گڑیا کی نسبت رضیہ کے گڈے سے ہو گئی اور پندرہ دن بعد نکاح ہونا طے پایا فرح نے جہیز کی تیاری شروع کی مقررہ تاریخ پر رضیہ کے ہاں سے بارات آئی دولہا اور سمدھنیں موٹر میں آئیں۔ دولہا سوٹ میں ملبوس تھا دلہن کے لئے ریشمی ساڑیاں اور اصلی سونے کے زیور کے سٹ آئے۔ فرح گڑیا کی قسمت پر نازاں تھی اور خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی۔ غرض رضیہ شاندار اور فیشن ایبل طریقے سے بیاہ کر بہو کو لے گئیں۔ اگلے دن رضیہ کی طرف سے ایٹ ہوم تھا۔ پارٹی میں دولہا دلہن آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے دولہا جاحتئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا اور دلہن کارچوبی گلابی ساڑی پہنے تھی۔ فرح کو بیٹی کی یہ دیدہ دلیری اور بے شرمی ناگوار تو گذری مگر کچھ بولی نہیں۔ حاسق تھی بیاہی بیٹی پڑوس برابر اب اُسے کچھ کہنے کا حق ہی کیا رہا۔ جیسے سُسرال والے رکھیں گے رہنا پڑے گا مگر عذرا کو بہت بُرا لگا اور گھر آکر خوب دونوں بہنوں میں نوک جھونک ہوتی رہی۔

ان سب کو بیاہ رچاتے دیکھ کر دکیہ کو بھی شوق ہوا حمیلہ خاتون کو کسی نہ کسی طرح حمیل نے راضی کر لیا اور کچھ دن بعد دکیہ کی گڑیا فرح کے گڈے سے بیاہ گئی۔ شادی میں حمیل نے بڑا حصّہ لیا۔ دولہا اصغر کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور دلہن کو فرح اپنے ساتھ اصلی ڈولی میں رخصت کرا کے لے گئی۔ یہ سارے گڈے گڑیاں نسیمہ خاتون کے بنائے ہوئے تھے۔ وہ کپڑے کی بڑی خوبصورت گڑیاں بناتی تھیں۔ سوا رضیہ کے گڈے کے (جو سلولائڈ کا تھا) سب ان ہی نے بنائی تھیں۔ مگر نسیمہ کو گڑیوں کے

کبھی سب مل کر رات کو آنکھ مچولی کھیلتے کبھی جھولا ڈال کر پکوان تلا جاتا۔ کبھی نسیمہ خاتون کو راضی کرکے چاندنی رات میں حبیب الٰہی کی سدگانٹھ ہی میں منٹھ کر ندی کے کنارے سیر کو جاتے کبھی سب کو بٹھا کر ریاض یا انصار کسی انگریزی کی کسی اچھی کہانی کا ترجمہ سناتے۔ ناجرہ ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رہتی لیکن وکیہ کو جمیلہ خاتون نے بہن کے ہاں جانے کی ممانعت کردی تھی کیونکہ وہ نسیمہ کی "آزاد خیالی" سے بہت ناخوش تھیں۔ وکیہ کا دل ان کھیلوں میں شرکت کے لئے تڑپتا مگر جی مسوس کر رہ جاتی۔ نسیمہ خاتون کے بہت سمجھانے بجھانے پر اتنا ہوا کہ جب انصار اور ریاض باہر ہوتے تو کبھی کبھی وکیہ کو جمیلہ خاتون بھیج دیتیں یا یہ تینوں اکثر اس کے پاس چلی جاتیں اور اس کی صحبت میں جمیلہ خاتون کی باتیں خاموشی سے سُن لیا کرتیں۔

ایک دن صغرا اور فرح ہنستی ہوئی ریاض کے پاس آئیں "بھائی جان پرسوں آپ کی دعوت ہے۔"

ریاض۔ دعوت؟ کس کے ہاں

فرح۔ صغرا کے ہاں ان کی گڑیا کی شادی ناجرہ کے گڈے سے ہو رہی ہے

ریاض اوہو بھائی کا بیاہ ہے۔ بھئی نہیں تو خبر بھی۔ نہیں ہم نے کوئی تحفہ وغیرہ بھی نہیں منگایا۔ شادی میں کیسے شریک ہوں گے۔

صغرا۔ (شرما کر) بھائی جان آپ تو مذاق کرتے ہیں۔ دیکھئے پرسوں کہیں چلے جائیے گا ضرور آئیے گا

ریاض۔ ہاں ہاں ضرور کھلایہ ٹھولنے کی بات ہے۔

تیسرے دن صغرا اور ناجرہ کے گڈے گڑیا کی دھوم سے شادی رچی تمام رسم رسوم ادا کئے گئے ناجرہ کے ہاں سے بھاری بری آئی، صغرا نے

ان دونوں پر بھی پڑ رہا ہے۔ تینوں کی صحت خراب ہوتی جاتی ہے جب دیکھو کوئی نہ کوئی لڑکی منھ لپیٹے پڑی ہے۔ کبھی درد سر، کبھی اختلاج کبھی نزلہ اور کبھی حرارت۔ بستی جی کہیں باہر گئے ہوئے ہیں اور تعلیم کا سلسلہ بھی بند ہے گھر بھر میں اگر زندگی کے آثار اور چہل پہل نظر آتی ہے تو صرف اصغر اور ستدہ کے دَم سے۔ جو سارے دن اکٹھے کھیلتے کودتے ہنستے بولتے رہتے ہیں انھیں کی باتوں پر کبھی کبھار صغرا بھی مُسکرا پڑتی ہے۔

ریاض کے آنے سے گھر میں جان سی پڑ گئی کچھ تو ان کی طبیعت ہی ہمدرد اور پُر مذاق تھی۔ کچھ خاص طور پر بہنوں کے خیال سے بھی دل لگی کرتے رہتے تھے انھوں نے ماں کے مشورے سے تینوں لڑکیوں کے سپرد ایک ایک ذمہ داری کا کام کر دیا۔ صغرا کے ذمہ اصغر کی دیکھ بھال کی تاکہ وہ بھائی کے کام میں ماں کا صدمہ کم محسوس کرے۔ عذرا کو ستدہ کا اتالیق بنایا کہ اس کا سارا کام اور پڑھانا لکھانا تمھارے سپرد ہے۔ اور فرح سے کہا کہ اب تم بڑی ہو گئیں گھر کا انتظام اور کام اپنے ذمہ لو۔ اماں صرف دیکھ بھال کریں گی۔ اس طرح کام میں لگ کر لڑکیوں کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑا اور مزاج پر بھی۔ وہ سارے دن اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتیں اور شام کو بھائی سے پڑھتیں۔

ایک دن ڈرتے، شرماتے جھجکتے ہوئے عذرا نے چپکے سے ریاض کو اپنے چند مضمون اور کہانیاں دکھائیں وہ بہت خوش ہوئے عذرا کو شاباشی دی اور مضموں میں اصلاح دینے کا وعدہ کیا جس سے اس کی ہمت بڑھ گئی۔

انصار امتحان دے کر آئے تو بہت جلد ان میں اور ریاض میں دوستی ہو گئی اب ان دونوں نے مل کر نئے نئے کھیل اور دلچسپی کی باتیں سوچیں

ساتواں باب

چالیسویں کے بعد محمد احسان نوکری پر چلے گئے اور صغرا اور اصغر کو نسیمہ خاتون اپنے ساتھ لے آئیں۔ اصغر تو جلدی بہل گیا مگر صغرا کے دل پر ماں کی موت کا غم گہرا تھا جس کے مندمل ہونے کے لئے وقت کے مرہم کی ضرورت تھی۔ نسیمہ نے بہت کوشش کی کہ صغرا بہل جائے۔ عذرا اور فرخ ہر وقت اس کی خوشی کا خیال رکھتیں مگر وہ سارے دن گم سم بیٹھی یا منہ لپیٹے پڑی رہتی تھی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح اس کا دل بہلائے۔

ریاض ایف۔ اے کا امتحان دے کر گھر آئے تو دیکھا کہ گھر پر اداسی چھائی ہوئی ہے۔ لڑکیاں بوڑھی عورتوں کی طرح خاموش اور رنجیدہ رہتی ہیں عذرا تک اپنی شوخی شرارت بھول گئی ہے۔ صغرا کی اداسی اور صدمہ کا اثر

تو میں اُن کے گھر آنا چھوڑ دوں گا۔"

حمیلہ خاتون کو بھی بُرا لگا اور عدرا اور فرح سے کہا "وہ بھائی آئے تو اُس سے ٹھیک کرڈھنگ سے بات نہیں کرتیں اور اس غیر مردوئے سے چوں چاچاں باتیں سنائیں ـــ مجھے یہ رنگ ڈھنگ پسند نہیں۔"

یہ بات ان دونوں بہنوں کو بہت ہی ناگوار گزری۔ فرح نے چپکے سے بڑے میاں کے ہاتھ ماں کے نام پرچہ بھیجا "اماں اب ہم سے خالہ جان کی باتیں نہیں سہی جاتیں۔ خدا کے لئے ہمیں اپنے پاس بُلا لیجئے۔"

نسیمہ بڑی پریشان ہوئیں۔ سوچ بچار کے بعد انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ لڑکیوں کو اپنے پاس بُلالیں۔

شام کو انھوں نے محمد احسان کو بھیجا وہ جا کر دونوں بھتیجیوں کو لے آئے۔

عدرا اور فرح کے یہاں آنے کے چوتھے دن محمد احسان کی بیوی بھر پور جوانی میں بھرا پُرا گھر معصوم بچے، غم زدہ شوہر اور سوگوار عزیزوں کو بے قرار چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہوئیں۔

لاابالی طبیعت پائی تھی ماں کے پاس آیا تو نہیں کا ہو رہا۔ باپ کے پاس گیا تو
ماں کی پروا نہ رہی۔ کھیل تماشوں کا شوقین۔ اچھی شکل، ورزشی جسم ٹینس کرکٹ
کا بہترین کھلاڑی، خوش مزاج، بالونی اور خوش پوش۔ باپ پر ظاہر کرتا کہ مجھے
ماں سے کوئی تعلق نہیں تمہیں سے محبت ہے۔ ماں سے ایسی باتیں بناتا کہ وہ
سمجھتیں کہ بیٹا مجھے حد سے زیادہ چاہتا ہے اور باپ کی پروا نہیں کرتا اُن کے
سامنے اپنی نیک مزاجی اور مذہب پرستی کا ایسا ڈھونگ رچاتا کہ وہ اُسے
دُنیا کا سب سے زیادہ نیک اور شریف لڑکا سمجھتی تھیں اس نے ماں کو
یقین دلا رکھا تھا کہ مجھ سے زیادہ ذہین اور شوقین لڑکا اسکول بھر میں نہیں
مگر چونکہ ماسٹر میری ذہانت سے جلتے ہیں اس لئے مجھے فیل کر دیتے ہیں۔
اُسے ماں سے لگاؤ تھا مگر جمیلہ خاتون کی نکتہ چیں طبیعت اور خفگی مزاج
سے گھبراتا تھا، اس لئے گھر میں بہت کم رہتا۔

فرح اور عذرا جمیل کے سامنے آتی تھیں لڑکے تکلف نہیں تھیں بات
یہ تھی کہ نسیمہ خاتون کو اس کی چلبلی طبیعت اور پھکڑپن کی عادت پسند نہیں
تھی اس سے تو کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں اپنی لڑکیوں کو سمجھا دیا تھا کہ
اس سے الگ الگ رہا کرو۔

نسیمہ کے پیچھے دو چار مرتبہ جمیل آیا تو فرح عذرا اِدھر اُدھر ہوگئیں
انصار کے آنے کے تیسرے دن پھر جمیل آیا لڑکیاں صحن میں بیٹھی تھیں
یہ بھی وہیں بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ فرح سے وہ بہت خصوصیت
برتتا تھا۔ فرح اور عذرا کچھ دیر بیٹھی رہیں پھر کھسک گئیں جمیل نے
ماں سے شکایت کی "یہ فرح اور عذرا مجھ سے اس قدر کتراتی کیوں ہیں کیا
میں ہَوّا ہوں۔ آخر ان کا بھائی نہیں ہوں اگر خالہ جان مجھے بُرا سمجھتی ہیں

کام کرکے اندر چلی گئی ۔۔۔ حمیدہ نے غصّے اور تعجب کی نظروں سے بھاگی کی
طرف دیکھا۔ اتنے میں عذرا باہر آئی" انصار ماموں آپ یہاں بیٹھے ہیں
آداب عرض ہے ۔ کہئے امتحان کی خوب تیاری ہو رہی ہے "
انصار ۔ (مسکرا کر) کہو بھاگی صاحبہ کیا حال چال ہیں آپا کب آئیں گی ؟
ممانی کیسی ہیں ؟"
عذرا ۔ معلوم نہیں اماں کب آئیں گی چچی اماں کی طبیعت زار حزاب ہے
اللہ انہیں اچھا کر دے ۔
انصار ۔ میں وہاں جاؤں تو کوئی کچھ کہے گا تو نہیں ؟
عذرا ۔ مجھے کیا خبر ۔ مگر کسی کا جی پوچھنا کوئی بُری بات ہے جو کوئی کچھ کہے گا ۔
اب عذرا کی نظر حالہ پر پڑی جو قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں
وہ جلدی سے یہ کہہ کر کہ آپ جائیں تو اماں سے ہمارا آداب اور خیریت
کہہ دیجئے گا ، اندر چلی گئی ۔
انصار نے حمیدہ کے تیور دیکھے تو سمجھ گیا کہ نسیمہ کی سی طبیعت کی نہیں
سلام کرکے چلا گیا ۔ حمیدہ خاتون نے فرخ کو بلا کر کہا " تم اس لڑکے کے سامنے
کیوں آئیں " فرخ نے سادگی سے جواب دیا " اماں نے سامنے کر دیا تھا کہ یہ
تمہارے ماموں ہیں " حمیدہ نے بہن کو خوب بُرا بھلا کہا کہ اس کی عقل ماری
گئی ہے ۔ جوان لڑکے لڑکیوں کو ایک دوسرے کے سامنے کرتی ہے ۔ فرخ سے کہا
اب یہ لڑکا آئے تو خبردار جو تم لوگ سامنے آئیں ہیں یہ برداشت نہیں کر سکتی ۔

حمیدہ خاتون کا لڑکا حمید ، ریاض کا ہم عمر تھا لیکن مدقوق ہونے کی وجہ
سے پڑھنے میں پھسڈی تھا دو سال سے برابر نویں جماعت میں فیل ہو رہا تھا

عذرا کا مارے غصے کے بُرا حال تھا اُدھر خالہ کا ادب ماں کا ڈر، اُدھر آپی کی ایسی مار پیار باتیں آخر نہ ضبط ہوسکا تڑخ کر بولی "ذرا سوچ کر بات کیا کیجئے میں ایسی بُری بُری باتیں نہیں سنوں گی"۔ اب تو حمیلہ خاتون آپے سے باہر ہو گئیں کہا "لو ذرا سی چھٹی ہم سے زبان چلاتی ہے ـــ زبان کھینچ ڈالوں گی، تو نے سمجھا کیا ہے۔ یہ لیمہ نہ سدھر کہ چپ ہو رہیں" اُدھر فرح ادھر دیکھ بچاری پریشان کہ کیا کریں۔ فرح نے بہن کو ڈانٹا "عذرا کاپی دکھا کیوں نہیں دیتی۔ جب تک نہیں دکھائے گی وہ کیا مانیں گی" عذرا نے جل کر کاپی خالہ کے سامنے پھینک دی اور خود سہ دری میں گھس کر رونے لگی ـــ

حمیلہ نے کاپی اُٹھا کر دیکھی اوپر مضمون کا عنوان لکھا تھا "اماں کے بغیر" اور نیچے چند سطریں ـــ خلاف توقع یہ دیکھ کر شرمندہ ہوئیں تو اور زیادہ جھنجھلائیں اور کئی دن بھانجیوں سے ناراض رہیں۔

ناہرہ کچھ دن سے اپنی ایک رشتے کی خالہ کے ہاں گئی ہوئی تھی اور انصار امتحان کی تیاری میں مصروف تھے اس لئے بہت دن سے یہ دونوں نہیں آئے تھے ایک دن جب بستی جی پڑھا رہے تھے تو ناہرہ اوپر سے آئی اور حمیلہ کو سلام کر کے عذرا اور فرح کے پاس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد باہر سے انصار نے آواز دی "نصیبن میں آجاؤں" نصیبن نے بلاتکلف کہا "آجاؤ بیٹا"۔

اسے دیکھ کر دکیہ تو اندر بھاگ گئی اور حمیلہ نے دوپٹے کی آڑ کر کے کہا "اوئی یہ کون مردوا گھسا آتا ہے" نصیبن بولی "بیوی تو نہ کر دو مردوا کون ہے میاں کالواسہ ہے ـــ اے بچہ ہے تمہارا" حمیلہ نے آڑ سے دیکھا کہ واقعی پندرہ سولہ برس کا لڑکا ہے۔ پلو ہٹا کر اس کا سلام لیا اور باتیں کرنے لگیں۔ فرح کسی کام سے باہر آئی تو انصار کو بیٹھا دیکھ کر ہاتھ سے سلام کیا اور

لگتیں عرص ہر بات پر روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ ہوتی تھی عدرا اور فرح اس کی عادی نہیں تھیں۔ ماں کبھی کبھار ٹوک یا ڈانٹ دیتی تھیں ورنہ بات کو نرمی سے سمجھا دیا کرتی تھیں لیکن اِن کا اصول یہ تھا کہ لڑکی پر ہر وقت سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کرنی اور گھور میں رکھنا چاہیئے فرح خاموشی سے اور عدرا ناگواری سے یہ سب سہہ رہی تھی۔ عدرا نے ماں سے کہا بھی کہ ہم سے آپ کے بغیر نہیں رہا جاتا ہمیں بھی وہیں بُلا لیجئے مگر نسیمہ نے اُسے سمجھایا کہ بیٹی بیاری کے گھر میں جتنے زیادہ آدمی ہوں گے اتنی ہی مشکل ہو گی۔ پہلے ہی بہت سے لوگ بھرے ہیں۔ بچاری دل پر جبر کرکے چُپ ہو رہی۔

ایک دن عدرا بیٹھی اپنی کاپی پر کچھ لکھ رہی تھی۔ خالہ جان آئیں تو جلدی سے کاپی کو چھپالیا۔ انھیں نہ جانے کیا بدگمانی ہوئی بھاکی سے کہا "مجھے دکھا کیا لکھ رہی ہے" عدرا نے کہا "منشی جی کا بتایا ہوا کام کر رہی ہوں" حمیلہ نے شک کے لہجے میں کہا "اچھا مجھے دکھا کیا ہے" عدرا "آپ کے کام کی کوئی چیز نہیں" اس پر حمیلہ خاتون کا غصہ اور اِصرار بڑھا اُدھر عدرا کو ضد ہو گئی کہ کاپی خالہ کو نہیں دکھاؤں گی۔ حمیلہ خاتون کی بدگمانی اور بڑھی اور انھوں نے عدرا کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ فرح کو بُرا لگا مگر ضبط کرکے بولی "خالہ جان آپ ناحق ناراض ہو رہی ہیں اُسے مضمون لکھنے کا شوق ہے وہی لکھ رہی ہے ــــ" حمیلہ خاتون غصّے سے سُرخ ہو رہی تھیں "پھر مجھے دکھاتی کیوں نہیں۔ خدا جانے کیا لکھا جا رہا ہے اور کسے لکھا جا رہا ہے جو مجھ سے چھپاتی ہے۔ جب تک تمھاری ماں آئیں ذمہ داری مجھ پر ہے اور میرے سامنے یہ حرکتیں نہیں ہو سکتیں گھور کر گاڑ دوں گی"

بیسمہ انھیں لے گئیں مگر شام کو واپس بھیج دیا۔
عذرا اور فرح اوّل تو جی کی بیماری سے بہت پریشان تھیں کیونکہ جی
انھیں بہت چاہتی تھیں اور ان کو بھی جی سے بہت محبت تھی۔ دوسرے
پہلی مرتبہ ماں سے الگ ہوئی تھیں اس پر طرہ خالہ کی دیکھ بھال اور نگرانی
اور ہر وقت کی نصیحت وصیحت۔ دونوں کا ناک میں دم تھا۔ ذرا دیر
بیٹھ کر گڑیوں سے جی بہلاتیں تو فوراً اعتراض ہوتا کہ اتنی بڑی بڑی لڑکیاں
گڑیاں کھیلتی ہیں۔ اس عمر میں تو پہلے لڑکیوں کا بیاہ ہو جاتا تھا مال بچے
والی ہو جاتی تھیں۔ کتاب پڑھتیں تو اس پر اعتراض کیا جاتا، کہ یہ قصہ
کہانی کی فضول کتابیں پڑھتی ہو؟۔ قرآن حدیث کیوں نہیں پڑھتیں
مجھے ان کتابوں سے نفرت ہے اپنی اماں کے سامنے پڑھنا عنایت اللہ صاحب
پڑھانے آتے تو ان کے جانے کے بعد۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لڑکیوں کو
لکھنا پڑتا۔ اکثر خود منشی جی سے اُلجھ جاتیں کہ آپ عربی اور مسئلے
مسائل کی جگہ یہ فضول حساب اور انگریزی کیوں پڑھاتے ہیں کھانا
اپنی مرضی کا پکواتیں اور جتنی چیزیں ان لوگوں کو ناپسند تھیں وہ ان کے
خیال میں مُفید تھیں لہٰذا زبردستی کھلائی جاتی تھیں جہاں لڑکیاں نظر سے
اوجھل ہوئیں اور اُن پر ڈانٹ پڑی کہ آخر میرے پاس آکر کیوں نہیں بیٹھا
جاتا۔ میں نصیحت جو کرتی ہوں — نہ جانے آج کل کی لڑکیوں کو نصیحت
سے کیا بیر ہے ایک ہم تھے کہ سارے دن بزرگوں کی نصیحت سُنتے اور
پلّے میں باندھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد ان کے بچپن کے اور اپنی تعریفوں
کے لامتناہی قصّے شروع ہو جاتے۔ کبھی نماز میں ذرا دیر ہو جاتی یا تلاوت
قرآن ناغہ ہو جاتی، کسی وقت کوٹھے پہ چلی جاتیں یا انھیں سے باتیں کرنے

یہ کہہ کر وہ اپنے گھر گئیں بسیمہ نے نصیس کو کچھ ہدایتیں دیں، لڑکیوں کو جو بہت پریشان تھیں دلاسا دیا، اور جلدی سے تیار ہو گئیں احسان ڈولی لے آئے اور دونوں بہنیں اُن کے ساتھ چلی گئیں۔

رات گئے حمیلہ خاتون آئیں عذرا اور فرح بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں ان سے حمیلہ نے اتنا کہا تمہاری چچی کی طبیعت زیادہ خراب ہے بسیمہ ابھی وہیں رہیں گی اور نصیس سے کہا "مجھے تو آثار اچھے نہیں لگتے۔ دو پہر مرا ہوا سقوط ہوا ہے بچہ مرا ہوا ہے جب خدا خیر کے ساتھ اچھا کر دے تب بات ہے"۔ فرح عذرا نے ایک دوسری کی طرف دیکھا دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

ایک مہینے کے قریب ہو گیا۔ محمد احسان کی بیوی کی طبیعت سنبھلی نہ تھی سنبھلی۔ بیماری اور کمزوری روز بروز زیادہ بڑھتی گئی۔ احسان نے چھٹی لے لی تھی۔ اُن کا سارا دن اور رات ڈاکٹروں کے پاس دوڑنے، دوائیں لانے اور بیوی کی تیمار داری میں گذرتا تھا دونوں وقت کا کھانا بھی زبردستی بسیمہ کھلاتی تھیں۔ بسیمہ کے ذمہ گھر کا سارا کام مہمانوں کی خاطر تواضع، کھانے پینے کا انتظام، صغرا اور اصغر کی دیکھ بھال بھی تھی اور دیورانی کی تیمار داری بھی کرتی تھیں۔ اُن کے لئے پرہیزی غذا پکانا، سر گود میں رکھنا، پیشاب پاخانہ کرانا، بستر بدلنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتیں احسان ڈاکٹروں کے ہاں جاتے وقت روز بیدرہ میں ہٹ کر بھتیجیوں کے پاس بھی ہو آتے۔ لیکن اُن کی پریشانی اور افسردگی کو دیکھ کر لڑکیاں اور بھی اُداس ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ لڑکیوں کے اصرار پر

چھٹا باب

دروازے سے آواز آئی "میں آتا ہوں" اور احسان گھبرائے ہوئے داخل ہوئے لڑکیاں کھڑی ہوگئیں اُنھوں نے پوچھا "بھابی کہاں ہیں" نسیمہ آواز سُن کر جلدی سے کوٹھری سے نکل آئیں "ہیں بھائی تم کب آئے خیریت تو ہے؟" احسان نے کہا "آپ کی دیورانی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میرے پاس رات آدمی بھیجا۔ میں ابھی ابھی بھیجا ہوں ان کی حالت خراب دیکھی تو ایک آدمی ڈاکٹر کے پاس بھیج کر آپ کے پاس دوڑا آیا۔ میں ڈولی لیے جاتا ہوں فوراً چلیے" نسیمہ بہت گھبرائیں جمیلہ خاتون کو بُلا کر کہا "بہو کی طبیعت خراب ہے میں جا رہی ہوں۔ خدا جانے کب آنا ہو۔ گھر اور بچیاں تمھارے سپرد ہیں" جمیلہ خاتون بھی گھبرا گئیں بولیں اس وقت تو میں بھی چلتی ہوں شام کو آ جاؤں گی

سرداروں میں گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ نہ لکھا اور نہ مجھ سے زُرا کوئی نہ ہوگا۔

عذرا سجاد کو یاں کا حکم تو ماسا ہی پڑا مگر لکھنے کا شوق کم نہیں ہوا اور اُس نے مشق جاری رکھی ساتھ ہی مطالعہ بھی کرتی رہتی تھی حبیب الٰہی صاحب کا کتب خانہ سلامت تھا اور عذرا کو کتابوں کی کمی نہ تھی اس طرح اس کے معلومات اور اُردو کی قابلیت میں معقول اضافہ ہوا "تہذیب" کے مضمون پڑھ پڑھ کر اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی ایسا کوئی مضمون چھپنے کو بھیجے مگر ہمت نہیں پڑتی تھی لکھتی اور اپنے صندوقچے میں چھپا چھپا کر رکھتی جاتی۔ جب انصار پوچھتے "کہو بھابی صاحبہ کوئی تازہ تصنیف؟" تو جس مضمون یا کہانی کو وہ سب سے اچھا سمجھتی اسے انصار کو دکھا دیتی۔

عذرا کو سخت انتظار تھا کہ کب بھائی جان علی گڑھ سے آئیں اور کب ان کو اپنے مضمون دکھاؤں۔ اکثر جی چاہتا کہ خط میں رکھ کر بھیج دوں مگر پھر ہچکچاہٹ اور شرم کی وجہ سے نہ بھیج سکتی۔

ایک دن اس نے ایک مضمون لکھا "میری اماں" انصار کو بہت پسند آیا اور جا کر نسیمہ خاتون کو سنا دیا۔ وہ سن کر بہت خوش ہوئیں مگر عذرا کو بڑی شرم آئی اور جا کر کوٹھے پہ چھپ گئی اور شام کو جب انصار آئے تو اُس دن پھر دونوں کی خوب لڑائی ہوئی۔

ادبجاکر کے روررور سے پڑھنے لگے پہلے تو عدرا نے کاپی چھیننے کی کوشش کی اور جب اس میں کامیاب نہ ہوئی تو روکھی ہوگئی الصار نے یہ دیکھ کر کاپی اسے واپس دے دی اور منھ چڑا کر کہا "ایسی توڑی مصنف کی دم ہیں کا ابھی تصانیف کسی کو دکھا بھی نہیں سکتیں" عدرا نے پٹس کر کاپی لے کر چھر چھر پھاڑ دی اور جب الصار سے لڑائی اس طرح دونوں میں اکثر لڑائی ہوجاتی مگر پھر سلوک بھی جلدی ہوجاتا تھا مزاج کے دونوں تیز تھے مگر بات ایک کے بھی دل میں نہیں رہتی تھی ابھی لڑے ابھی مل گئے۔

الصار کو بچپن سے مضمون نگاری کا شوق تھا اکثر چھوٹی چھوٹی کہانیاں اور مضمون لکھ کر اپنے استاد سے اصلاح لیا کرتا تھا اس لئے قدرتی طور پر اُسے عدرا کے اس شوق سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور اب کے جو دونوں میں صلح ہوئی تو عدرا نے اسے اپنے کئی مضمون دکھائے جس پر الصار نے اسے مشورہ دیا کہ تم ضرور مضمون لکھا کرو چند دن بعد عدرا نے ایک چھوٹا سا مضمون رسالہ پر لکھا الصار نے بڑی شان سے اس پر اصلاح دی اور سرمایہ امداد بس تعریف بھی کی ——اور عدرا سچ مچ اسے بہت بڑا مضمون نگار سمجھنے لگی جب کوئی مضمون لکھتی ضرور الصار سے اصلاح لے لیتی ایک دن اس نے الصار کو ایک کہانی لکھ کر دکھائی۔ الصار کو کہانی پسند آئی اور اپنے استاد کو لے جاکر دکھائی انھوں نے اس پر اصلاح دی اور کہا کہ اس لڑکی میں مضمون لکھنے کی خاصی صلاحیت معلوم ہوتی ہے اس سے کہو کہ مشق جاری رکھے اور اصلاح کے لئے مجھے بھیج دیا کرے اگر کوشش کرتی رہی تو کسی دن اچھی لکھنے والی بن جائے گی جب الصار نے یہ باتیں عدرا کو بتائیں تو مارے خوشی کے اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے

اب یہ حالت کہ جب دیکھو تو عدرا منشی بنی لکھ رہی ہیں آخر سب باتوں کو تسلیم کرنی پڑی کہ یہ حماقت ہے کہ دنیا کا سب کام چھوڑ دیا اور ایک گھوڑا لکھنا رہ گیا

نسیمہ جانوں اکثر خود بھی بچوں کے ساتھ کھیل میں شریک ہو جاتیں کبھی راتوں کو اُن کو کہانیاں سناتیں کبھی اپنے بچپن کے حالات، اپنی ماں نانی باپ دادا وغیرہ کے حالات سناتیں اور بیچ بیچ میں موقع محل سے اچھی اچھی نصیحتیں بھی کرتی رہتی تھیں۔

فرح یوں تو ناجرہ اور انصار سے بہت محبت کرتی تھی لیکن اُسے ہمیشہ اپنے بڑاپے کا لحاظ رہتا تھا اور اس لئے ذرا لئے دیئے کو الگ تھلگ رہتی اُس کی رضیہ سے زیادہ دوستی تھی اور اکثر ماں سے اجازت لے کر نصیبن کے ساتھ وہاں چلی جاتی تھی مگر عذرا اور ناجرہ میں بہت دوستی ہو گئی تھی وہ دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتیں عذرا اور انصار بھی گھل مل گئے تھے دونوں کی طبیعت اور مذاق بہت کچھ ایک دوسرے سے ملتا تھا دونوں میں شوخی، ذہانت اور تیزی تھی اس لئے کبھی کبھار لڑائی بھی ہو جاتی عذرا کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور پڑھنے کے لئے کتابیں ملتی نہیں تھیں۔ کبھی ریاض کوئی کتاب دیتے یا اپنی ماں کی پرانی قسم کی کتابیں بار بار پڑھتی رہتی انصار حبیب الہٰی صاحب کے کتب خانے سے عذرا کے قابل کتابیں تلاش کر کے اسے لا کر پڑھنے کو دیتے جس سے عذرا بے حد خوش ہوتی تھی ایک کتاب ختم ہو جاتی تو دوبارہ دوسری کا تقاضا شروع کر دیتی۔ فرح اگر کوئی قصے کی کتاب ہوتی تب تو پڑھ لیتی ورنہ انکار کر دیتی کہ میرا اس میں جی نہیں لگتا۔

ایک دن انصار آئے تو انھوں نے دیکھا کہ عذرا کاپی پر کچھ لکھ رہی ہے اُس نے انصار کو دیکھ کر کاپی گھٹنے کے نیچے چھپالی انصار نے پوچھا کیا لکھا جا رہا ہے عذرا چپ رہی فرح نے جواب دیا نہ ہو گا کیا۔ کوئی مضمون وضموں ہو گا۔ آج کل یہی خبط ہے"۔ اب تو انصار کا اشتیاق بڑھا اور اس نے اصرار کیا کہ ہمیں بھی دکھاؤ مگر عذرا نے نہ مانا انصار نے اس سے کاپی چھین لی اور ہاتھ

اجازت دو کہ یہ زیادہ تر تمھارے ہاں رہا کریں تاکہ تم سے اور تمھارے بچوں سے اچھی عادتیں سیکھیں۔“ نسیمہ نے کہا ”نانا ابا آپ کا کہنا سر آنکھوں پر۔ انصار اور ناجرہ کو میں ریاض اور فرح سے بڑھ کر سمجھوں گی آخر کوئی غیر تو نہیں میرے اپنے بہن بھائی ہیں“ بڑے میاں نے جاتے جاتے کہا ”ہاں بیٹی وہ بیچ کی کھڑکی کا قفل میں بھی کھلوائے دیتا ہوں تم بھی ادھر سے کھلوا دینا۔“

اس کے بعد سے ناجرہ دن بھر نسیمہ کے ہاں رہتی اور فرح عذرا کے ساتھ پڑھتی لکھتی اور کھیلتی رہتی۔ اکثر انصار بھی آتے رہتے اور بہنوں کے ساتھ کھیل میں شریک ہوتے۔ نسیمہ خاتون نے ان کو ساتھ لکھنے پڑھنے کھیلنے کودنے کی اجازت دے رکھی تھی، صرف اس بات کا خیال رکھتیں کہ بچے ان کی نظروں کے سامنے رہیں۔ جمیلہ خاتون آج کل کسی تقریب کے سلسلے میں اپنی سسرال گئی ہوئی تھیں ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ لڑکیوں کو انصار کے سامنے آنے پر ہزاروں باتیں نہ سناتیں ”ہے ہے غضب خدا کا جوان کنواری لڑکیاں جوان لڑکوں کے سامنے آئیں، نہ لوا میں یہ گوارا نہیں کر سکتی؟“ لیکن نسیمہ اس بات میں کوئی بُرائی نہیں سمجھتی تھیں وہ جانتی تھیں کہ بچے اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل کر خوش ہوتے ہیں پھر انھیں اپنی تربیت اور اپنی لڑکیوں کی طبیعت پر پورا بھروسہ تھا انصار کو وہ شریف اور سیدھا لڑکا سمجھتی تھیں اس لئے انھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ بعض کیا کہیں گی انھیں حبیب الٰہی کی بات کا بہت خیال تھا کہ انھوں نے مجھ سے ان بے ماں باپ کے بچوں کی ماں بننے کو کہا ہے تو مجھے ان کی ماں ہی بن کر دکھانا چاہئے انصار اور ناجرہ بھی چند دن میں ان لوگوں سے اس طرح گھل مل گئے جیسے واقعی حقیقی بہن بھائی ہوں۔ نسیمہ خاتون سے بھی دونوں بے حد محبت کرتے تھے۔

ادب اور تمیز سے اس سے باتیں کیں شوخی شرارت کا پتہ بھی نہ تھا نیچی نظریں،
معقول گفتگو اور شگفتہ چہرہ۔ نسیمہ کو یہ لڑکا بہت پسند آیا جاتے جاتے انصار
نے کہا "آپا جان کیا میری بھانجیاں مجھ سے پردہ کریں گی کہیں ماموں بھانجی کا
بھی پردہ ہوتا ہے" نسیمہ نے مسکرا کر کہا "نہیں میاں تم سے کیا، یہ وہاں سامنے
آتے شرماتی ہیں" پھر آواز دے کر عذرا اور فرح کو بلایا کہ آؤ۔ یہ تمہارے ایک
ماموں ملنے آئے ہیں۔ فرح اور عذرا نیچی نظریں کئے باہر آئیں اور انصار کو
سلام کیا۔ انصار نے بہت ہمدردانہ لہجے میں جواب دیا "جیتی رہو، عمر دراز"
عذرا کو بے اختیار ہنسی آگئی جسے اس نے ماں کے ڈر سے دبا لیا۔)

حبیب الٰہی صاحب سے انصار اور ہاجرہ نے نسیمہ خاتون کا ذکر کیا
وہ اگرچہ دس بارہ سال سے ان سے نہیں مل سکے تھے مگر آخر نواسی تھی اور
بہت چہیتی بھانجی کی بیٹی۔ خون نے جوش مارا اور ایک دن نسیمہ خاتون سے
ملنے ان کے گھر آئے۔ نسیمہ بہت ادب سے ان سے ملیں۔ لڑکیوں کو بلا کر
سامنے کیا حبیب الٰہی بڑی دیر تک بیٹھے رہے لڑکیوں کے سر پر ہاتھ
پھیرا ان سے ان کے پڑھنے لکھنے کے متعلق پوچھتے رہے جاتے وقت نسیمہ سے
کہا "بیٹی تو مجھے اپنی ماں کا نمونہ معلوم ہوتی ہے خدا بخشے وہ بھی کیا ایک لڑکی
تھی (بھرائی آواز میں) کیا دنیا کا انقلاب ہے ہمارے بچے ہمارے سامنے چل
لے اور ہم بیٹھے دیکھتے رہے۔" نسیمہ خاتون کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے
حبیب الٰہی صاحب نے کہا "بیٹی انصار اور ہاجرہ بن ماں باپ کے بچے
ہیں میرے سوا ان کا کوئی نہیں ان کے لئے کسی عورت کی دیکھ بھال کی
ضرورت ہے خصوصاً ہاجرہ کے لئے تم ان دونوں کو اپنے بچے ہی سمجھو اور

انصار نے کہا "میں تو تمھاری اماں سے کہہ دوں گا وہ سری بہن لگتی ہیں بالکل جا
نہیں ہوں گی بھلا اتنی سی بھانجی کا بڑے ماموں سے پردا ہوتا ہے کہیں؟"
عدرا رک گئی اور تینوں باتیں کرنے لگے انصار نے کہا "ماجرہ تمھارا کمرہ اتنا صاف
ستھرا کیسے ہوگیا؟" ماجرہ بولی "ابھی عدرا نے صاف کیا ہے" انصار مسکرائے
"ارے یہ اتنی سی لڑکی اور اتنے بڑے کمرے کی صفائی کر ڈالی۔ ایسا پھر جو
صاف دکھا کریں گی۔ بھئی کسی دن ہمارا کمرہ بھی اسی طرح چمکا دو" عدرا نے
مسکرا کر کہا "نہیں بھئی آپ کے کمرے میں کون جائے۔ چوری کا الزام لگا دیں گے"
تینوں ہنس پڑے۔ تھوڑی دیر بعد عدرا انصار سے بے تکلف ہوگئی عدرا نے
اسے پڑھنے لکھنے کا سارا حال سنایا اپنی ماں، چچا، بھائی بہنوں کا ذکر کیا۔
انصار نے اس کا مطالعہ کا شوق دیکھ کر کہا "میں تمھیں بابا آبا کی لائبریری سے
بہت سی اچھی اچھی کتابیں لا لا کر دیا کروں گا" ماجرہ نے کہا "بھیا جاسا ماں سے
جا کر کہہ دیجئے کہ چائے سا کر بھیج دیجئے" عدرا نے کہا "نہیں نہیں میں اب جاؤں گی"
انصار چلے گئے اتنے میں نصیبن آگئیں اور عدرا ماجرہ سے رخصت ہو کر اس کے
ساتھ چلی گئی پیچھے صحن میں اسے انصار ملے جو چائے کو کہہ کر واپس آ رہے تھے۔
عدرا کو واپس جاتا دیکھ کر کہا "ارے بھانجی صاحبہ بغیر چائے پیئے"
عدرا جلدی سے قدم بڑھا کر نصیبن کے ساتھ چل دی اور انصار منہ کھولے اسے دیکھتے رہ گئے۔
رات کو ڈرتے ڈرتے عدرا نے ماں سے اتنا کہا کہ ماجرہ کے ہاں میرا سامنا
ان کے بھائی سے ہوگیا۔ نسیمہ سن کر چپ ہوگئیں۔

ایک دن ماجرہ کے ساتھ انصار نسیمہ خاتون کے سلام کو آئے نسیمہ نے
دعا دے کر پاس بٹھا لیا اور دیر تک باتیں کرتی رہیں انصار نے بہایت

"وہ تو میں نے اس لئے کہا تھا کہ تم جانے سے رُک جاؤ۔۔۔۔اب بتاؤ کہاں گیا وہ پردا اور شرم؟" اب عدرا کو یاد آیا کہ وہ تو اس سے پردہ کرنے کے لئے مسہری کے پیچھے چھپی تھی اور اس نے بجائے پردہ کرنے کے اس غیر آدمی کے تھپڑ اور مُکے مارے؟ شرم سے اس کا چہرہ رنگین ہو گیا ماتھے پر پسینہ آ گیا اور سر جُھکا کر بولی "ہاجرہ معاف کر مجھ سے غصے میں یہ حرکت ہو گئی" الصار نے کہا "واہ مار کھائیں ہم اور معافی مانگی جائے بی ہاجرہ سے!" ہاجرہ تنک کر بولی "بڑے آئے کہیں سے خواہ مخواہ میری عدرا کو خفا کر دیا۔ جائیے آپ میرے کمرے میں نہ آیا کیجئے۔ نہیں میں دادا ابا سے کہہ دوں گی" الصار نے رونا منہ سا کر کہا "سبحان اللہ ایک تو مجھے اپنی سہیلی سے پٹوا دیا اور اوپر سے خود مجھ ہی پر ناراض ہو رہی ہو" عدرا نے چپکے سے الصار کی طرف دیکھا۔ اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر رحم آ گیا "ہاجرہ اپنے بھائی سے کہہ دو مجھے بہت شرمندگی ہے" الصار نے اسی لہجے میں جواب دیا "ہاجرہ اپنی سہیلی سے کہہ دو جب تک وہ خود مجھ سے معافی نہیں مانگیں گی میں معاف نہیں کروں گا" عدرا نے دبی نظروں سے الصار کی طرف دیکھ کر کہا "اچھا تو پھر معاف کر دیجئے" الصار نے بڑے ادب سے جواب دیا "جناب محترمہ میں بھی بصد ادب آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے کیوں آپ کی چوری پکڑ لی" الصار کے لہجے اور آنکھوں سے صاف شرارت ٹپک رہی تھی۔ اس طرح منہ سا کر اور بھی معافی مانگنے پر عدرا اور ہاجرہ دونوں کو ہنسی آ گئی پھر تو دیر تک تینوں ہنستے رہے۔ عدرا نے ہاجرہ سے کہا بھئی اب جانے دو بڑی دیر ہو گئی اماں خفا ہوں گی۔ مگر ہاجرہ اور الصار نے اصرار کر کے روک لیا

بہت گھبرائی اور آہستہ سے پائینتی کی طرف سے نکل کر دروازے کی طرف کھسکی کہ چپکے سے نکل جائے انصار نے دیکھ لیا اور سادگی گھبراہٹ سے بولا" ارے ارے ہاجرہ تمھاری سہیلی کچھ چرا کر بھاگی جارہی ہے پکڑ دا سے" کہاں کا پردہ کیسی شرم، عدرا غصّے میں سب کچھ بھول گئی قدم رُک گئے اور پلٹ کر تیز آواز سے بولی "چپ رہو تمھیں شرم نہیں آتی، کسی پر جھوٹا الزام لگاتے" ہاجرہ نے غصّے سے بھائی کی طرف دیکھا۔ "انصار بھائی تمھیں ہو کیا گیا ہے" انصار نے معصوم سا جواب دیا "جو لڑکی پلنگ کے پیچھے چھپ جائے اور پھر چپکے سے بھاگنا چاہے وہ ضرور چور ہوگی" مارے غصّے کے عدرا کا منہ سُرخ ہو گیا" ہاجرہ اپنے بھائی کو چپ کرو، ورنہ پھر ــــــــــ"

ہاجرہ (چلاکر) "انصار بھائی تم پاگل تو نہیں ہو گئے" انصار نے مُسکرا کر کہا "یہ لڑکی تو بڑی چالاک ہے" اب تو عدرا کو تاب نہ رہی اپنی نسبت چوری کا الزام اور ایسی بُری باتیں بھلا وہ کیسے سن لیتی ــــــــ لپک کر دو تین تھپڑ ایک دو مُکے اس نے انصار کی پیٹھ پر رسید کئے "بدتمیز نے ہودہ نامعقول" ہاجرہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر عدرا کو دیکھا انصار کو ایک لمحے کے لئے غصّہ آیا مگر پھر چہرے پر دلی مُسکراہٹ کھیلنے لگی عدرا نے مارنے کو تو مار دیا مگر فوراً اُسے خیال آیا کہ میں نے یہ کیا حرکت کی۔ ابھی غصّہ موجود تھا مگر آہستہ آہستہ شرمندگی اس کی جگہ لے رہی تھی وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چلی۔ انصار نے لپک کر ہاتھ پکڑ لیا "بھائی صاحب اب کہاں جاتی ہو۔ اتنا مارنے کے بعد بھی غصّہ نہیں اترا؟" عدرا نے گھور کر انصار کو دیکھا۔ "تم نے مجھے چور کیسے کہا" انصار مسکرائے

دونوں لڑکیاں کسی لطیفے پر بے تحاشا ہنس رہی تھیں ہنستے ہنستے پیٹ میں
بل پڑے جا رہے تھے آنکھوں میں آنسو آگئے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی
"اوہو آج تو ہاجرہ کا کمرہ زعفران زار سا ہوا ہے" عذرا اچھل پڑی اور پیچھے
مڑ کر دیکھا۔ دروازے میں ایک نوعمر لڑکا کھڑا تھا ——— یہی سولہ برس
کی عمر، کھلتا ہوا رنگ، شربتی آنکھیں، جھکی ہوئی ستواں ناک، گول چہرہ اور
ذرا سا ادھ کھلا منہ جس پر سیاہ بال خوبصورتی سے برش کر کے الٹے ہوئے تھے
اوپر کے ہونٹ پر سیاہی کی ایک ہلکی سی تحریر ——— عذرا ذرا دیر کو مبہوت
سی کھڑی رہ گئی۔ پھر گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ دروازے میں لڑکا کھڑا تھا
کھڑکیاں اونچی تھیں، باہر نکلنے کا راستہ نہیں تھا وہ وحشی ہرنی کی طرح
ادھر ادھر بھاگنے کا راستہ ڈھونڈنے لگی اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اپنے
گھونگھر والے بالوں کو دوپٹے سے چھپاتی جھپاک سے مسہری کے پیچھے
گھس گئی۔ لڑکا دلچسپی سے عذرا کی ان حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ
مسہری کے پیچھے گھسی تو بے اختیار ہنس پڑا۔ "ہاجرہ تمہاری سہیلی کو بڑی
اچھی جگہ پسند آئی"۔ ہاجرہ نے گھوم کر اسے دیکھا "ہیں انصار بھائی؟ تم
یہاں کیوں آئے" انصار بے تکلفی سے آکر اس کرسی پر جس پر عذرا بیٹھی تھی
بیٹھ گئے۔ "کیوں کیا تمہارے کمرے میں آنا منع ہے" ہاجرہ نے کہا "مگر
یہاں پردا جو تھا تم کہہ کر کیوں نہیں آئے"
انصار (ہنس کر) مجھے کیا علم غیب تھا کہ یہاں پردہ ہے میں تو تمہاری
طبیعت پوچھنے آیا تھا" پھر جھک کر چپکے سے ہاجرہ سے پوچھا "آخر یہ لڑکی ہے
کون" ہاجرہ نے بتایا تو کہا "واہ واہ یہ تو ہماری بھابھی ہوئی پھر ہم سے پردہ
کیسا؟ نکالو اپنی سہیلی کو مسہری کے پیچھے سے ورنہ پھر میں" عذرا یہ سن کر

اور یہ دونوں باتیں کرتی رہیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کے معصوم قہقہے کمرے میں گونجنے لگتے تھے عذرا نے چاروں طرف دیکھ کر کہا "ہاجرہ تمھارا کمرہ بڑا اچھا ہے اور اس میں سامان بھی بہت خوبصورت ہے مگر سب پہ مٹی جمی ہوئی ہے اور جالے لٹک رہے ہیں تم بُرا نہ مانو تو میں اسے صاف کر دوں"۔
ہاجرہ۔ منھ سا کر نہیں یہ موئے سب نوکر چاکر ایسے ہیں کہ ان سے کچھ بھی کام نہیں ہوتا۔ تمھارا گھر بڑا صاف ستھرا رہتا ہے۔ تمھارے نوکر بہت کام کے اور سلیقے کے ہیں۔
عذرا۔ ہمارے ہاں تو صرف ایک نصیبن اور ایک بڑے میاں ہیں نصیبن کھانا پکاتی ہیں بڑے میاں سودا سلف لاتے ہیں۔ گھر کا اور سب کام تو ہماری اماں خود کرتی ہیں اور ہم سے کراتی ہیں بھلا کہیں نوکر بھی اچھا کام کر سکتے ہیں اچھا دیکھو میں تمھارا کمرہ صاف کئے دیتی ہوں۔
یہ کہہ کر عذرا اٹھی اور ایک جھاڑن لے کر کمرے کی ساری چیزیں صاف کیں سنہری کا مالس نکال کر اس پر میلا کثر البیٹ کر جالے لئے کھڑکیوں اور دروازوں کے کواڑ جھاڑن سے پونچھے۔ آتش داں کی تصویریں اور دوسری آرائشی چیزیں اچھی طرح صاف کر کے سجائیں۔ ہاجرہ کا بستر قرینے سے بچھایا، میز پوش وغیرہ جھاڑ کر میزوں پہ ڈالے۔ گھنٹہ بھر کے اندر کمرہ دمکنے لگا۔ ہاجرہ حیرت سے اس کی پھرتی اور سلیقے کو دیکھ رہی تھی جب عذرا سب کام کر چکی تو ہاجرہ نے اپنی ملازمہ سے پانی صابن اور تولیہ منگایا۔ عذرا نے باہر جا کر منھ ہاتھ دھویا اور پھر آ کر ہاجرہ سے باتیں کرنے لگی، اس نے بہت سی کتابیں قصے کہانیوں کی پڑھی تھیں وہ چھوٹے چھوٹے مزے مزے کے قصے اور لطیفے ہاجرہ کو سناتی رہی۔

بچھا ہوا تھا اور بیچ میں وہاں ایک طرف برابر برابر تین کمرے اور ان کے آگے ایک لمبا سا سیاہ پتلے پتلے ستونوں کا برآمدہ تھا برآمدے میں گدے دار کرسیاں اور چمکدار میزیں رکھی ہوئی تھیں بیچ کا کمرہ ہاجرہ کا تھا کمرے کے وسط میں ایرانی قالین کا فرش تھا۔ ایک طرف تین چار کرسیاں اور ایک بڑی سی میز رکھی تھی دوسری طرف ایک خوبصورت مسہری بچھی تھی اس مسہری پر ایک دراسی حلگہ میں ریشمی لحاف اوڑھے ہاجرہ لیٹی تھی۔ عدرا ایک نعل میں بلی کا بچہ دبائے دوسری میں گڑیا چھپائے سیدہ کا ہاتھ پکڑے اندر داخل ہوئی۔ ہاجرہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ عدرا کرسی کھسکا کر ہاجرہ کے پاس بیٹھ گئی۔ عدرا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "واہ ہمیں اتنے دن سے بخار تھا اور تم نے ہم سے کہلوایا بھی نہیں؟" پھر بلی کا بچہ ہاجرہ کو دے کر کہا "خر نہیں تمھیں بلی کے بچوں کا شوق ہے یا نہیں مجھے تو بڑے پیارے لگتے ہیں میں ابنی بلی کا یہ بچہ تمھارے لئے لائی ہوں" ہاجرہ نے جلدی سے بلی کے بچے کو عدرا کے ہاتھ سے لے کر کلیجے سے لپٹا لیا اور ہنسنے لگی عدرا نے گڑیا نکال کر دی "تمھارے پاس تو قیمتی قیمتی پیاری گڑیاں بہت سی ہوں گی مگر میری اماں اپنے ہاتھ سے بڑی پیاری گڑیاں سیا تی ہیں۔ اُن کی سائی ہوئی ایک گڑیا میں تمھارے لئے لائی ہوں" ہاجرہ خوشی میں اُٹھ کر بیٹھ گئی اور بڑے شوق سے گڑیا کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی اور پھر ایک دم گڑیا کا منہ چوم لیا۔ عدرا کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اُسے ہنستا دیکھ کر ہاجرہ اور سیدہ بھی ہنسنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد ہاجرہ نے نصیبن سے کہا "آپا جان سے کہہ دیا کہ ہاجرہ بی کو بخار ہے اس لئے انھوں نے عدرا کو روک لیا ہے شام کو آجائیں گی نصیبن سیدہ کو لے کر چلی گئیں،

ایک دن ہاجرہ اپنی مُلازمہ کے ساتھ نسیمہ کے ہاں آئی۔ ہاجرہ کی عمر تو دس برس کی تھی مگر ڈیل ڈول چھوٹا تھا اس لئے سات آٹھ برس کی لگتی تھی کھوے بال گورا رنگ، بادامی آنکھیں اور بہت بھولی بھالی صورت۔ نسیمہ نے پیار کیا۔ فرح، عذرا نے ہاجرہ کی بہت خاطر تواضع کی۔ اپنی گڑیاں کھلائیں کتابیں دکھائیں۔ اپنی سلائی، کاڑھے ہوئے رومال، غلاف، میز پوش وغیرہ دکھائے اور ایک ہی دن میں خوب گھل مل گئیں۔ وہ شام تک رہی۔ اگلے دن پھر آگئی۔ فرح عذرا سے کہا تم بھی ہمارے ہاں آؤ انھوں نے وعدہ کر لیا مگر کئی دن تک نہ جاسکیں پھر ہاجرہ بھی نہ آئی۔ ہفتے بھر بعد کا ذکر ہے کہ عذرا کو اوپر کی کھڑکی کھٹکھٹانے کی آواز آئی تو وہ بھاگی ہوئی اوپر گئی جھانکا تو دیکھا کہ ہاجرہ رضائی اوڑھے کھڑی ہے۔ اُس نے کہا "مجھے کئی دن سے بخار آرہا ہے۔ اس وقت چھپ کر آئی ہوں۔ تم میرے پاس آجاؤ میرا جی گھبرا رہا ہے۔"

عذرا۔ خدا کے لئے تم جاؤ یہاں نہ کھڑی ہو اور جا کر لیٹو میں ابھی آئی۔

— اس نے ماں سے جا کر اجازت لی اور اپنی خوب صورت سی کپڑے کی سی ہوئی گڑیا اور ایک تلی کا پنجرہ لے کر اور سیدہ اور نفیس کو ہمراہ لے کر ہاجرہ کے ہاں پہنچی۔

حبیب النبی قصبے کے اچھے رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا مکان پُرانی وضع کا مگر بہت شاندار سا ہوا اور قسم قسم کی قدیم طرز کی قیمتی اور خوبصورت اشیا سے آراستہ تھا۔ عذرا حیرت سے اُن سب چیزوں کو دیکھتی ہوئی ہاجرہ کی ملازمہ کے ساتھ آگے بڑھی — دالانوں کمروں وغیرہ میں سے گزرتی ایک جوڑے دیے پرسے ہو کر جس پر اودی قالین

اور لوا سارہ گئے ہیں۔

عذرا۔ ہائے ہائے بچاری بچی اس کے نہ ماں نہ باپ۔ بس ایک دادا ہی ہیں۔

فرح۔ اماں یہ تو آپ کے ماما ہیں پھر تو ہم ان کے سامنے آئیں گے

نسیمہ۔ ہاں کیوں نہیں اگر وہ آتے جاتے رہے تو سامنا ہوگا۔

عذرا۔ اماں ہم ان بچارے بچوں سے ضرور ملیں گے بچارے بے ماں باپ کے ہیں۔ ان کا دل بڑا دکھتا ہوگا؟

نسیمہ۔ ہاں اگر عنقریب ماما نے ملنا جلنا شروع کیا تو ضرور ہم لوگ بھی ملیں گے۔

تین چار دن بعد عذرا اور فرح اوپر بیٹھی پڑھ رہی تھیں کہ دونوں گھروں کے بیچ کی کھڑکی میں کھڑبڑ ہوئی۔ انھوں نے دیکھا تو ایک آنکھ جھانکتی ہوئی نظر آئی یہ کھڑکی کے پاس گئیں تو آنکھ غائب ہوگئی۔ اب انھوں نے جھانکا تو دیکھا کہ وہی لڑکی ریشمی کپڑے پہنے کھڑی ہے اور کھڑکی کی طرف دیکھ رہی ہے عذرا نے کواڑ کھٹکھٹایا تو وہ کھڑکی کے پاس آئی۔ تینوں نے ایک دوسری کو جھانک کر دیکھا اور دروں سے منھ لگا لگا کر باتیں ہونے لگیں اس نے کہا "تم ہمارے ہاں آؤ گی میرا اکیلے بڑا جی گھبراتا ہے" انھوں نے کہا "تم آؤ گی تو ہم بھی آئیں گے" لڑکی نے کہا "میں دادا ابا سے پوچھوں گی وہ بہت غصے والے ہیں مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔ کیا تمھاری اماں بھی غصے والی ہیں" عذرا نے کہا "ہماری اماں تو بڑے اچھے مزاج کی ہیں سب سے محبت کرتی ہیں" وہ بولی "پھر تو میں بھی انھیں دیکھوں گی"

کئی دن تک کھڑکی کی درزوں میں سے ان لوگوں میں باتیں ہوتی رہیں

"اماں سامنے والے گھر میں بہت سے آدمی آئے ہیں آپ نے دیکھا؟"

نسیمہ۔ ہاں تانگوں کی آوازیں نے بھی سنی تھی شاید حبیب ماما آئے ہوں گے۔

فرح۔ یہ بڑے میاں آپ کے ماما ہیں اماں؟

نسیمہ۔ ہاں یہ میری اماں کے ماموں ہیں۔

عذرا۔ پہلے تو آپ نے کبھی بتایا نہیں تھا

نسیمہ۔ ان سے اور ہم لوگوں سے مدت سے میل جول بند تھا اور یہ رہتے بھی حیدر آباد میں تھے اس لئے کبھی ذکر نہیں آیا

فرح ان سے میل جول کیوں نہیں تھا؟

نسیمہ تمہارے بڑے چچا مرحوم اور حبیب ماما کے بیٹے سے کسی بات پر ان بن ہوگئی تھی بہت دن مقدمہ بازیاں ہوئیں اس وجہ سے ہم لوگوں کا آنا جانا بھی بند ہوگیا تھا اب تو تمہارے تایا رہے نہ ان کے بیٹے دونوں کا انتقال ہوگیا۔

عذرا۔ اماں ہمارے بڑے چچا کے بیٹے کہاں ہیں وہ یہاں کیوں نہیں آتے

نسیمہ۔ تمہارے تایا حیدر آباد میں نوکر تھے وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بیٹے بیٹیاں بھی وہیں اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کا یہاں آنے کو جی نہیں چاہتا۔

فرح۔ ان کے ساتھ بس ایک چھ سات برس کی لڑکی ہے اور ایک لڑکا عورت کوئی بھی نہیں۔ اماں یہ بچے کون ہیں؟

نسیمہ۔ حبیب ماما کے دو بیٹیاں اور ایک لڑکا تھا ایک لڑکی احمدی کا سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا تھا۔ دوسری کی شادی ہوئی لڑکا ہوا اور پھر وہ بیچاری بھی چل بسیں ــــ ان کے بیٹے کا بھی چھ سات سال ہوئے انتقال ہوگیا۔ اب سنا ہے کہ بہو بھی مر گئیں۔ بس ایک پوتی

کے سرے پر آ گری۔ اس میں سے سب سے پہلے ایک پینسٹھ برس کی عمر کے بزرگ لمبی سفید ڈاڑھی ہاتھ میں چاندی کی موٹھ کی لکڑی لئے اُترے جلدی سے ایک نوکر نے بڑھ کر سہارا دیا پھر ایک سولہ سترہ برس کا لڑکا کود کر گاڑی سے باہر آیا اور ہاتھ پکڑ کر ایک لڑکی کو گاڑی سے اُتارا آگے آگے یہ تینوں پیچھے پیچھے نوکر حقہ، خاصدان، سوٹ کیس لئے ہوئے چلے اور سب پھاٹک کے اندر چلے گئے۔ عذرا نے فرح کے کہنی ماری "اس لڑکی کو دیکھا کیسی پیاری سی ہے" فرح چپکے سے بولی "ہاں بڑی بھولی ہے۔ کوئی امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

عذرا۔ ان بڑے میاں کو دیکھا کیسی شان سے چل رہے تھے جیسے بڑے لاٹھ صاحب ہوں ــــ توبہ کیسی دھوپ ہے میرا تو سر بھی جل گیا ــــ باجی یہ لوگ کون ہیں؟

فرح۔ جن کا گھر ہے وہی ہوں گے ــــ اماں نے ایک دفعہ ان کا نام بتایا تو تھا۔ یاد نہیں کیا تھا۔

عذرا۔ (سوچ کر) کچھ حبیب یہ تھا حبیب علی یا حبیب الٰہی۔

فرح ہاں ہاں حبیب الٰہی حبیب الٰہی رہائے ان کے ساتھ یہ بچے کون ہیں

عذرا۔ کوئی عورت تو ساتھ ہے نہیں بس ایک بچی اور ایک لڑکا ہے

فرح۔ اب چلو نیچے اماں آگئیں تو جاہوں گی۔

عذرا۔ ابھی اماں کہاں آئی ہیں خالہ جان ان کا دماغ چاٹ رہی ہوں گی چلو اس کھڑکی سے جھانکیں جو اس برابر کے گھر کی چھت پر کھلتی ہے

فرح۔ قفل پڑا ہے کیا نظر آئے گا؟

عذرا اور فرح کھڑکی تک گئیں اور درزوں سے جھانکتی رہیں جب سوا کھلی ہوئی چھتوں کے کچھ نظر نہ آیا تو نیچے اتر آئیں نسیمہ آئیں تو عذرا نے کہا

پانچواں باب

فرح نے کوٹھے پر سے جھک کر پکارا "اے عذرا ۔۔۔ اری عذرا ۔۔۔ سُن تو
سہی ۔۔۔ جلدی سے اوپر آ" عذرا دھوپ میں بیٹھی ایک میز پوش سا رہی تھی،
مُنہ بنا کر بولی "باجی کیوں چلائے جاتی ہو میں نہیں آتی"۔ فرح تیزی سے اوپر
سے اُتری اور عذرا سے بولی "وہ سامنے والا مکان جو ہے نا اس میں لوگ آئے
ہیں، بہت سا سامان اُتر رہا ہے چل اوپر کھڑکی میں سے دیکھیں ۔۔۔ نسیم
بھی دیکھ لیں چپکے سے چل" عذرا نے مڑ کر دیکھا۔ نسیم بیٹھی جوئیں مار رہی تھیں،
بُرا سا منہ بنا کر سر پھیر لیا اور اُٹھ کر بہن کے ساتھ اوپر چلی گئی اور گلی میں جو کھڑکی
کھلتی تھی اس میں سے دونوں بہنیں نیچے جھانکنے لگیں، سامنے کے بڑے
پھاٹک کے کواڑ کھلے ہوئے تھے اور تین چار نوکر تانگوں میں سے اسباب
اُتار اُتار کر اندر لے جا رہے تھے اتنے میں ایک عمدہ قسم کی سبز گاڑی گلی

یاد ہوگا میں نے تمھیں سنایا تھا عرب لوگ مہمان نوازی میں کتنے مشہور ہیں اور مہمان کے لئے جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ تو۔ تو۔ کتنی بُری بات ہے کہ تم نے اپنے مہمان کی ہتک کی۔

عذرا۔ اماں میں نے اُن کی ہتک تو نہیں کی۔

نسیمہ۔ یہ ہتک نہیں تو کیا ہے کہ تم اس سے اپنے گھر میں لڑیں۔ اُسے کتنا صدمہ اور شرمندگی ہوئی ہوگی ــــ میری بیٹی اور ایسی بے حس۔

عذرا شرمندہ ہو کر رونے لگی اور ماں کے سینے پر سر رکھ کر بولی" اماں میرا قصور معاف کر دیجئے۔" نسیمہ نے پیار کر کے کہا تم نے میرا کوئی قصور نہیں کیا۔ خدا سے توبہ کرو اور رضیہ سے معافی مانگو۔

عذرا۔ اچھا اماں۔

نسیمہ۔ تم کل ہی ایک پرچہ لکھ کر رضیہ سے معافی مانگ لینا۔ اچھا؟

عذرا۔ (با دلِ ناخواستہ) جی اچھا۔

اس رات دیر تک عذرا اپنے بستر پر لیٹی چپکے چپکے روتی رہی اور اپنے اللہ میاں سے خدا جانے کیا کیا باتیں کرتی رہی۔

مجھے ذرا اچھی نہیں لگتیں۔ پھر بھی میں نے اس کی خاطر مدارات کی مگر جب وہ ایسی باتیں کرنے لگیں تو پھر مجھ سے نہ رہا گیا (منہ بنا کر) اور پھر غصے میں تو یاد بھی نہیں رہتا کہ کیا کہنا چاہیئے کیا نہیں

نسیمہ۔ بیٹی تمھیں اپنے غصے کو قابو میں کرنا چاہیئے دنیا میں انسان کو بڑی بڑی باتیں سہنا پڑتی ہیں اگر وہ یونہی ذرا ذرا سی بات پہ آپے سے باہر ہو جایا کرے تو زندگی جہنم کا نمونہ بن جائے دنیا میں سب سے مل جل کر رہنا اور سب سے محبت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

عذرا۔ ایک تو انھوں نے ایسی باتیں کہیں اور پھر الٹا مجھے ٹھونسا سا یا اور باجی نے بجائے میری طرف داری کرنے کے مجھے برا بھلا کہا اور سب کے سامنے ذلیل کیا۔ اپنی بہن کو برا کہنا اور دوسروں کی طرف داری کرنا کوئی اچھی بات ہے ؟

نسیمہ۔ درج نے تمھیں اس لئے برا کہا کہ مہمان سے لڑنا بہت بری بات ہے

عذرا۔ باجی کو تو ان کی ہر بات اچھی لگتی ہے اور اماں یہ تو مجھے بھی برا لگا کہ وہ ہمارے گھر سے ناراض ہو کر گئیں مگر آخر وہ بھی تو سوچتیں کہ دوسرے کے گھر آکر اسے برا بھلا کہنا کہاں کی شرافت ہے۔

نسیمہ۔ تمھیں خود اپنے مزاج پر قابو نہیں تو دوسروں پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے جیسی بدمزاج تم ہو ایسی ہی وہ ہے اور تم نے باوجود میرے ہمیشہ سمجھانے اور بتانے کے ایسی حرکت کی۔ آج تو خیر میں کچھ نہیں کہتی مگر آئندہ ایسا نہ ہو مجھے بڑا رنج ہے کہ تم نے گھر آئی سے لڑائی لڑی ہمارے حضورؐ مہمان کی کتنی عزت کرتے تھے، اس کا کتنا کام اور خاطرداری کرتے تھے ؟ تم نے تو یہ سب پڑھا اور سنا ہے مہمان کی کڑی سے کڑی بات خاموشی سے سہنا چاہیئے ـــــ میری جان مہمان کی دل شکنی بڑا گناہ ہے ـــــ تمھیں

اور جانمازیں بچھائیں۔ اذان کی آواز سُن کر پہلے نسیمہ خاتون نے افطار کی دُعا پڑھا کر کھجور کے دانے سے عذرا کا روزہ کھلوایا پھر اور سب نے کھولا اور ایک طرف لڑکیوں نے دوسری طرف بیویوں نے نماز ادا کی پھر سب دسترخوان پر آ بیٹھے جس پر انواع و اقسام کی اطلی ری، مٹھائی، پھل وغیرہ چنے ہوئے تھے تھوڑی دیر بعد کھانا ہوا اور عشا کے وقت سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

رات کو عذرا ماں کے پلنگ پر آ کر لیٹ گئی اور چپکے سے کہنے لگی "اماں آپ مجھ سے خفا تو نہیں"۔

نسیمہ۔ (پیار سے) خفا کیوں ہوتی۔ آج تم نے اچھے اچھے کام کئے بڑوں کا کہنا مانا۔ روزے کو بہت اچھی طرح برداشت کیا۔ دوسروں کے کام کئے آج میں تم سے بہت خوش ہوں۔

عذرا۔ (شرمندگی سے) مگر اماں ایک قصور مجھ سے ہو گیا۔

نسیمہ تو اللہ سے توبہ کرو وہ معاف کر دے گا۔

عذرا۔ میں نے تو اماں بہت کوشش کی کہ چپ رہوں مگر جب وہ آپ کو جاہل اور کیا کیا کہنے لگیں تو مجھ سے نہ رہا گیا۔

نسیمہ۔ کس نے کہا؟

عذرا۔ رضیہ نے۔ کہ بچوں کو روزہ رکھانا جہالت ہے جو اپنے بچوں کو بھوکا پیاسا مارتے ہیں وہ جاہل ہیں یہ مجھ سے نہ سُنا جا سکا۔ بھلا کون ایسی ماں کے لئے ایسی بات سُن لے گا۔

نسیمہ۔ رضیہ کو کسی نے بتایا نہ ہوگا کہ بڑوں کو ایسی بات نہیں کہتے مگر بیٹی، عذرا، وہ تمہاری مہمان تھی۔ تمہیں اس کا دل دکھانا نہیں چاہئے تھا

عذرا۔ اماں یہ تو ٹھیک ہے مگر وہ اس دن ضرور سے بات کر رہی تھی کہ

عذرا۔ تو تم کیوں سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتیں۔
رضیہ۔ چپ رہو میں تم سے نہیں بول رہی ہوں
عذرا کچھ کہنے کو تھی کہ صغرا نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا "عذرا کیوں سارے دن کی محنت برباد کر رہی ہو۔ رونے میں لڑنا گناہ ہے" فرح نے رضیہ کے پاس جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "اچھی بہن معاف کر یا عذرا بچی ہے اور پھر روزے کی وجہ سے اس کا مزاج چڑچڑا ہو رہا ہے اس کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو۔"
عذرا فرح باجی تم ایسی باتیں کرتی ہو کہ میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے میرا مزاج روزے کی وجہ سے چڑچڑا نہیں ہو رہا۔ انھوں نے بات ایسی کہی ہے جسے تم چاہے سن لو میں نہیں سن سکتی۔
فرح۔ خبردار جو اب تم بولیں نہیں تو بلاتی ہوں اماں کو۔
رضیہ۔ تم لوگوں نے گھر بلا کر میری بے عزتی کی ہے اب کبھی یہاں نہ آؤں گی۔
فرح۔ (خوشامد سے) تم تو بہن برا مان گئیں ـــ چلو جانے دو ـــ معاف کر دو اماں سنیں گی تو انھیں بہت رنج ہوگا۔
سب نے سمجھا یا مگر دونوں کا منھ پھولا رہا۔ نسیمہ لڑکیوں کو بلا لے آئیں تو دیکھا کہ رضیہ کا منھ غصے سے سرخ ہو رہا ہے اور عذرا ایک طرف منھ چھپائے رو رہی ہے سمجھ گئیں کہ دونوں میں پھر لڑائی ہوئی ہے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں۔ سارے دن کی کھوکی پیاسی روزے دار بچی کو ماتی ہیں تو مہمان سہیلی کی بچی کو برا لگے گا اور اگر رضیہ کو مناتی ہیں تو عذرا کو صدمہ ہوگا چند لمحے سوچتی رہیں اور آخر رضیہ کو منا کر باہر لے گئیں۔ یاسمین نے جا کر امی ماں سے سارا قصہ کہا وہ جلدی سے اٹھ کر آئیں اور عذرا کو گلے لگا کر باہر لائیں، وہ کچھ شرمندہ کچھ [illegible] باہر آئی سب کے چہرے کا

مصر ہے اور ہر گز اس گرمی میں بچوں کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔
عذرا۔ آخر سیکڑوں آدمی اسی گرمی میں روزے رکھتے ہیں بچے بھی بڑے بھی۔ کیا وہ آدمی نہیں۔ یا انھیں گرمی نہیں لگتی۔
رضیہ۔ پاپا کہتے ہیں کہ چھوٹی عمر میں بچوں کو روزہ رکھانا جہالت ہے۔
عذرا۔ سبحان اللہ کیا کہنے ہیں آپ کے پاپا کے ان کے سوا ساری دنیا جاہل ہے؟
رضیہ۔ (تنک کر) یہ جہالت نہیں تو کیا ہے کہ خواہ مخواہ بچوں کو بھوکا پیاسا مارا جائے؟
عذرا۔ تمھیں شرم نہیں آتی ایسے سے بڑوں کو جاہل کہتے؟
رضیہ۔ جو جاہل ہوگا اسے کہا ہی جائے گا سچی بات کا کیا بُرا ماننا۔
عذرا۔ دراز ماں سنبھال کر بات کرو۔ تمھیں میری اماں کو جاہل کہنے کا کوئی حق نہیں وہ تم جیسی ہزاروں کو پڑھا کر رکھ دیں۔ جاہل تو تم خود ہو۔ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔
فرح۔ عذرا کیا ہو گیا ہے۔ گھر آئی مہمان سے لڑ رہی ہو۔
عذرا۔ انھوں نے کیسے میری اماں کو جاہل کہا؟
رضیہ۔ (چڑھتے سے) میں نے کب تمھاری اماں کو جاہل کہا خواہ مخواہ لڑکی مجھ پہ بہتان باندھ رہی ہے۔
عذرا۔ تم نے یہ کہا نہیں کہ جو چھوٹی عمر میں روزہ رکھائیں وہ جاہل ہیں؟ دیکھو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ توبہ توبہ، ہمارے رسولؐ بھی جھوں نے یہ حکم دیا کہ بارہ اور نو سال کی عمر میں روزہ واجب ہو جاتا ہے تمھارے نزدیک وہ توبہ (گلوں پر تھپیڑ مار کر) نعوذ باللہ جاہل ٹھیرے۔
رضیہ (رو کر) تم سب مل کر مجھ پر جھوٹے الزام لگا رہی ہو میں نے رسول اللہؐ کی یا فرح کی اماں کی شان میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

عذرا۔ کل تو نہیں پرسوں رکھوں گی۔
صغرا۔ جی اماں ہرگز بھی نہیں رکھنے دیں گی۔ بس ایک کافی ہے۔
عذرا۔ کیوں آج کچھ میں نے ستو۔ کل میا یا جو اماں منع کریں گی۔
تسنیم۔ محمہ تو دیکھو کیسا ذرا سا کل آیا ہے۔
عذرا۔ تسنیم آپا آپ کا روزہ ہے؟
تسنیم۔ ہاں بہن میں تو سب روزے رکھتی ہوں۔
فرح۔ محمہ تم بھی سب روزے رکھتی ہو۔
محمہ۔ نہیں میرا جی ہی اچھا نہیں رہتا۔ بڑی مشکل سے رو دھو کر دو تین روزے رکھے نانی اماں مانتی ہی نہیں۔
فرخ۔ میں تو ہر تیسرے دن رکھتی ہوں۔ پہلا روزہ تو بہت لگا پھر تو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ ذکیہ کو خالہ جان بہت منع کرتی رہتی ہیں مگر یہ سارے روزے رکھتی ہیں۔
ذکیہ۔ مجھے روزہ رکھنا بڑا اچھا لگتا ہے۔ کیوں بہن رضیہ آپ نے کتنے روزے رکھے؟
رضیہ۔ ایک بھی نہیں۔
فرح۔ کیوں کیا کچھ طبیعت خراب رہتی ہے؟
رضیہ۔ نہیں پاپا منع کرتے ہیں کہ اس گرمی میں بچوں کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔
محمہ۔ ہاں گرمی بہت ہے اسی لئے تو مجھے نانی اماں نہیں رکھنے دیتیں۔
صغرا۔ رضیہ بہن تمہاری کیا عمر ہے۔
رضیہ۔ دسمبر میں میں تیرہ برس کی ہو جاؤں گی۔
ذکیہ۔ تب تو آپ پر روزے فرض ہیں ضرور رکھنے چاہئیں۔
رضیہ۔ ہمارے پاپا کہتے ہیں کہ اتنی چھوٹی عمر میں روزے رکھنا صحت کے لئے

مسز نعیم نے عذرا کو بلا کر پیار کیا اور کہا "کیوں بیٹی روزہ تو بہت نہیں لگا" عذرا نے آنکھیں نیچی کر کے جواب دیا "جی نہیں مجھے تو پتہ بھی نہیں چلا" سب ہنسنے لگے اور عذرا شرمندہ ہو گئی مسز نعیم نے کہا "یہ شلوار تمہارے بڑی پیاری لگ رہی ہے تم شلوار ہی پہنا کرو" اب حمیلہ نے دیکھا کہ بھابی کی مالائق شلوار پہنے ہے اسے بہت غصہ آیا مگر غنیمت ہوا کہ مہمانوں کا لحاظ کر کے کچھ کہا نہیں مسز نعیم اپنے ساتھ پھلوں کی ٹوکری لائی تھیں۔ وہ ملازمہ نے پاس لا کر رکھ دی۔

مسز نعیم نے پچیس روپے عذرا کو دیئے کہ لو یہ تمہاری روزہ کشائی ہے" عذرا نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا اور کہا "اس کی کیا ضرورت ہے۔ میری روزہ کشائی کے لئے آپ پھل تو لے آئی ہیں"

مسز نعیم بیٹی بڑے دیتے ہیں بچے لیتے ہیں۔ لے لو حرج کیا

عذرا۔ خالہ صاحب معاف کیجئے یہ تو میں نہیں لوں گی مجھے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اماں منگا دیتی ہیں میں اس کا کیا کروں گی یہ کہہ کر عذرا وہاں سے کھسک گئی مسز نعیم نے نسیمہ کو روپے دینا چاہے مگر نسیمہ نے شائستگی سے انکار کر دیا۔

لڑکیوں نے بڑا سا دسترخوان بچھا کر اس پر سب قسم کی افطاری چن دی نسیمہ اور جمیلہ نے پہلے سے دو اور امام باڑے میں افطاری بھیجی بہت غریبوں کے ہاں کھانا بھجوایا سب ملازمہ عورتوں اور نوکروں کے لئے نکال کر پہلے سے رکھ دیا اور دودھ کا شربت سا کر رکھا کہ جیسے ہی گولا چھوٹے گا برف ڈال دیا جائے گا۔

موسم بہت خوش گوار ہو گیا تھا، روزہ کھلنے میں ابھی دیر تھی سب لڑکیاں ایک طرف بیٹھی آپس میں ہنسی مذاق کر کے روزہ بہلا رہی تھیں

دیکھیہ۔ عذرا کل بھی روزہ رکھو گی یا آج جیبیں لول دی۔

ہٹایا گیا تو سیمی میں اوطاری کی مٹھائی اور ریشمی جوڑے کا کپڑا تھا عدرا صعرا
اور دکہ سے باتوں میں مصروف تھی ماں نے کہا جاؤ نہا کر کپڑے بدل لو
شام ہوگئی ہے صعرا نے کہا " دیکھ کہیں پانی رہ گیا " عدرا کہ پانی ہوگئی
تم مٹی ہوگی رودرے میں نہاتے ہوئے پانی ــــ سمی کہہ سی ہو ــــ کپڑے لے کر
غسل خانے میں گھس گئی اور نہا کر باہر نکلی تو دیکھا کہ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے
ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے اور سب کے چہرے مسرت سے کھلے ہوئے ہیں۔
عدرا کے لمبے قد اور نازک جسم پر شلوار بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ شرماتی
ہوئی آکر بہنوں کے بیچ میں بیٹھ گئی۔ صعرا اور دکیہ نے اس کی شلوار دیکھ کر
خوب خوب چھیڑا اگر عدرا ہنسی رہی بُرا نہیں مانا ــــ شمیم اور رحمہ بھی آگئیں
ــــ محمدی بیگم نے اوطاری کے لئے مٹھائی بھیجی تھی، جمیلہ خاتون بھی بہت
سی چیزیں اپنے ہاں سے پکا کر لائیں اور یہاں آکر بہن کا ہاتھ بٹانے لگیں۔
ساڑھے چھ بجے تک کھانا اور اوطار کا سب سامان تیار ہوگیا۔ مگر اب تک
جان بہادر کی بیوی اور لڑکیاں نہیں آئی تھیں۔
نسیمہ۔ بہن جانے کیا بات ہے حسینہ بہن اور اُن کی لڑکیاں ابھی نہیں آئیں
جمیلہ۔ (طنز سے) ابھی اُن کا سنگار ہی ختم نہ ہوا ہوگا آتیں کیسے
نسیمہ چپ ہوگئیں اور جمیلہ نسیمہ کی دیورانی سے نسیم صاحب کی، اُن کی
بیوی بیٹیوں کی بُرائی کرنے لگیں کہ یہ ایسے لوگوں سے ملتی ہے ساتھ ہی انھیں
اور نسیمہ کو بُرا بھلا کہا کہ لڑکیوں کو غیر مرد سے پڑھواتی ہو۔ وہ بچاری جاتوں
طبیعت کی آدمی تھیں ہوں ہاں کرتی رہیں۔
موٹر کے ہارن کی آواز آئی اور مسز نسیم مع دونوں لڑکیوں کے اندر آئیں
عذرا نے آدھی آستین کے جمپر پہنے تھیں اور چھپے ہوئے دوپٹے گلے میں پڑے تھے

اور دونوں ہنستی ہوئی باہر آئیں۔ اوپر تلے کی ہونے کی وجہ سے اکثر دونوں میں لڑائی ہوتی تھی مگر محبت بہت تھی۔ ابھی لڑائیں ابھی مل گئیں۔ فرح کو ایسی لڑائی کا بہت خیال رہتا ذرا ذراسی بات ناگوار گزرتی۔ جس پر عذرا کو ڈانٹ پڑتی تھی۔ عذرا کو یہ بُرا لگتا تھا کہ ہر کوئی باجی کی طرفداری کرتا ہے اور مجھے ڈانٹتا ہے اسی لئے دونوں میں جھڑپ ہو جاتی تھی مگر روزے کی برکت سے عذرا کا مزاج بھی دھیما ہو رہا تھا اور فرح کو بھی بہن پر بہت رحم آرہا تھا۔ اُس نے کہا" دیکھو اللہ میاں کو تم پر رحم آگیا۔ کیسا اچھا ابر آیا ہے اللہ کرے بارش ہو جائے "۔

عذرا ماں کے پاس باورچی خانے میں گئی اور بولی"میری اماں آپ اس گرمی میں پکا رہی ہیں اچھا مجھے بھی کوئی کام دیجئے میں بھی پکاؤں گی"۔

نسیمہ نے کہا تم یہاں سے جاؤ آگ کے پاس نہ آؤ فرح کے ساتھ کام کرالو۔

نصیبن اے ہے میں واری جاؤں کیسا میری بچی کا ذرا سا مُنہ نکل آیا۔

عذرا۔ واہ بڑی بی تم تو یہی کہا کرتی ہو میرا تو ویسا ہی چوڑا چکلا مُنہ ہے جیسا تھا۔

نصیبن اے بیٹی کیا کہے ہیں تیرے چوڑے چکلے مُنہ کے ایک تو سدا کی سُوکھی ساکھی روزے نے اور ماڑی کر دیا۔

عذرا۔ تم مجھے دُبلا سُوکھا نہ کہا کرو تم سے تو زیادہ موٹی ہوں۔

نسیمہ۔ (ہنس کر) اچھا اچھا تو ہٹتی ہے۔ مگر یہاں سے جا بہت گرمی ہو رہی ہے۔

عذرا نے جاکر بہار پڑھی اور پھر دونوں بہنیں چیزیں درست کرنے لگیں۔ سب سے پہلے عذرا کی چچی اور صغرا آئیں اُن کے پیچھے ماں ایک خوان لئے ہوئے تھی ـــــ چچی نے عذرا کو گلے سے لگایا اور سب سے ملیں خوان پوش

ہٹایا گیا تو سیبیں میں افطاری کی مٹھائی اور ریشمی جوڑے کا کپڑا تھا عدرا صعرا اور دکیہ سے باتوں میں مصروف تھی ماں نے کہا جاؤ نہا کر کپڑے بدل لو شام ہوگئی ہے صعرا نے کہا "دیکھ کہیں پانی رہ نہ گیا" عدرا کھ پانی ہوگئی تم بیتی ہوگی رو رہے میں نہاتے ہوئے پانی ___ سچی کہتی ہو ___ کپڑے لے کر غسل خانے میں گھس گئی اور نہا کر باہر نکلی تو دیکھا کہ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے اور سب کے چہرے مسرت سے کھلے ہوئے ہیں۔
عدرا کے لمبے قد اور نازک جسم پر شلوار بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ شرماتی ہوئی آکر بہنوں کے بیچ میں بیٹھ گئی صعرا اور دکیہ نے اس کی شلوار دیکھ کر خوب خوب چھیڑا مگر عدرا ہنستی رہی بُرا نہیں مانا ___ شمیم اور نجمہ بھی آگئیں ___ مجیدی بیگم نے افطاری کے لئے مٹھائی بھیجی تھی، جمیلہ خاتون بھی بہت سی تیریں اپنے ہاں سے پکا کر لائیں اور یہاں آکر بہن کا ہاتھ بٹانے لگیں۔ ساڑھے چھ بجے تک کھانا اور افطار کا سب سامان تیار ہوگیا۔ مگر اب تک جاں بہادر کی بیوی اور لڑکیاں نہیں آئی تھیں۔
نسیمہ نے کہا کیا بات ہے حسینہ بہن اور اُن کی لڑکیاں ابھی نہیں آئیں
جمیلہ (طنز سے) ابھی اُن کا سنگار ہی ختم نہ ہوا ہو گا آتیں کیسے
نسیمہ چپ ہوگئیں اور جمیلہ نسیمہ کی دیورانی سے نعیم صاحب کی، اُن کی بیوی بیٹیوں کی بُرائی کرنے لگیں کہ یہ ایسے لوگوں سے ملتی ہے ساتھ ہی انھیں اور نسیمہ کو بُرا بھلا کہا کہ لڑکیوں کو غیر مرد سے پڑھواتی ہو۔ وہ بچاری حاموش طبیعت کی آدمی تھیں ہوں ہاں کرتی رہیں۔
موٹر کے ہارن کی آواز آئی اور مسز نعیم معہ دونوں لڑکیوں کے اندر آئیں غرارے، آدھی آستین کے جمپر پہنے تھیں اور چھپے ہوئے دوپٹے گلے میں پڑے تھے

اور دونوں ہنستی ہوئی باہر آئیں۔ اوپر تلے کی ہونے کی وجہ سے اکثر دونوں میں لڑائی ہوتی تھی مگر محبت بہت تھی۔ ابھی لڑیں ابھی مل گئیں۔ فرح کو ایسی لڑائی کا بہت خیال رہتا ذرا ذراسی بات ناگوار گزرتی جس پر عذرا کو ڈانٹ پڑتی تھی۔ عذرا کو یہ برا لگتا تھا کہ ہر کوئی باجی کی طرفداری کرتا ہے اور مجھے ڈانٹتا ہے اسی لئے دونوں میں جھڑپ ہو جاتی تھی مگر روزے کی برکت سے عذرا کا مزاج بھی دھیما ہو رہا تھا اور فرح کو بھی بہن پر بہت رحم آرہا تھا۔ اس نے کہا " دیکھو اللہ میاں کو ہم پر رحم آگیا۔ کیسا اچھا ابر آیا ہے اللہ کرے بارش ہو جائے "۔

عذرا ماں کے پاس باورچی خانے میں گئی اور بولی "میری اماں آپ اس گرمی میں پکا رہی ہیں اچھا مجھے بھی کوئی کام دیجئے میں بھی پکاؤں گی"۔
نسیمہ نے کہا تم یہاں سے جاؤ آگ کے پاس نہ آؤ فرح کے ساتھ کام کرالو۔
نصیبن نے ہے ہے میں واری جاؤں کیسا میری بچی کا ذرا سا منہ نکل آیا۔
عذرا۔ واہ بڑی بی تم تو یہی کہا کرتی ہو میرا تو ویسا ہی چوڑا چکلا منہ ہے جیسا تھا۔
نصیبن اے بیٹی کیا کہتے ہیں تیرے چوڑے چکلے منہ کے ایک تو سدا کی سوکھی ساکھی پر روزے نے اور ہاڑ ہی کر دیا۔
عذرا۔ تم مجھے دبلا سوکھا کہا کرو تم سے تو زیادہ موٹی ہوں۔
نسیمہ۔ (ہنس کر) اچھا اچھا تو بہتی ہے۔ مگر یہاں سے جاؤ بہت گرمی ہو رہی ہے۔

عذرا نے جا کر نماز پڑھی اور پھر دونوں بہنیں چیزیں درست کرنے لگیں سب سے پہلے عذرا کی چچی اور صغرا آئیں ان کے پیچھے مائیں ایک خوان لئے ہوئے تھی ۔۔۔ چچی نے عذرا کو گلے سے لگایا اور سب سے ملیں خوان پوش

قرب اور اُس کے ہاتھ کا محبت بھرا لمس ـــــ عدرا گرمی اور پیاس سب بھول گئی اُس نے آنکھیں بند کرلیں اور تھوڑی دیر بعد میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی۔ نسیمہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ کچھ دیر بیٹھی رہیں اور پھر آہستہ سے اُٹھ کر باہر آگئیں نعیمہ سوگئی تھی اسے اٹھایا۔ کہ نماز پڑھ لو۔ خود نماز پڑھی اور پھر وہ اور نعیمہ دونوں افطاری کا سامان تیار کرنے لگیں۔ آٹا تول کر بڑے میاں کو دیا کہ تندور پہ دے آئیں پلاؤ کے چاول چُن کر بھگوئے یہ دونوں کام میں مصروف تھیں کہ فرح اُٹھ کر آئی اور بولی" اماں دیکھئے تو سارے آسمان پر بادل چھا رہے ہیں۔ یا اللہ عدرا کے روزے کی برکت سے آج بارش ہو جائے "۔ نسیمہ نے کہا" ہاں بی بی دُعا مانگو معصوموں کی دُعا میں برکت ہوتی ہے ہم گنہ گار تو دُعا مانگ مانگ کر تھک گئے آسمان پہ بادل آتے ہیں اور بارش نہیں ہوتی۔ خدا تمھاری دُعا ہی سُن لے اور سبھی بچوں اور غریب کسانوں پر رحم کر کے پانی برسا دے "۔ فرح نے نماز پڑھ کر ماں سے کہا " اماں مجھے بھی کچھ کام بتائیے " نسیمہ نے کہا " تم روزے سے ہو یہاں آگ کے پاس نہ بیٹھو۔ اندر جا کر دالان سہ دری اور کمرے میں جھاڑو دے کر فرش وغیرہ درست کرلو تھوڑی دیر میں تمھاری سہیلیاں آجائیں گی "۔

فرح اندر گئی تو دیکھا کہ عدرا پسینے میں شرابور، پیاس سے لب خشک لئے بے خبر سو رہی ہے اسے بہن پر بڑا ترس آیا۔ پنکھا لے کر جھلنے لگی ٹھنڈی ہوا لگنے سے عدرا کی آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ فرح اسے پنکھا جھل رہی ہے کچھ دیر حیرت سے بہن کو دیکھتی رہی پھر بولی" آج تو آپا جی کو مجھ پر بڑی محبت آرہی ہے "۔ اور یہ کہہ کر فرح کے گلے سے لپٹ گئی فرح نے بھی اسے لپٹا لیا

کروہ ایک گھنٹے سو جاؤ لڑکیاں اندر جا کر لیٹ گئیں عذرا کے پیٹ میں مروڑ سی اُٹھ رہی تھیں، پیاس سے بُرا حال تھا اور ہونٹ بالکل خشک ہو گئے تھے فرح کو بھی گرمی اور پیاس کی تکلیف تھی مگر چونکہ دو تین سال سے روزے رکھ رہی تھی اس لئے عادت پڑ گئی تھی عذرا کے لئے یہ پہلا موقع اور سخت امتحان تھا وہ اس کوشش میں تھی کہ میں اس میں پوری اُتروں عیرارادی طور پر بار بار اس کی نظریں کورے گھڑے کی ٹھنڈی سطح پر جا پڑتیں جنھیں وہ گھبرا کر جلدی سے ہٹا لیتی جیسے کوئی چوری کر رہی ہو۔ فرح اور سعیدہ تو تھوڑی سی دیر میں سو گئیں مگر عذرا کو کسی طرح نیند نہ آتی تھی کبھی اٹھتی کبھی بیٹھتی۔ آخر لوٹے سے سر پر خوب پانی ڈالا اور منہ ہاتھ دھویا نسیمہ جو ماسر شیں شام کے کھانے اور افطار کے انتظام میں مصروف تھیں جھانک کر یہ دیکھا اور اُٹھ کر اندر آئیں عذرا انھیں دیکھ کر جلدی سے لیٹ گئی۔

نسیمہ۔ کیوں بی بی۔ نیند نہیں آتی!

عذرا۔ گرمی بہت ہے۔

نسیمہ۔ بہت پیاس لگ رہی ہے

عذرا۔ جی نہیں پیاس تو نہیں گرمی لگ رہی ہے۔

نسیمہ۔ (مسکرا کر) میری بیٹی بڑی بہادر ہے۔ بس دو تو بج گئے چند گھنٹے اور ہیں انشاءاللہ یہ بھی کٹ جائیں گے۔ تم لیٹو۔ میں بھی تمھارے پاس لیٹتی ہوں پھر نیند آ جائے گی۔

نسیمہ عذرا کے پاس لیٹ گئیں پنکھا جھلنے والا لڑکا سو گیا تھا، انھوں نے ڈوری اپنے پاؤں میں لے لی اور ہاتھ سے ہلکے ہلکے عذرا کا سر سہلانے لگیں کچھ تو پسینے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، کچھ ماں کا

عذرا یہ کہہ رہی تھی کہ ڈاکیہ نے آواز دی۔ بڑی بی جا کر خط لے آئیں۔
ایک ریاض کا خط تھا اور ایک "تہذیب نسواں" کا پرچہ۔
ریاض نے لکھا تھا۔

میری پیاری اماں آداب کل آپ کا عنایت نامہ ملا یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ خدا کے فضل سے اب آپ کی طبیعت اچھی ہے عذرا نے لکھا ہے کہ آپ برابر روزے رکھ رہی ہیں اگر دو چار چھوڑ دیں تو اچھا ہے کہیں کمزوری نہ بڑھ جائے۔

آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ چودہ رمضان کو عذرا کا پہلا روزہ ہوگا یعنی جس دن یہ خط پہنچے گا۔ میری طرف سے اسے خوب پیار کیجئے گا اس خط کے ساتھ ہی تہذیب نسواں پہنچے گا۔ یہ میں نے روزہ کشائی میں عذرا کے نام جاری کرایا ہے۔

میں روزے برابر رکھ رہا ہوں اور بالکل اچھا ہوں خوب کھاتا ہوں، خوب کھیلتا ہوں اور بہت موٹا ہو گیا ہوں۔ عید کی چھٹیوں میں آؤں گا تو آپ پہچان بھی نہ سکیں گی۔ عذرا اور فرح کو بہت سی دعائیں اور پیار۔ پرسوں ان کے خط کا جواب دوں گا۔ بڑی بی اور بڑے میاں کو سلام اور سب کو مارحب عذرا کو دوبارہ روزے کا پیار۔

آپ کا تابع دار بیٹا

ریاض عباس

عذرا اور فرح نے ماں سے لے کر خط پڑھا اور پھر دونوں تہذیب پڑھنے لگیں آج آسمان پر کہیں بادل کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے اور ہوا بالکل بند تھی نسیمہ نے لڑکیوں کو اندر سہ دری میں پنکھے کے نیچے لٹا دیا

درج۔ خدا کے لئے عذرا اپنی اس حیا کو روک ــ دیکھا ــ وہ آ رہی ہیں
سن لیا ہوگا تو آج تیری خیر نہیں ۔
جمیلہ خاتون نے آ کر کہا کہ دکیہ اب گھر چل ۔
نسیمہ۔ آج تو اسے یہیں رہنے دو ۔
جمیلہ۔ ابھی جانے دو شام کو کپڑے بدل کر آ جائے گی اس کا جی بھی اچھا نہیں
رات سر میں درد تھا اور آج پھر روزہ رکھ لیا گھر جا کر ذرا دیر لیٹے گی ۔
دکیہ۔ ممانی اماں اب تو میرا جی بالکل اچھا ہے ۔
نسیمہ۔ یہاں بھی آرام کر سکتی ہے وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے
تم جاؤ یہ نہیں جاتی ۔
جمیلہ۔ نہیں بی اس وقت جانے دو شام کو آ جائے گی ۔ اٹھ دکیہ ۔
بیچاری دکیہ دل گرفتہ سی اٹھی اور ان کے ساتھ چلی گئی عذرا کو بہت
برا لگا منہ ہی منہ میں بڑبڑائی "بڑی آئیں بیچاری"۔
عذرا نے پیچھے سے گلے میں باہیں ڈال دیں" اماں باجی کہتی ہیں
آپ نے میرا سا جوڑا سلایا ہے"
نسیمہ۔ (پیار کر کے) ہاں سلایا تو ہے۔
عذرا۔ آپ نے اتنی مایا پہلے کا رکھا ہوا نہیں لیتی۔
نسیمہ۔ میں کچھ روزہ کشائی تو دیتی نا؟ ــ اس کی جگہ میں نے کپڑے سلا دیئے
عذرا۔ آپ پہلے ہی قرض دار ہو رہی ہیں اور اتنے روپے خرچ ہو گئے ہوں گے۔
نسیمہ۔ چل بڈھوں کی سی باتیں نہ کر تجھے پیسے سے مطلب یا روپے سے ۔
عذرا۔ اماں بھائی جان آج یہاں ہوتے تو کیسا اچھا تھا وہ مجھے بہت
یاد آ رہے ہیں

فرخ۔ ہاں ہاں لٹھے کی شلوار"
عذرا۔ مگر میں نے ایک دفعہ اماں سے شلوار کے لئے کہا تھا تو انھوں نے
ڈانٹ دیا تھا اب کیسے سادی۔
فرخ۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر انھوں نے جان بہادر کے ہاں لٹھا بھیجا تھا
کہ عذرا کے ناپ کی شلوار کاٹ دیں۔ انھوں نے سی کر اور خوبصورت سی
بیل پائنچوں پر لگا کر کل ہی بھیجی ہے۔
زکیہ۔ اور نانی اماں تمھیں شلوار پہنے دیکھ کر کیا کہیں گی؟
فرخ۔ (ہنس کر) خوب اماں اور عذرا کو بُرا بھلا کہیں گی۔
عذرا۔ ارے تم دیکھنا خالہ جان تو غصے میں ناچنے لگیں گی۔
فرخ۔ اری چُپ چُپ۔ کہیں سُن لیا تو غضب ہی ہو جائے گا۔
عذرا۔ اُف میں اُن سے بہت ڈرتی۔
زکیہ۔ (ہنس کر) نانی اماں بھی کہا کرتی ہیں کہ عذرا بڑی زبان دراز ہے۔
(حسرت سے) مجھے بھی شلوار بڑی اچھی لگتی ہے ۔۔ لیکن اگر منہ سے بھی یہ بات
نکالوں تو کھا ہی جائیں انھیں جس کسی پر بھی غصہ آتا ہے سب مجھ پر
اُترتا ہے۔
فرخ۔ ہائے بیچاری زکیہ۔
عذرا۔ تم اُن سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟
زکیہ۔ تم بھی تو اپنی اماں سے ڈرتی ہو۔ وہ بھی تو میری ماں ہی ہیں
مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں، اتنا خیال رکھتی ہیں اور بُرا بھی تو میرے
بھلے ہی کو کہتی ہیں۔
عذرا۔ اور کچھ مزاج بھی خراب ہے۔

فرح۔ ابھی کیوں بتاؤں۔ جب بیہو گی دیکھ لینا۔
عذرا۔ میری اچھی باجی بتا دو نا۔
فرح۔ اس وقت باجی کی بڑی خوشامد ہو رہی ہے لڑتے وقت یاد نہیں رہتا
ذکیہ۔ باجی فرح آج بھی تم بیچاری کو ستا رہی ہو آج تو اس کا روزہ ہے۔
فرح۔ یہ خود مجھے روزے میں ستاتی اور لڑتی رہتی ہے۔
عذرا۔ (منہ بنا کر) جاؤ۔ نہ بتاؤ ہم اماں سے پوچھ لیں گے۔
فرح۔ اچھا سلام کر تب بتاؤں گی۔
عذرا۔ (ہنس کر) سلام۔ اب تو بتا دو۔
فرح۔ وہ جو ایک مرتبہ گلاب کے پھولوں کی چکن بکنے آئی تھی نا، جسے
تم نے بہت پسند کیا تھا اُس کا تو قمیص سا ہے اور ململ کا دوپٹہ ہے،
جس پہ لچکا اور مکڑی ٹانکی ہے۔
عذرا۔ (خوش ہو کر) باجی سچ کہہ رہی ہو ؟
فرح۔ مجھے جھوٹ بولنے کی کیا پڑی ہے تم آخر بیہو گی تو دیکھ لینا۔
ذکیہ۔ اور پاجامہ کیسا ہے ؟
فرح۔ یہ نہیں بتاؤں گی۔
عذرا۔ تم اس قدر اترائی کیوں ہو بتا دو نا۔
فرح۔ اب ... لے گی تو نہیں وعدہ کر۔
عذرا جھوٹا وعدہ کیسے کروں لڑنے کی بات ہوگی تو ضرور لڑوں گی۔
ذکیہ فرح تم نے تو اشتیاق اشتیاق میں مار ڈالا بتاؤ بھی۔
فرح۔ (ایک لفظ پر زور دے کر) لٹھے ——— کی ——— شلوار ———
ذکیہ اور عذرا (دونوں اچھل پڑتی ہیں ایک ساتھ چلا کر) لٹھے کی شلوار ؟؟

متی جی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ایک دو قطرے ان کی لمبی سفید ڈاڑھی پر ٹپک پڑے۔ بسیمہ اس سے زیادہ انکار نہ کرسکیں۔ متی جی کے جانے کے کچھ دیر بعد ذکیہ اور جمیلہ خاتون آگئیں۔ ذکیہ نے عذرا کو گلے سے لپٹا لیا' آج تو میری بہن رورہی ہے۔" جمیلہ خاتون نے بھی خلاف معمول آج بہت محبت سے بھائی کو گلے سے لگایا اور پانچ روپے دیئے۔ عذرا نے ماں کی طرف دیکھا اور اُن کے آنکھ کے اشارے پر سلام کر کے لے لئے۔

جمیلہ۔ بس روزہ کُشائی کے لئے کیا ساماں کیا ہے۔

نسیمہ۔ کیا ساماں کیا کرنا تھا۔ کچھ افطاری بکوا کر مسجد امام باڑے میں بھیج دوں گی وہیں یہ بھی کھالے گی۔

جمیلہ۔ کسی کو بُلایا ہے

نسیمہ۔ اس کی ہم جولیوں نجمہ، شمیم اور نعیم صاحب کی لڑکیوں کو بُلایا ہے اس کی چچی اور صغرا تو آئیں گی ہی۔

جمیلہ۔ اور کنبہ والوں میں سے کسی کو نہیں بُلایا۔

نسیمہ۔ مجھے کوئی تقریب تو کرنی تھی نہیں۔ اس کی خوشی کے لئے دو چار بچیوں کو بُلالیا ہے۔

فرح، عذرا اور ذکیہ کمرے میں جاکر باتیں کرنے لگیں۔

ذکیہ۔ عذرا آج کیسے کپڑے پہنو گی۔

عذرا۔ وہی پہن لوں گی جو عید پر سے تھے۔ نئے کپڑے تو ہے نہیں۔ ابھی تو اماں بجاری بھائی جان کے کپڑے سا رہی ہیں

فرح۔ واہ۔ اماں نے تمہارا سا جوڑا سایا ہے۔

عذرا۔ (اشتیاق سے) ہائیں سچ؟ کیسا ہے؟

عذرا۔ اچھا تو میں آپ کو اپنے حصے کی اسطاری کھلادوں گی۔
منشی جی۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ اچھا آج پڑھوگی یا چھٹی مناؤگی
عذرا ضرور پڑھوں گی۔ روزے میں تو اور بھی زیادہ کام کرنا چاہیئے اور
خوب پڑھنا لکھنا چاہیئے تاکہ بُری باتوں کی طرف دھیان نہ جائے
لڑائی جھگڑے کا خیال نہ آئے۔
منشی جی۔ اوہو آج تو ہماری عذرا بڑی عقل کی باتیں کر رہی ہے۔ کیا
آج فرح سے بھی لڑائی نہ ہوگی
فرح۔ کسی سے ہو یا نہ ہو مجھ سے تو یہ آج بھی لڑے گی۔
عذرا۔ دیکھئے یہ پھر چھیڑ نکال رہی ہیں۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے لڑتی یہ ہیں
نام میرا بدنام ہوتا ہے
منشی جی۔ اچھا اب کتابیں نکالو۔

منشی جی نے پہلے فارسی پڑھائی۔ پھر حساب کے سوال کرائے اور
اس کے بعد املا لکھوائی منشی جی ایک دن فارسی کا سبق دیتے تھے اور ایک
دن انگریزی کا اور حساب واملا روز کراتے تھے منشی جی نے جاتے وقت عذرا کو
اپنے پاس بُلایا وہ قریب سے دوپٹہ اوڑھ کر ان کے پاس گئی انھوں نے ایک
چھوٹا سا خوبصورت بلور کا قلمدان عذرا کو دیا کہ یہ تمہاری روزہ کشائی ہے عذرا
بہت شرمائی مگر جب انھوں نے اصرار کیا تو جھک کر آداب کیا اور ماں کے پاس
لے آئی ماں نے کہا منشی جی سے کہو آپ کو یہ تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی
آپ کے احسان سے پہلے ہی ہم سر نہیں اٹھا سکتی، منشی جی نے کہا
"احسان کی کون سی بات ہے۔ محسن کی بچیوں کو پڑھانا میرا فرض ہے ___
محسن مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز تھے اور ان کی بچیوں کو میں اپنی ہی بچیاں سمجھتا ہوں

"اماں میں سیدہ کو نہلا دوں" ماں نے کہا "ہاں شوق سے" سیدہ عذرا سے بہت مانوس تھی اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتی مگر عذرا کو بچوں سے اُلجھن ہوتی تھی اور جب وہ اس کا قلم یا کاپی اِدھر اُدھر کرتی تو خوب ڈانٹتی مگر سیدہ کو چھوٹی ماجی کے نام کی رٹ لگی رہتی تھی۔ عذرا نے سیدہ کو نہلایا، دُھلے کپڑے پہنائے۔ سُرمہ لگایا بال ٹھیک کیے اور ساسجا کر ان کے پاس لائی فرخ نے مسکرا کر کہا "آج تو سیدہ کے بڑے لاڈ ہو رہے ہیں کیا بات ہے؟"

عذرا۔ کیوں نہ ہوں تم کیوں جلتی ہو۔ پھر دروازے کے پاس جا کر بڑے میاں کو بلایا "تم کل کہہ رہے تھے کہ میرے کرتے کی مرمت کر دیا لا دو میں سی دوں" انھوں نے کھانس کھانس کر بہت سی دعائیں دیں اور اپنا ایک پُرانا کرتہ پاجامہ عذرا کو لا دیا اُس نے اپنے سینے کی تھیلی سے سوئی تاگا نکالا اور سینے بیٹھ گئی۔

ساڑھے آٹھ بجے منشی عنایت اللہ آ گئے باہر کے کمرے میں وہ بیٹھتے تھے اور اس کے دالان والے دروازے میں پردے کے اس طرف فرخ اور عذرا پاس ہی سیدہ جا توں بیٹھ کر اپنا کام کرتی رہتی تھیں عذرا منشی جی سے پردا نہیں کرتی تھی مگر پڑھتی پردے کے اندر بیٹھ کر تھی۔

منشی جی آ کر بیٹھ گئے۔ فرخ اور عذرا قلم دوات کاپی کتاب سلیٹ وغیرہ لے کر آ بیٹھیں سلام کا جواب دے کر منشی جی نے مدرسہ گاہ لہجے میں کہا "سنا ہے آج ہماری عذرا بی کا روزہ ہے۔ فرخ ابھی اماں کو میری طرف سے مبارکباد۔ تو دو اور ہاں بی عذرا یہ تو بتاؤ آج تم نہیں کیا کھلاؤ گی۔

عذرا۔ منشی جی آپ کے منہ میٹھا کیجئے کہ میں نے روزہ رکھا ہے میں کیوں کھلاؤں۔

منشی جی۔ واہ تم نے رکھا تو اب تمہیں ملے گا اللہ میاں تم سے خوش ہوگا

آگئی اور انھوں نے دل ہی دل میں کہا آمین
آج عذرا کا پہلا روزہ تھا فرح نے سات ہی برس کی عمر میں پہلا روزہ رکھا تھا
مگر عذرا ساتویں برس بیمار پڑ گئی تھی اور آٹھویں برس نسیمہ نے رکھنے نہیں دیا کہ اگلے
برس ہرگز نہیں رکھواؤں گی اس سال نو برس کی عمر میں اس کا پہلا روزہ رکھا یا گیا
تھا گرمی کی شدت کی وجہ سے نسیمہ پریشان تھیں کہ کیسے اس سخت گرمی میں بچی پہاڑ
سا دن کاٹے گی مگر یہ بھی پسند نہیں کرتی تھیں کہ اس کے نیک کام کے شوق کو روکا
جائے رات کو ماں بڑی دیر تک بیٹیوں کو نصیحت کرتی رہی تھیں کچھ ان کا خیال
تھا کچھ پہلا روزہ ہونے کا احساس، نماز کے بعد عذرا نے جلدی سے اُٹھ کر سب کے
بستر تہہ کرکے اندر رکھے فرح کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ وہ اس کا بستر کبھی تہہ نہیں کرتی
تھی کہ "میں کیا تمھاری نوکر ہوں ــــ خود کرلو ــــ" پھر لالٹین بجھائی، جو کیوں پر
جھاڑو دی اور پلنگ دھیرہ جھاڑ کر اوپر کوٹھے پر جاکر حسب معمول ٹہلنے لگی مگر
نسیمہ نے جلدی آواز دے کر بلالیا کہ روزے میں زیادہ نہ ٹہلو عذرا نیچے اُتر آئی
نصیبن اپنے پلنگ پر بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں اُن کے پاس جاکر بولی "بڑی بی
تمھارا بچھونا اور پاندان اندر رکھ دوں" نصیبن نے چٹ چٹ بلائیں لے کر کہا
"قربان جاؤں میں خود رکھ لوں گی تم کیوں رکھو" مگر عذرا جلدی سے اُٹھا کر
ان کے دالان میں بستر اور پاندان رکھ آئی اور گھر بھر کے لوٹے کٹورے جمع
کرکے مانجھنے لگی۔ نسیمہ نے کہا "رہنے دو میں یا فرح لوٹے مانجھ لیں گے۔" عذرا نے
کہا "آپ دیکھئے گا میں کیسے اچھے صاف کرتی ہوں۔" سب مانجھ کر فرح کو پکارا
اُس نے آکر دُھلوائے اور پاک کر دیئے اس کے بعد عذرا اندر جاکر کتاب
پڑھنے لگی۔ نسیمہ جانوں وظیفے سے فارغ ہو کر اُٹھیں تو سیدہ کو اُٹھا کر اُس کا
مُنھ دُھلایا دودھ جلیبیوں کا ناشتہ کرایا اور اندر لے کر آئیں تو عذرا نے کہا

دروازہ کھلا اور حمیدہ خاتون کی ماما ایک پلیٹ میں حلیبیاں لے کر آئی
"بیوی نے اتی بی کی سحری بھیجی ہے۔"
سمیہ۔ لو یہ تو کھالو خالہ جان نے سحری کے لئے حلیبیاں بھیجی ہیں۔
عذرا فرح سمیہ نے دو دو تین تین حلیبیاں کھائیں نصیبن اور بڑے میاں کو دیں اور باقی سیدہ کے لئے اٹھا رکھیں۔
تینوں ماں بیٹیاں رات ماجھ رہی تھیں کہ گولا چھوٹ گیا نصیبن کے منہ میں پان تھا گھبرا کر چلائیں "اوئے بی میں کیا کروں میرا روزہ ٹوٹ گیا سمیہ نے مسکرا کر کہا" نہیں روزہ نہیں گیا کلی کر لو۔"
عذرا نے سونا چاہا تو سمیہ نے منع کر دیا کہ اب نماز کا وقت نکل جائے گا دوپہر کو سو رہنا۔
چاند اب بیچا ہو گیا تھا۔ سارے آسمان میں صرف صبح کا ستارہ چمکتا ہوا نظر آرہا تھا' ہوا میں خوش گوار خنکی تھی اور صبح کی ہلکی ہلکی روشنی دھیرے دھیرے آسمان پر پھیل رہی تھی۔ عذرا اور فرح سُریلی آواز میں کلام پاک کی تلاوت کر رہی تھیں جو اس سہانے وقت میں اور بھی دل کش اور پُر اثر معلوم ہوتی تھی۔
اذان کی آواز سن کر دونوں بہنوں نے قرآن شریف رکھ دیا اور نماز پڑھنے لگیں عذرا ماں کے پاس ہی نماز پڑھ رہی تھی نماز پڑھ کر بڑی دیر تک کچھ دعائیں مانگتی رہی سمیہ خاتون کے کان میں اس کے یہ الفاظ پڑے "اللہ میاں میرا روزہ اچھی طرح کٹ جائے۔ مجھے بھوک پیاس نہ لگے اور جو اگر لگے بھی تو میں اسے چپکے سے سہہ لوں کسی کو خبر نہ ہو ۔۔۔ اور یا اللہ آج میرا مزاج ایسا کر دے کہ سب مجھ سے خوش رہیں۔ نہ کسی سے لڑوں نہ کوئی مجھے بُرا کہے۔ اور میری اماں مجھ سے خوش ہو جائیں۔ جب اماں خوش ہوں گی تو اللہ میاں تو بھی ضرور خوش ہو گا" سمیہ خاتون کے چہرے پر مسکراہٹ

جاے ۔ اُٹھ گئے ہیں۔" بڈھا مطمئن ہو کر دوسرے دروازے پر جا کر اپنا سبق دُہرانے لگا نسیمہ نے آنکھیں بند کئے کئے کہا "نصیس اُٹھ کر ذرا سویاں اُبال لو پھر بچیوں کو اُٹھاؤں گی۔" یہ کہہ کر اس کی آنکھ پھر لگ گئی اور نصیس بھی اُٹھنے کے ارادے ہی ارادے میں غیں ہو گئی۔ تین بجے گھبرا کر نسیمہ اُٹھ کھڑی ہوئیں نصیس کو اٹھایا اور جب سحری کا ساماں تیار ہو گیا تو بچیوں کو اُٹھانے لگیں۔ فرح تو جلدی سے اُٹھ گئی اور مُنہ دھو کر دسترخوان بچھا کر برتن وغیرہ رکھنے لگی عذرا کو بہت اٹھایا مگر وہ اوں اوں کر کے پھر سو جاتی۔ آخر نسیمہ نے کہا "اجی سحری کا وقت بہت کم رہ گیا اگر کل روزہ نہیں رکھو گی تو ویسی کہو۔" یہ سُن کر عذرا کود کر کھڑی ہو گئی اور جلدی سے کلی کر مُنہ دھو کر آ گئی۔ تینوں ماں بیٹیاں تخت پر آ کر بیٹھ گئیں۔ نصیس کو بھی نسیمہ نے وہیں بُلا لیا اور وہ بھی ہاتھ میں روٹی لے پیڑھی پر بیٹھ کر کھانے لگیں بڑے میاں سے پوچھا سحری بھیجی جائے تو انھوں نے کہا اللہ رکھے کل اجی بیوی کا روزہ ہے وہ مجھے دے دیں گی میں رکھ کر کیا کروں گا"

نسیمہ نے دو پیالوں میں دونوں لڑکیوں کو دودھ دیا۔

عذرا ۔ اماں دودھ نہیں پیا جاتا۔ خالی سویاں کھا لوں گی۔

نسیمہ ۔ دودھ تو پینا پڑے گا ورنہ میں روزہ نہیں رکھنے دوں گی

فرح ۔ آخر میں بھی تو پی رہی ہوں تم کیوں اتنے نخرے کرتی ہو

عذرا ۔ تمھیں تو ہر سفید رنگ کی چیز پسند ہے ——— آخر ہم رنگی ہے نا ——— ورنہ دودھ بھی کوئی پینے کی چیز ہے دیکھ کر متلی ہونے لگتی ہے۔

نسیمہ ۔ زیادہ باتیں نہ بنا ——— دودھ پی ورنہ دسترخوان سے اُٹھ جا۔

عذرا ۔ (مُنہ بنا کر) اچھا اماں ۔ اور پھر ایک سانس میں آنکھیں بند کر کے کڑوی دوا کی طرح سارا دودھ پی گئی۔

سب لوگ مجھے بُرا سمجھتے اور بُرا کہتے ہیں لیکن ماں کی محبت اور دل دہی نے کبھی اُسے بے دل نہیں ہونے دیا۔

رات کے دو بجے کا وقت ہوگا چودھویں رات کا چاند آسمان پر پڑی آب و تاب سے چمک رہا ہے۔ چبوترے پر فرح اور عذرا دو پٹے تانے خوابِ شیریں کے مزے لے رہی ہیں۔ بسمہ خاتون بارہ بجے نماز اور وظیفے سے فارغ ہو کر لیٹی تھیں اس وقت محوِ خواب ہیں نصیبن بھی گرمی سے لڑتی مچھروں کو مارتی پنکھا جھلتی اور بڑبڑاتی بڑی دیر تک جاگتی رہی تھیں، ابھی انھیں نیند آئی ہے بڑے میاں اب بھی کھانس رہے ہیں اور کروٹیں بدل رہے ہیں کبھی کبھی کوئی فقیر گاتا ہوا گلی میں گزر جاتا ہے جس سے سونے والوں کی نیند میں کچھ خلل پڑتا ہے اور پھر وہ کروٹ بدل کر سو جاتے ہیں دو بجے کے بعد سے گھروں میں برتنوں کے کھڑکنے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔
ڈھائی بجے ایک بڈھا آدمی ہاتھ میں ڈنڈا لئے گلی میں آیا وہ ہر گھر کے دروازے پر آ کر لکڑی سے زور زور سے کھٹکھٹاتا اور جب تک کوئی اندر سے چلا کر اپنے اُٹھنے کا اعلان نہ کر دیتا وہاں سے نہ ہٹتا۔ بسمہ خاتون کے گھر پر آ کر پہلے تو اس نے بڑے میاں کو پکارا لیکن وہ غریب ابھی سوئے تھے جب نہ اُٹھے تو بڑبڑاتا ہوا "بڑھاپے میں ایسی نیند" دروازے کی طرف بڑھا "اجی میاں جی ـــــ او سیخ جی ـــ اے جی سید صاحب ـــــ سحری کا وقت ہو گیا ـــــ اے میاں جی ـــ اُٹھو ـــــ" الفاں سے آج سب ہی دیر سے سوئے تھے۔ کسی کی آنکھ نہ کھلی تو اس نے لکڑی سے دروازہ پیٹنا اور نصیبن کو پکارنا شروع کیا نصیبن نے کروٹ بدلی اور جھلا کر اپنی بھاری آواز میں چلائیں "اے جا موئے ــــ نگوڑے نے نیند حرام کر دی ــ جا ـــ

کام کاج کی بڑی ستو میں تھی نہ صرف ماں کا بلکہ دوسروں کا بھی ہر کام کرنے کے لئے تیار رہتی مزاج نازک تھا کیونکہ بچیں سے کیسے بھر کی چہیتی رہی تھی لیکن لڑائی سوائے عذرا کے اور کسی سے نہیں ہوتی تھی۔ عذرا کی طبیعت ایک حد تک دونوں بہن بھائی سے مختلف تھی۔ مزاج میں تیزی خودداری اور خود رائی موجود تھی نسیمہ خاتون کی تربیت کی وجہ سے یہ باتیں زیادہ بڑھنے تو نہیں پائی تھیں لیکن پھر بھی اس کا سنبھالنا ان کو خاصا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ نسیمہ خاتون اس کی ذہانت، شوخی، تیزی، طراری اور مستقل مزاجی کو پسند کرتی تھیں لیکن وہ جانتی تھیں کہ اگر احتیاط اور توجہ سے اس کی تربیت نہ کی گئی تو وہ خودسر، بدمزاج اور شوخ ہوجائے گی اس لئے وہ اُسے نصیحت نصیحت کرتی رہتی تھیں کبھی کبھار ایک آدھ تھپیڑ بھی ماردیتیں، انہیں عذرا کی طبیعت میں اس کے باپ کی سیرت کی جھلک نظر آتی تھی عذرا ماں کا کہنا ماننے اور انہیں خوش رکھنے کی بڑی کوشش کرتی اور اکثر اسے اپنی طبیعت کے خلاف کام کرنا پڑتا کیونکہ فطرتاً اس کی طبیعت اطاعت پسند نہیں تھی۔ پھر بھی ماں کے خیال سے وہ اپنی طبیعت کو بہت دبائے رکھتی تھی اور جب کسی بات پر وہ ناراض ہوجائیں تو عذرا کو بہت صدمہ ہوتا۔ اس کی نہ تو بہن سے بنتی تھی اور نہ اور کسی رشتے کی لڑکیوں سے زیادہ دوستی تھی حالانکہ تو ہمیشہ ہی بُرا بھلا کہتی رہتی تھیں محمدی چچی اعتراضات جڑتی رہتیں، چچا کا رُعب بہت تھا۔ بس ایک تو بھائی سے بے تکلفی تھی اور اس سے زیادہ ماں سے وہ ماں کو اپنا دوست ریتی، صلاح کار سب کچھ سمجھتی تھی اور اپنے دل کی بات صرف ماں سے، وہ بھی جھجک جھجک کر اور رُک رُک کر کہتی تھی۔ اُسے یہ خیال ہوتا تھا کہ

کہ خالہ جی (یا پھوپی جی یا اماں جی یا میوی جی) بڑی اچھی مہندی لگاتی ہیں، اور
چھوٹی سے چھوٹی جوڑی چڑھا دیتی ہیں۔ نسیمہ خاتون دلی شوق اور توجہ سے
سب کے کام کرتیں۔ سب کا دکھ درد سنتیں اور سب کو صلاح مشورے دیتیں
اور اپنی اسی خدمت اور رحم دلی کی وجہ سے وہ حد سے زیادہ ہر دل عزیز تھیں
عزیز اُن پر جان دیتے، غیر بسم اللہ کر کے نام لیتے اور ہر وقت گُن گاتے
نوکر اپنا پیارا اور خیر خواہ سمجھتے اور سچے دوست اور مشیر جانتے۔ نسیمہ خاتون
خود بھی لوگوں کے کام کرتیں اور اپنے بچوں سے بھی ان کی بساط کے موافق
کام کراتی رہتی تھیں تاکہ انھیں عادت پڑے۔ موقع محل سے زبانی بھی سمجھاتی
رہتیں کہ جہاں تک ہوسکے دوسروں کی خدمت اور مدد ضرور کرو۔ چاہے
اس کی وجہ سے اپنے کو تکلیف اُٹھانی پڑے خدا سے محبت کرنے کے معنی صرف
یہی نہیں ہیں کہ اوپری دل سے نماز قرآن پڑھ لیا، بے شک سچے دل سے
مذہب کے ارکان کی پابندی بھی خدا کی عبادت اور انسان کا فرض ہے
لیکن اس کا فرض یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ اس سے بڑا اور اہم لیکن کٹھن فرض
خدا کے بندوں کی خدمت اور ان سے محبت کرنا ہے۔ نسیمہ خاتون کا اپنے
سب بچوں پر بہت اثر تھا۔ ایک تو وہ دل سے اپنی ماں کی عزت اور ان سے
انتہائی محبت کرتے تھے لیکن زبانی نصیحتوں سے زیادہ جس چیز کا ان پر گہرا
اثر ہوتا تھا وہ ماں کی زندہ مثال تھی۔ وہ ہر وقت دیکھتے تھے کہ ماں ہر ایک
کی مدد، خدمت اور ہمدردی کرتی رہتی ہیں لہذا خواہ مخواہ بھی ماں کی تقلید کا
شوق پیدا ہوتا تھا۔ ریاض میں ماں کی سیرت سب سے نمایاں تھی مرد ہو کر
اس کا دل لڑکیوں سے زیادہ نرم اور گداز تھا کسی کی تکلیف سے بہت
جلد متاثر ہوتا اور اس کی ہر مدد کے لئے کمربستہ ہو جاتا فرح سگھڑ اور گھر کے

سب سے زیادہ شامت ہے سارا غصہ اس ہی پر اُترتا ہے مگر ایسے مدا کے
بندے بھی موجود ہیں جو صرف کھانا پینا ہی نہیں چھوڑتے بلکہ اُن کے ہاتھ،
پاؤں، کان، آنکھ اور زبان سب کا روزہ ہوتا ہے اس کی کوشش ہوتی
ہے کہ ہاتھ سے کوئی بُرا کام نہ ہو، پاؤں بُری راہ نہ چلیں، کان میں بُری بات
یا گندہ لفظ نہ پڑے، زبان سے کسی کی دل آزاری نہ کریں اور جتنی خدمت اور
کام دوسروں کا کر سکیں اور نیک کام ہو سکیں وہ اس مبارک مہینے میں کر ڈالیں
ایسے ہی گنتی کے چند لوگوں میں نسیمہ خاتون بھی ہیں وہ باوجود کمزوری کے روزہ
پابندی سے رکھتی ہیں اس مہینے میں پانچ سات مرتبہ کلام مجید ختم کرتی ہیں اور
تھوڑا تھوڑا ترجمہ بھی پڑھتی رہتی ہیں رمضان بھر تین چار غریب لوگوں کو
کھانا کھلاتی ہیں، اکثر افطاری کی چیزیں پکوا کر مسجدوں، امام باڑوں اور
بیوہ غریب اور محتاج عورتوں کے ہاں بھیجتی رہتی ہیں اور اُن کی کوشش
ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ دوسروں کا کام کریں یوں
بھی ہمیشہ اس سے کیسے رشتے، اپنے غیر، پڑوسی، نوکر چاکر مختلف قسم کے کام کرا لیا
کرتے، کسی نے اپنے اور بچوں کے کپڑے قطع کرانے کے لئے بھیج دیئے، کسی نے
بچوں کی ٹوپیاں ٹانکنے کے لئے دے دیں کوئی صدریوں میں ڈورے ڈلوانے
کو لے آئی کسی کو دلائی میں اچھی گوٹ لگوانی ہے تو آ گئی کسی کو بیٹی کے جہیز میں
دینے کے لئے تو سے تلے دانیاں سلوانی ہیں تو وہی بھیج دیں کسی کا بچہ بیمار
ہوا تو اُن کے پاس لے آئی انھوں نے دیکھ کر دوا بھی بتائی اور پڑھ کر پھونک
بھی دیا۔ کسی کو لڑکیوں کے ناک کان چھدوانے ہوئے تو آ کر ان سے
چھدوا لئے۔ یہاں تک کہ پاس پڑوس کی لڑکیاں بالیاں تہواروں تقریبوں
کے موقع پر چوڑیاں پہنے اور مہندی لگوانے ان کے پاس آتی تھیں

چوتھا باب

اگست کا مہینہ اور برسات کا موسم ہے لیکن بارش نہ ہونے کی وجہ سے غضب کی گرمی پڑ رہی ہے۔ رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو چکا ہے ہر گھر سے قرآن شریف کی تلاوت کی آوازیں آ رہی ہیں۔ خیر خیرات، صدقہ، زکوٰۃ فاتحہ، درود کا دور ہے۔ اکثر لوگ جو گیارہ مہینے بھول کر بھی خدا کو یاد نہیں کرتے آج کل بڑی پابندی سے نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو پہلا اور ضروری فرض نماز، چاہے ادا نہ کریں مگر روزہ ضرور رکھتے ہیں، وہ لوگ جو کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے شرمندہ شکل منہ چھپاتے پھرتے ہیں حقہ سگرٹ اور پان تمباکو کے عادی لوگوں کا عجیب حال ہے چہرہ اترا ہوا اور قدرے پاکیزہ معلوم ہوتا ہے۔ جماہیوں پر جماہیاں چلی آ رہی ہیں بدن ٹوٹ رہا ہے، اکثر کے مزاج کا پارہ ایک سو دس ڈگری پر پہنچا ہوا ہے بچوں بیچاروں کی

ریاض اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو جلدی چلو ریاض نے جیب سے گھڑی نکالی جو آج ہی ماں نے یہ کہہ کر دی تھی کہ یہ تمہارے باپ کی ہے، اسے اپنے پاس رکھو اور اسے دیکھ کر ان کی صفات یاد کر لیا کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہر گھڑی کوشش کرنا) اور آہستہ سے کہا "چچا جان تو خواہ مخواہ گھبرا جاتے ہیں ابھی تو گاڑی جانے میں گھنٹہ بھر ہے اچھا اماں اجازت دیجئے ــــــ اور دیکھئے اپنی صحت کا خیال رکھئے گا۔"

نسیمہ خاتون نے ایک بار پھر کلیجے سے لپٹا لیا بھتیجے نے آکر سر سے پاؤں تک بلائیں لیں اور دعائیں دینے لگیں۔ ماں، خالہ چچی پھوپی سب پیچھے پیچھے دروازے تک رخصت کرنے آئیں بڑی بوڑھیوں نے کہا "الٰہی جلتے بیٹھے دکھائی دو یونہی منہ دکھاتو" نسیمہ نے جب دروازے سے باہر نکل گئے تو پکار کر کہا "میاں ذرا ادھر دیکھنا" ریاض نے مڑ کر دیکھا تو کہا "جاؤ اب سدھارو اللہ حافظ اللہ نگہبان امام ضامن کی ضامنی بیوی کے دامن کی اوٹ، خدا خیر کے ساتھ واپس لائے۔"

اسٹیشن پر کئی عزیز رخصت کرنے آئے۔ احسان علی کا لڑکا رحمت حسن اور ڈپٹی نعیم کا لڑکا نسیم بھی علی گڑھ ایف۔ اے میں داخل ہونے جا رہے تھے۔ میں منٹ انتظار کے بعد گاڑی آئی۔ احسان بھتیجے کو داخل کرانے علی گڑھ جا رہے تھے وہ اور ریاض ریل میں بیٹھ گئے۔ گاڑی چلی گئی تو بڑے میاں آنسو پونچھتے نسیمہ سے خیریت کہنے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

محمد احسان کی بیوی اور ان کی بیٹی صغرا جو فرح کی ہم عمر تھی اور سات سال کا بچہ اصغر، جمیلہ خاتون، ذکیہ، احمدی بیگم وغیرہ آ گئیں۔ جمیلہ خاتون بھابھی کو الگ بٹھا کر سمجھاتی رہیں کہ بچھڑیوں کے رنگ میں یہ رنگ جانا اور اپنے مذہبی فرائض کو بھولنا۔ لڑکیاں ادھر اُدھر ٹولیوں میں میٹھی باتیں کر رہی تھیں عذرا اور فرح کا منہ اُترا ہوا تھا۔ نسیمہ خاتون مہمانوں کی خاطر مدارات اور سامان ٹھیک ٹھاک کرنے میں مصروف تھیں مگر چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں گاڑی علی گڑھ پانچ بجے روانہ ہوتی تھی مگر محمد احسان نے تین ہی بجے سے جلدی مچانی شروع کر دی۔ اسٹیشن قریب ہی تھا مگر انھیں سفر کے خیال سے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی ریاض تیار ہو کر آئے خالہ، چچی، پھوپی سب نے گلے سے لگایا فرح اور عذرا آنسو بھرے آگے بڑھیں بھائی نے بہنوں کو لپٹا لیا اور دو چار فقرے کس کر ہنسایا۔ نسیمہ خاتون لال دھجی میں امام ضامن کا روپیہ باندھ کر آگے بڑھیں۔ منہ منہ میں بہت سی دُعائیں پڑھ کر ریاض کے داہنے بازو پر امام ضامن باندھا آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے مگر ہونٹوں پر زبردستی مُسکراہٹ پیدا کر رکھی تھی ریاض نے آداب کیا اور جھک کر ماں کے گلے سے لپٹ گئے تو باوجود ضبط کی کوشش کے نسیمہ خاتون کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ریاض نے ضبط کر کے کہا اماں آپ ناحق پریشان ہوتی ہیں میں بہت جلد جلد آیا کروں گا۔" نسیمہ نے آنسو پونچھ کر کہا "خط میں دیر نہ کرنا ورنہ تم جانتے ہو میرا کیا حال ہو گا۔"

ریاض نے مستعدی سے جواب دیا "اماں آپ دیکھئے گا میں کتنی جلدی جلدی خط بھیجوں گا۔ مگر آپ بھی ضرور لکھئے گا اور دیکھو فرح اور عذرا تم بھی۔" دونوں نے کہا "جی ہاں بھائی جان ضرور" باہر سے آ کر محمد احسان نے کہا

دوستوں میں ہیں صرور پڑھا دیا کریں گے میں کل ہی ان سے ملوں گا۔
نسیمہ۔ (کچھ دیر سوچ کر) ہاں میں منشی صاحب کو جانتی ہوں بڑے شریف آدمی ہیں اور ان بچیوں کے دادا کے برابر۔ مگر مجھے یہ خیال ہے کہ قصبہ بھر میں شور مچ جائے گا کہ ان کی لڑکیاں مردوں سے پڑھتی ہیں۔
احسان۔ کیسے دو لوگوں کو ہیں اس کی پرواہ نہیں کرتا اوّل تو ابھی لڑکیاں کم عمر ہیں دوسرے منشی صاحب بزرگ آدمی ہیں ان سے پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں۔
نسیمہ۔ میاں باتیں تو مجھے بھی سُسی پڑتی ہیں۔ مردوں کا کیا ہے ایک بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔
احسان بھابی دنیا کے کہنے کی اگر پرواکرو گی تو لڑکیوں کی تعلیم کا خیال چھوڑ دو۔
نسیمہ۔ میری تو دلی آرزو ہے کہ یہ لڑکیاں خوب پڑھیں لکھیں۔ ان کے مرحوم آبا کی خواہش بھی یہی تھی اور اسی وجہ سے مجھے اور بھی خیال ہے اور یوں تو میں بھی دنیا والوں کے کہنے کا زیادہ خیال نہیں کرتی مگر آپا سے ڈر لگتا ہے وہ یوہی میری جان ہر وقت کھائے جاتی ہیں۔ اس پر تو خدا جانے کیا آفت ڈھائیں۔
احسان آپا جمیلہ کا معاملہ بہت مشکل ہے کسی طرح کوئی بات وہ سمجھ نہیں سکتیں خیر تم کہہ دینا کہ ان کے چچا کا حکم یہی ہے تمہیں جو کہنا ہو ان سے کہو۔
نسیمہ۔ اچھا جو ہوگا دیکھا جائے گا ان سے بھی کسی نہ کسی طرح نبٹ ہی لوں گی۔
فرح اور عذرا چپکی بیٹھی سب باتیں سُن رہی تھیں اور بہت خوش تھیں کہ ان کی تعلیم کا بندوبست ہو گیا چچا کے جانے کے بعد بھائی سے آکر لپٹ گئیں اور طرح طرح سے اظہار محبت کرنے لگیں۔

ریاض کی روانگی کے دن قریب عزیزہ صبح سے آگئے جگہ جگہ سے صدقہ آیا

لڑکیاں اپنے مذہب سے بالکل بے گانہ ہوجاتی ہیں
ریاض۔ جی ہاں میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ یہ بات شاید آپ لوگ پسند نہ کریں!
احسان۔ یہ سارے جھگڑے میری نوکری نے ڈال رکھے ہیں اگر میں یہاں رہ سکتا تو بھائی کی صحت کا بھی خیال رکھتا بچیوں کی تعلیم بھی ہوتی رہتی۔ اور ان لوگوں کی تنہائی کا فکر بھی نہ رہتا۔
نسیمہ۔ بھائی تم یہاں رہ سکتے تو اس سے اچھا کیا تھا مگر آخر نوکری کا معاملہ ہے نہ سہی سرکاری مگر پرائی تابعداری تو ہے۔
ریاض نے دیکھا کہ گفتگو کا موضوع بدل گیا تو اس نے پھر کر چھیڑا
"تو پھر چچا جان ان بچیوں کی تعلیم کا کیا ہوگا"
احسان۔ کیا بتاؤں میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔
نسیمہ۔ اردو تو میں پڑھاتی ہی ہوں حساب اور انگریزی جو سیکھی ہے اسے دہراتی رہیں گی۔ جب تم یا احسان آیا کروگے سبق دے دیا کرنا۔
ریاض۔ بھلا کہیں اس طرح پڑھنا ہوسکتا ہے ایک بات میرے خیال میں آئی ہے اگر آپ لوگ مان جائیں تو بہت اچھا ہے۔
احسان کہو۔
ریاض ہمارے اسکول کے سیکنڈ ماسٹر منشی عنایت اللہ صاحب بوڑھے آدمی ہیں ابا سے ان کی بڑی دوستی تھی بلکہ انھوں نے ابا کو پڑھایا بھی ہے نہایت قابل اور نیک بزرگ ہیں۔ چچا جان آپ تو ان سے خوب واقف ہیں؟ اگر ان سے کہا جائے تو وہ ضرور ایک دو گھنٹے پڑھا دیا کریں گے۔
احسان۔ بھئی خوب سوچا۔ مجھے ان کا خیال ہی نہ آیا تھا۔ وہ بھائی مرحوم کے عزیز

ریاض اپنے پلنگ سے اُٹھ کر ماں کے پاس آئے اور پائینتی بیٹھ کر ٹانگیں دبانے لگے۔ نسیمہ نے بیٹے پر ہاتھ پھیر کر پیار بھرے لہجے میں کہا رہنے دو میاں تم رہنے دو میری ٹانگوں میں درد نہیں۔

ریاض۔ اماں آپ سارے دن تو کام کرتی رہتی ہیں درد ضرور ہوگا میرے ہاتھ ایسے نازک تو نہیں جو ذرا دیر دبانے سے دُکھ جائیں گے۔

نسیمہ۔ ہاں دو چار دن اور اماں کے لاڈ کر لو۔ جب سدھار جاؤ گے تب کون پوچھے گا؟

نسیمہ نے یہ بات کہی تو مسکرا کر تھی لیکن ریاض نے لالٹین کی ہلکی ہلکی روشنی میں دیکھا کہ اُن کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے ہیں۔

محمد احسان بھی پاس آکر بیٹھ گئے۔ ریاض نے گفتگو کا موضوع بدلا اور بہنوں کی پڑھائی کا ذکر چھیڑا۔ نسیمہ خاتون نے کہا اس کے لئے کیا ہو سکتا ہے اُردو میں پڑھاتی رہوں گی۔

ریاض۔ مگر یہ تو بہت بُری بات ہے کہ ان کی تعلیم چھوٹ جائے چچا جان آپ بتائیے کیا کیا جائے۔

احسان۔ مجھے تو خود بھی اس بات کی فکر ہے صغرا کی تعلیم بھی کچھ نہیں ہو رہی اس کی ماں کہتی ہے کہ بس قرآن پڑھ لیا دو چار اُردو کی کتابیں دیکھ لے زیادہ کیا کرنا ہے مگر میں یہ نہیں چاہتا ایک تو سارے دن ماں کے گھر کے کام میں اُسے لگائے رکھتی ہے دوسرے کوئی پڑھانے والا نہیں

ریاض۔ بہرحال اگر اسکول میں بھیجے میں تو آپ لوگوں کو اعتراض ہوگا

نسیمہ۔ اے میاں کیسی باتیں کرتے ہو وہاں پردہ کہاں ہو سکے گا؟

احسان۔ ہاں پردے کا بھی معاملہ ہے کچھ دوسرے مذہبوں کا اثر پڑنے سے

سے سیئے غلاف، رومال، کمربند لڑکیوں نے تیار کئے اگرچہ انھوں نے بہت کفایت
اور سلیقے سے سب چیزیں بنائی تھیں پھر بھی وہ ڈیڑھ دو سو کی قرض دار ہوگئیں۔
وہ بہت انہماک سے بیٹے کے جانے کی تیاریوں میں مشغول تھیں سارا دن اور آدھی
رات کام میں گزار دیتی تھیں۔ جوں جوں ریاض کے جانے کے دن قریب آرہے
تھے اس کا دل اُٹا جاتا تھا۔ ریاض سے اُن کی محبت عشق کے درجے تک پہنچی
ہوئی تھی۔ اُسے دیکھے ذرا دیر ہو جاتی تو بے قرار ہو جاتیں اُس کے آرام اور خوشی کا
ہر وقت خیال رکھتی تھیں اور ان کی دلی آرزو تھی کہ ریاض اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی اور
اونچے سے اونچا درجہ حاصل کرے اس لئے دل پر پتھر رکھ کر اس کی اعلیٰ تعلیم کے
خیال سے علی گڑھ جانے کی اجازت دے دی مگر دل کا جو حال تھا وہ بس خدا ہی
کو معلوم تھا۔ مہینے بھر کے اندر اندر جدائی کے خیال نے انھیں آدھا کر دیا ریاض
اپنے جانے کی تیاریوں اور دوستوں، اُستادوں، عزیزوں وغیرہ سے ملنے ملانے
میں ایسے منہمک تھے کہ اس طرف اُن کا زیادہ دھیان نہ گیا عذرا باوجود کم عمری
کے ماں کی حالت کا اندازہ کر رہی تھی محمد احسان آئے تو ایک نظر میں بھاوج کی حالت
کو سمجھ گئے اور تو کیا کر سکتے تھے ہاں اُن کے کھانے پینے کا خیال رکھنے لگے

دونوں بہنیں بھی بھائی کے جانے کے خیال سے بہت اُداس تھیں جانے
سے دو دن پہلے عذرا نے یاد دہانی کی "بھائی جان آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے
پڑھنے کا انتظام کر کے جائیں گے۔" ریاض چونک پڑے "تم نے خوب یاد دلایا میں تو
بالکل بھول ہی گیا تھا دیکھو آج ہی اماں سے ذکر کر دوں گا۔"

شام کو کھانے سے فارغ ہو کر نماز عشا کے بعد سب لوگ پلنگوں پر
بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ محمد احسان بھی تھے۔ نسیمہ عشا کی نماز پڑھ کر پلنگ پر
آکر لیٹ گئیں اور پنکھا جھلنے لگیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ لُو لگ گئی۔

ریاض۔ جی ہاں آج کل بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

نسیمہ۔ ذرا ٹھنڈا وقت ہو جائے تو تم جا کر حکیم سے حال بیان کرنا اور دوا لا دینا۔

ریاض۔ بہت اچھا میں شام کو چلا جاؤں گا کیا جمیل گھر پر نہیں ہے۔

نسیمہ۔ جمیل رہتا کب ہے جی چاہا آیا جی چاہا نہ آیا۔ اوّل تو وہ خود ہی لاابالی مزاج کا ہے پھر جب آتا ہے تو آپا کے غصے خفگی، اعتراض اور بے جا لاڈ پیار سے اور گھبراتا ہے۔

فرخ اور عذرا۔ اماں ہم ذکیہ کو دیکھ آئیں۔

نسیمہ۔ اس وقت نہیں۔ لُو چل رہی ہے شام کو ملی جانا۔

ریاض کا علی گڑھ داخلہ ہو گیا احسان اس کی تعلیم کا خرچ دینا چاہتے تھے مگر نسیمہ خاتون نے نہ مانا وہ جانتی تھیں کہ وہ بھی بال بچوں والے آدمی ہیں ایک تو آمدنی محدود ہے اور اس پر حد سے زیادہ فراخ دل ہیں کیسے کیسے حاجت مند لوگ ان ہی کے پاس مدد لینے آتے ہیں اور غیروں کی بھی ہر طرح خدمت اور مدد کرتے رہتے ہیں۔ ریاض نے چچا سے کہا کہ فیس تو معاف ہو جائے گی کچھ وظیفہ ملے گا۔ پندرہ روپے مہینہ یہاں سے اماں بھیج دیا کریں گی اس میں کوئی میرا خرچ چل جائے گا۔ بمشکل احسان بڑی مشکل سے راضی ہوئے

نسیمہ خاتون نے بیٹے کے بارہ جوڑے، دو اچکنیں اور دو کوٹ سائے اس کے علاوہ تولئے، مسہرے، میاں رومال کمربند تکئے کے غلاف، پلنگ کی چادریں وغیرہ تیار کیں۔ سوائے کوٹ اور اچکنوں کے سب کپڑے اپنے ہاتھ

عذرا۔ (متاثر ہوکر) بھائی جان میں ضرور کوشش کروں گی

ریاض۔ اور دیکھو فرح تم بھی عذرا کا خیال رکھا کرو۔ ایسی چھوٹی بہن ہے اگر کوئی بات نہ جانتی ہو تم پیار سے سمجھا دیا کرو۔ ڈانٹ ڈپٹ لڑائی جھگڑا اچھا نہیں اور ہاں تم اکثر نماز ناغہ کر دیتی ہو پابندی سے نماز پڑھنے کی عادت ڈالو اماں کو بھی کا بڑا صدمہ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی بچہ نماز روزے میں تساہل کرے۔

فرح۔ (بہت شرمندہ ہوکر) بھائی جان آپ دیکھئے گا کہ اب میں کیسی پابندی سے اوّل وقت نماز پڑھتی ہوں

ریاض۔ اور تم دونوں اماں کی صحت کا خیال رکھنا اور ان کو برابر دودھ اور دوا کا استعمال کراتی رہنا اور اگر خدانخواستہ کبھی ان کی طبیعت ذرا سی بھی ناساز ہو تو مجھے اور چچا جان کو لکھ دیا کرنا۔

فرح۔ بہت اچھا۔

ریاض۔ اب تم دونوں کو گھر کے کاموں میں بھی اماں کی مدد کرنی چاہیئے وہ کمزور ہیں زیادہ محنت سے اُن کی صحت پر اثر پڑتا ہے

فرح۔ بھائی جان آپ اماں سے پوچھ لیجئے میں تو ان کا بہت کام کرتی ہوں۔

عذرا۔ (جلدی سے) اب میں بھی کیا کروں گی۔ کیا کروں میرا تو جی سوا پڑھنے لکھنے کے کسی کام میں نہیں لگتا۔

نسیمہ خاتون پسینے میں نہائی ہوئی اندر آئیں۔ عذرا جلدی سے پنکھا اُٹھا کر جھلنے لگی ریاض نے پوچھا "آپ اتنی سخت لو اور گرمی میں کہاں چلی گئی تھیں"۔ نسیمہ بیگم نے بتایا کہ ذکیہ کو بخار ہے اُسے دیکھنے گئی تھی آپا دوا کی تو قائل نہیں وہی جھاڑ پھونک تعویذ گنڈوں کے پھیر میں پڑی رہتی ہیں میں نے جاکر اسے دو دفعہ کیری کا آب شورہ پلایا سر پر برف رکھا تو ذرا تسکین ہوئی۔ ایسا

لکھ دیں گے بھائی جان دیکھئے گا میں کیسے اچھے اچھے خط لکھتی ہوں۔

ریاض۔ اچھا دیکھیں گے۔

فرخ۔ بس ڈینگیں مارنا کوئی عذرا سے سیکھ لے۔

عذرا۔ تم کیوں جلتی ہو تم بھی لکھ دیا کرنا۔

ریاض۔ لڑو نہیں۔ مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرو۔

عذرا اور فرخ۔ کیا وعدہ ؟

ریاض۔ دیکھو میرے جانے کے بعد اماں بہت پریشان ہوں گی اب تم دونوں کو اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ گھبرائیں نہیں انھیں کسی بات پر ناراض نہ کرنا ورنہ مجھے بہت رنج ہوگا عذرا تمھیں اس بات کا زیادہ خیال کرنا چاہئے تم اماں سے محبت تو بہت کرتی ہو مگر تمھارے مزاج کی تیزی اور لڑنے کی عادت سے اماں کو بہت کوفت ہوتی ہے۔

عذرا۔ (سنجیدگی سے) کیا کروں بھائی جان جب لوگ مجھے بُرا کہتے ہیں یا گھٹیا سمجھ کر ڈانٹتے ہیں تو مجھے غصہ آجاتا ہے باجی کا سب لحاظ کرتے ہیں میرا کوئی نہیں کرتا۔ بس آپ خیال کرتے ہیں اسی لئے دیکھئے میری آپ سے کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔

ریاض۔ مگر غصے میں چلانا اور بدمزاجی کرنا تو نہیں چاہئے۔

عذرا۔ کوشش تو بہت کرتی ہوں۔ نماز کے بعد اللہ میاں سے دُعائیں مانگتی ہوں کہ یا اللہ میرا مزاج اچھا ہو جائے ـــــ باجی جیسا نہیں ـــــ آپ جیسا ـــــ مگر پھر بھی غصہ آجاتا ہے۔

ریاض۔ تم کوشش کرو گی تو ضرور اپنا مزاج قابو میں کرلو گی۔ میں جانتا ہوں کہ تم جس بات کا ارادہ کرلو اسے پورا کرکے رہتی ہو۔

چچا جان بھی یہاں نہیں رہتے۔
ریاض۔ تم فکر نہ کرو میں کوشش کروں گا کہ کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے۔
عذرا۔ بھائی جان مجھے بھی علی گڑھ ساتھ لے چلئے وہاں تو کوئی اسکول ہوگا
لڑکیوں کا؟ داخل کرا دیجئے گا۔
ریاض۔ کاش ایسا ہو سکتا۔
فرح۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔
ریاض۔ بی بی یہ مشکل ہے
عذرا۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہمارے لئے سب باتیں مشکل ہیں۔ جہاں
آپ جا سکتے ہیں وہاں ہم کیوں نہیں جا سکتے۔!!
ریاض۔ بھلا تمھیں اماں اپنے سے الگ کیسے کر سکتی ہیں۔
فرح۔ یہاں سے علی گڑھ کتنی دور ہوگا۔
ریاض۔ سو میل سے کچھ زیادہ ہوگا۔
عذرا۔ ہائے آپ اتنی دور چلے جائیں گے
ریاض۔ ریل میں چار پانچ گھنٹے کا سفر ہے جلدی جلدی آیا کروں گا۔
فرح۔ آپ کے جانے کے بعد ہمارا بڑا جی گھبرائے گا۔
ریاض۔ میں وہاں سے تم دونوں کے لئے اچھی اچھی کتابیں بھیجوں گا۔ خط
لکھوں گا جواب دو گی نا!!
عذرا۔ ہاں بھائی جان ضرور۔ مجھے تو خط لکھنے کا بڑا شوق ہے مگر کیسے
لکھوں کبھی کبھی چچا جان کو لکھ دیتی ہوں۔
فرح۔ مجھے تو خط لکھنا آتا ہی نہیں۔
عذرا۔ خط لکھنا کیا مشکل ہے۔ جیسے ہم باتیں کر رہے ہیں اسی طرح

اُن کے ہاں رہنے کا انتظام ہو سکتا ہے۔
نسیمہ۔ بہن بھائی میں کسی عزیز کے ہاں رکھنے کی مخالف ہوں۔ بورڈنگ میں رہنا ٹھیک ہے۔
ریاض۔ میرے سب ساتھی فرحت، نسیم وغیرہ علی گڑھ ہی جا رہے ہیں۔
احسان۔ میاں اُن کی کیا ریس ہے۔ وہ امیروں کی اولاد ہیں پیسے والے لوگ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔
نسیمہ۔ ریاض کے باپ کی بھی یہی خواہش تھی کہ اسے علی گڑھ میں پڑھائیں گے۔ مرحوم بھی، تم خود بھی علی گڑھ ہی کے پڑھے ہوئے ہو۔ اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ یہ بھی علی گڑھ ہی جائے۔
احسان۔ خیر ابھی تو کالج کھلنے میں کئی مہینے ہیں سوچیں گے کہ کہاں بھیجا جائے۔
جب احسان اپنے گھر کو چلے گئے تو نسیمہ اور ریاض دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے کھانا کھانے کے بعد ریاض اندر سہ دری میں گئے وہاں عذرا اور فرخ پہلے سے لیٹی باتیں کر رہی تھیں بھائی کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھیں۔
عذرا۔ بھائی جان اب آپ تو علی گڑھ چلے جائیں گے ہم کس سے پڑھیں گے؟ امّاں تو صرف اُردو اور قرآن شریف پڑھاتی ہیں انگریزی اور حساب اب کون سکھائے گا؟
فرخ۔ ہاں بھائی جان آپ کے سدھارنے کے بعد ہمارا لکھنا پڑھنا رہ جائے گا۔
ریاض۔ (سوچ میں پڑ کر) تمہارا پڑھنا تو ہرگز بند نہ ہونا چاہیئے۔ دیکھو میں سوچوں گا کہ کیا کیا جائے۔
عذرا۔ آپ کیا سوچیں گے نہ یہاں کوئی اسکول نہ اُستانی آپ بھی چلے جائیں گے

"تمہیں بھی مبارک ہو بڑے میاں مٹھائی کھلاؤ ہمارا لڑکا پاس ہوا ہے۔"
بڑے میاں بے ہوش ہو کر کہا "ابھی میاں جتنی مٹھائی کہو کھلا دوں۔ اللہ تعالیٰ چھوٹے میاں کو سلامت رکھے مٹھائی کی کیا کمی۔ بس غم ہے تو یہ کہ آج محسن میاں نہ ہوئے۔"

نسیمہ، ریاض اور عذرا، فرح چاروں کی آنکھیں بھر آئیں۔ محمد احسان کا چہرہ متغیر ہو گیا مگر انھوں نے ضبط سے کام لیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ نسیمہ نے بڑے میاں سے گلاس جامیں منگائیں اور دیور کے آگے رکھ دیں۔ محمد احسان نے خود کھائیں سب بچوں کو اور بھاوج کو اپنے ہاتھ سے کھلائیں اور بڑی بی اور بڑے میاں کو دیں۔

احسان۔ اب کیا ارادہ ہے بھائی۔

نسیمہ۔ کاہے کا؟

احسان۔ ریاض کی تعلیم کے بارے میں۔ آگے تعلیم کے لئے کہاں بھیجا جائے دہلی یا علی گڑھ؟

نسیمہ۔ اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں جو تمہاری اور ریاض کی رائے ہو۔

احسان۔ کیوں بھئی تم کہاں جانا چاہتے ہو؟

ریاض۔ یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

احسان۔ تم بھی تو کچھ کہو۔

ریاض۔ میں تو علی گڑھ جانا چاہتا ہوں۔

احسان۔ میرے نزدیک دہلی زیادہ مناسب ہے۔

ریاض۔ چچا جان علی گڑھ کی تعلیم دہلی سے بہتر ہے۔ وہاں ایک خاص تعلیمی نصاب ہے جو اور جگہ میسر نہیں آ سکتی اور خرچ بھی کم ہے۔

احسان۔ خرچ تو دہلی میں بھی کم ہوگا وہاں ہمارے ایک دور کے عزیز ہیں

عذرا۔ پڑھتی تو ہو جیسے ریل گاڑی چل رہی ہو۔
نسیمہ۔ لڑ ہیں ٹھیک طرح پڑھو ورنہ میں نہیں پڑھاؤں گی۔
عذرا۔ اماں بھائی جان کتنی دیر نہیں آئیں گے؟
نسیمہ۔ بس اب آتے ہی ہوں گے خدا خیر کے ساتھ خوشی کی خبر سنائے۔
فرح۔ اللہ کرے بھائی جان اوّل نمبر پہ پاس ہوں
نسیمہ۔ خدا خیر کرے میرا تو دل دھڑک رہا ہے
سعیدہ۔ اماں پھر ہم مٹھائی کھائیں گے۔ ملود ہو گا۔
نسیمہ۔ ہاں بی بی مٹھائی بھی کھانا اور مولود بھی ہو گا۔
عذرا۔ سعدہ کو تو مٹھائی ملے گی نہیں۔
سعیدہ۔ اوں اوں مجھے نہ ملے گی تمھیں نہیں ملے گی۔
محمد احسان نے باہر سے پکارا "بھائی ہم آئیں" تینوں ماں بیٹیاں دروازے کی طرف دوڑیں، آگے آگے محمد احسان پیچھے ریاض گھر میں داخل ہوئے دونوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔
احسان۔ بھائی مٹھائی کھلاؤ تمہارا بچہ پاس ہو گیا۔
نسیمہ جانتوں نے اٹھ کر ریاض کی بلائیں لیں دونوں بہنیں بھائی سے لپٹ گئیں
احسان۔ مٹھائی کھلاؤ بھابی مٹھائی۔
نسیمہ۔ مٹھائی بہت مگر میرا بھائی جلدی سے بتاؤ کس نمبر پہ پاس ہوا ہے۔
احسان۔ (ہنس کر) اوّل نمبر پہ۔
نسیمہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ انھوں نے ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا اور سب کو اندر لا کر بٹھایا۔ باہر سے بڑے میاں نے پکار کر کہا "حضور مبارک ہو چھوٹے میاں کا امتحان" احسان نے ہنس کر کہا

تیسرا باب

نو بجے صبح کا وقت تھا نسیمہ خاتون عذرا کو اُردو پڑھا رہی تھیں زبیدہ بی باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف تھیں فرخ سیدہ کو گڑیاں کھلا رہی تھی۔ عذرا پڑھتے پڑھتے رُک جاتی اور بیچ میں ماں سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگتی جس پر بعض وقت نسیمہ خاتون جھنجھلا جاتیں۔

نسیمہ۔ ذرا تو ٹھیر ٹھیر کر پڑھ۔ اتنی جلدی کیا ہے۔

عذرا۔ اماں جلدی کرنے میں کیا ہرج ہے؟

نسیمہ ہرج یہ کہ نہ میں ٹھیک سُن سکتی ہوں اور نہ تم اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔

عذرا۔ اماں کیا کروں بہت کوشش کرتی ہوں کہ باجی کی طرح اٹک اٹک کر پڑھوں مگر نہیں پڑھا جاتا۔

فرخ۔ تو پڑھتی ہو گی اٹک کر میں کیوں پڑھتی۔

نے نجمہ کو حسب حیثیت اور رشتے کے مطابق روپے دیئے۔ محمدی بیگم نے ایک جوان
میں نجمہ کی اُستانی کو ریشمی جوڑا، اس کے میاں بچوں کے جوڑے اور سونے کی چوڑیاں
دیں اس کے بعد نجمہ کی خالہ نے آمن پڑھی اور اندر باہر مٹھائی تقسیم کی گئی
چھ بجے دروازے پر ڈولیاں لگ گئیں۔ نسیمہ دونوں لڑکیوں کے لئے
دروازے کے پاس اپنی ڈولی کے انتظار میں کھڑی تھیں اُدھر سے مسز نعیم، رضیہ
اور یاسمین کو لئے آئیں اور عذرا اور فرخ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر کر نسیمہ
سے کہا "ماشاءاللہ بڑی پیاری اور سمجھ دار بچیاں ہیں۔" فرخ نے جھجکتے ہوئے
رضیہ سے کہا "نہیں اب آپ اور عذرا صلح کر لیجئے۔"
مسز نعیم۔ کیوں کیا ان دونوں میں لڑائی ہوئی ہے؟
فرخ۔ جی لڑائی تو نہیں ہوئی۔ عذرا نے کچھ رضیہ بہن سے بدتمیزی کی تھی
اس پر وہ ناراض ہوگئیں
عذرا۔ (سر بیچا کر کے غصے سے) میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔
نسیمہ نے تیز نظروں سے عذرا کی طرف دیکھا، مسز نعیم نے بھی رضیہ
سے کہا۔ "عذرا تمہاری چھوٹی بہن ہے اس سے کیا روٹھنا۔ جاؤ اُسے گلے
لگالو۔" رضیہ بادل ناخواستہ عذرا کے قریب آئی، عذرا کو ماں نے اشارہ
کیا۔ دونوں چند لمحے جھجکی کھڑی رہیں اس کے بعد گلے مل گئیں۔

رضیہ۔ میں ایسی بدتمیز لڑکی کے منہ نہیں لگتی ہم سے زبان چلاتی ہے!
عذرا۔ جب تم بدتمیزی کرو گی تو دوسرا کیوں دبے گا۔ تم امیر ہوگی تو اپنے گھر کی یہاں کوئی تمہارا ذلیل نہیں ہے۔
فرح۔ رضیہ بہن آپ اس کی باتوں کا بُرا نہ مانیئے۔ اس کا تو مزاج ہی خراب ہے مجھ سے بھی لڑتی رہتی ہے۔
عذرا۔ باجی شرم تو نہیں آتی۔
عذرا کا منہ غصّے سے لال ہوگیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
شمیم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے محبت بھرے لہجے میں کہنے لگی "عذرا بی بی جانے ہو۔ یہ ہے تمیز کی بے وقوف لڑکی نہیں جانتی کہ آپس میں بہنوں سہیلیوں سے کیسے بات کرنا چاہیئے۔ تم تو سمجھ دار ہو جانے دو۔" عذرا نے غصّے سے جواب دیا "شمیم آپا میں تو اسے ٹھیک سا دیتی مگر باجی جو اس پر جان دیئے دیتی ہیں اور اس کے بدلے مجھے بُرا بھلا کہہ رہی ہیں۔"
شمیم۔ نہیں یہ بات نہیں۔ فرح تمہیں اس لئے روک رہی ہیں کہ اتنے آدمیوں میں لڑنا اچھی بات نہیں ہے۔
اُدھر شمیم سمجھا کر عذرا کو لے گئی اور جھولا جھلانے لگی۔ اِدھر ان سب نے باتیں کرکے رضیہ کا غصّہ دھیما کیا۔ تھوڑی دیر بعد سب لڑکیاں آپس میں گھل مل گئیں اور مختلف کھیل کھیلنے لگیں۔ مگر رضیہ اور عذرا ایک دوسرے سے الگ الگ اور منہ پھلائے رہیں۔
عصر کی نماز کے بعد تحفہ کی آمد ہوئی۔ پہلے کیسے رشتے والوں کے ہاں سے مٹھائی کے جو خوان آئے تھے وہ سامنے لاکر رکھے گئے پھر عزیزوں

رضیہ۔ تم کچھ پڑھتی ہو ؟

فرح۔ میں نے اور عذرا نے آدھے سے زیادہ قرآن شریف پڑھ لیا ہے اور اردو کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔

رضیہ۔ انگریزی نہیں پڑھتیں ؟ اُردو کا کیا ہے۔ اصل میں تو انگریزی پڑھنا چاہیئے۔

عذرا۔ (وہیں سے بیٹھے بیٹھے) کیوں۔ انگریزی پڑھے بغیر کیا ہوتا ہے

رضیہ۔ (تمکنت سے) اس لئے کہ بے انگریزی پڑھے آدمی کی عزت نہیں ہوتی۔ یہ ترقی کا زمانہ ہے اب ہر لڑکی کو انگریزی جاننی چاہیئے جاہل آدمی کی دُنیا میں قدر نہیں ہوتی۔

عذرا۔ اچھا تو تعلیم بس انگریزی پڑھنے کا نام ہے جو انگریزی نہ پڑھا ہو وہ جاہل ہے ؟ معلوم ہوتا ہے آپ انگریزی جانتی ہیں۔

رضیہ۔ (تنک کر) بے شک۔ میں انگریزی کی کئی کتابیں پڑھ چکی ہوں۔ انگریزی لکھ سکتی ہوں بول سکتی ہوں۔

عذرا۔ تبھی آپ اس شان سے بیٹھی ہیں اور دوسروں سے اس طرح بات کرتی ہیں۔

رضیہ۔ چُپ رہو میں تم جیسی جاہل لڑکیوں سے بات نہیں کرتی۔

عذرا۔ تم چُپ رہو۔ جاہل تم خود ہو۔

فرح۔ عذرا کیا ہو گیا ہے چُپ نہیں رہتی خواہ مخواہ زبان چلا رہی ہے۔

عذرا۔ آپ چُپ رہیئے۔ تمھیں ان کی جو بات اچھی لگتی ہے مجھے نہیں۔

نجمہ۔ رضیہ بہن آپ ناراض نہ ہوں۔ عذرا بچی ہے اس کی بات کا کیا بُرا ماننا۔

نجمہ۔ ہمارے ایک چچا تھے محسن چچا کئی برس ہوئے بیچارے مرگئے۔ یہ دونوں اُن کی لڑکیاں ہیں اور ان کی اماں وہ ہیں جن سے آپ کی اماں گلے ملی تھیں۔
رضیہ۔ اچھا۔
نجمہ۔ اے بہن اُٹھو نا چلو تمھیں اپنی گڑیاں دکھاؤں۔
رضیہ اُٹھ کر دوسری طرف آ بیٹھی۔
فرح۔ (چپکے سے) عذرا ان کے کپڑے کیسے اچھے ہیں۔ اور سدے لو دیکھو کیسے خوب صورت ہیں جھل مل جھل مل کر رہے ہیں۔
عذرا۔ مجھے تو ذرا بھی اچھے نہیں لگتے منہ تو دیکھو کیسا سا رکھا ہے تیوری پر بل جیسے بڑی کوئی لاٹ صاحب ہوں۔ اس زیور پر ہی اتراتی ہوں گی۔
فرح۔ تمھیں ہر کوئی بُرا ہی لگتا ہے۔ چلو چل کر ان سے باتیں کریں۔
عذرا۔ تم جاؤ میں نہیں جاتی۔
فرح اٹھ کر رضیہ کے پاس آ بیٹھی۔
فرح۔ کیوں بہن آپ کہاں رہتی ہیں۔
رضیہ۔ ہماری کوٹھی شہر سے باہر نہر کے کنارے ہے۔
فرح۔ وہ تو بڑی اچھی اور کھلی جگہ ہے۔
رضیہ۔ ہاں اور کیا سد جگہ میں تو ہم ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتے تمھارا مکان کہاں ہے؟
فرح۔ اشراف ٹولے میں۔
رضیہ۔ اشراف ٹولہ؟ وہ تو شہر کے اندر ہے۔ بڑی گندی اور گھٹی ہوئی جگہ ہوگی تم لوگوں سے کیسے رہا جاتا ہے۔
فرح کھسانی ہو کر چپ ہوگئی۔

دوسری طرف لے جاؤ اور چھولا چھولو کھیلو کو دو یہاں کیا بیٹھی ہو۔ نجمہ۔ تسنیم خان بہادر کی دونوں لڑکیاں، عذرا، فرخ اور پانچ سات اور ہم عمر لڑکیوں کو ساتھ لے کر پیچھے کے تڑے والاں میں آ گئیں اور بے تکلفی سے سب میں باتیں ہونے لگیں۔

نجمہ۔ فرخ دیکھ کیوں نہیں آئیں میرا جی اُن سے ملنے کو بہت چاہتا ہے۔

فرخ۔ خالہ جان نہ لائی ہوں گی۔

نجمہ۔ تو نہ ہمارے ہاں آنے میں بھی کوئی بُرائی ہے ؟

عذرا۔ ان کو تو ہر جگہ جانے میں بُرائی نظر آتی ہے۔ ہم دونوں کو بھی منع کر رہی ہیں۔

تسنیم۔ تمہاری چچی جان اور صغرا بھی نہیں آئیں۔

فرخ۔ معلوم نہیں کیا بات ہوئی کل تو چچا جان کہہ رہے تھے کہ وہ بھی جائیں گی۔

رضیہ سب سے الگ بیٹھی ان گنوار اور پُرانے دیس کی لڑکیوں کو کچھ تعجب اور حقارت سے دیکھ رہی تھی وہ اس حلقے میں اپنے کو اجنبی سا محسوس کر رہی تھی نجمہ نے اسے الگ بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کے پاس آ گئی۔

نجمہ۔ بہن تم ادھر کیوں بیٹھی ہو۔ آؤ اس طرف چلو سب مل کر کھیلیں گے باتیں کریں گے۔

رضیہ۔ نہیں میں اچھی بیٹھی ہوں۔

نجمہ۔ تمہارا نام کیا ہے بہن ؟

رضیہ۔ مس رضیہ نعیم اور میری بہن کا نام یاسمین ہے۔ یہ دو لڑکیاں کون ہیں جن سے تم ابھی باتیں کر رہی تھیں۔

نجمہ۔ عذرا اور فرخ۔

رضیہ۔ کون عذرا اور فرخ ؟

مگر وہ تو لاہور میں تھے یہاں کب آئے؟ پاس بیٹھی ہوئی ایک عورت نے کہا [illegible]
یہیں حسرلِ کی بیتی ہوگئی۔ اب یہیں رہیں گے۔ تیسری بولی اے میاں اب [illegible]
یہ حال بہادر کی بیوی ہیں ــــ اے وہی اپنے محلے کی [illegible] آئے بالی [illegible]
جوتے کے بند کھولے ہاتھ سے محفل کو سلام کیا اور محمدی بیگم [illegible]
پر گاؤ تکیے کے سہارے لاکر انھیں بٹھا دیا اور خود ان کے پاس [illegible]
خاصداں میں پان پیش کیے۔
مسز نعیم۔ کیوں بہن وہ اُس طرف سانولے رنگ کی [illegible]
کون بیوی ہیں۔
محمدی بیگم۔ آپ کسے پوچھ رہی ہیں ــــ اچھا وہ ــــ آپ [illegible]
یہ سیمہ ہیں حسن علی ماموں کی لڑکی محسن بھائی کی [illegible]۔
مسز نعیم۔ اے ہے یہ سیمہ ہیں؟ بالکل پہچانی نہیں جاتیں [illegible]
انقلاب ہے بچاری کا سایا گھر برباد ہوگیا صورت ہی بدل گئی [illegible]
ہم اور یہ ایک محلے میں رہتے تھے۔ برسوں ساتھ کھیلے ہیں۔ یہ [illegible]
سال چھوٹی ہیں۔
یہ کہہ کر مسز نعیم اُٹھ کر سیمہ کے پاس چلی گئیں اور [illegible]
[illegible] گلے ملیں [illegible] لے گئیں۔
[illegible] کھے اور مٹی کی ڈھوبری [illegible]
وہ خمیری روٹیاں رکھ دی گئیں مسز نعیم [illegible]
[illegible]
کھانے کا انتظام کر [illegible]
[illegible] میاں لڑکیاں
سے کہا لڑکیوں کو

کارچوبی ٹوپی پہنے بڑی پیاری معلوم ہو رہی تھی۔
محمدی بیگم نے بچیوں کو گلے لگایا حمیلہ اور نسیمہ کی خیریت پوچھی، اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔
بارہ بجے ہوں گے کہ باہر سے موٹر کے ہارن کی آواز آئی بیویوں کے کان کھڑے ہوئے ایک دوسری سے تعجب سے پوچھنے لگیں کہ "اوئی لو! یہ موٹر کس کا آیا؟" محمدی بیگم گھبرا کر کھڑی ہو گئیں اور ہانپتی ہوئی دو پیش خدمتوں کو ساتھ لئے میزبانی کے لئے بڑھیں ایک لمبی سی بیوی کاسنی ساری ساڑی، گلے میں سونے کا ہار، جڑاؤ چوڑیاں، جڑاؤ ٹاپس، پاؤں میں سیاہ پمپ اور سونے کی مارکسی پار بیسا پہنے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔ اُن کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں ایک کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی اور دوسری کی سات سال کی بڑی گلابی رنگ کا ریشمی شلوار جمپر اور ہلکا ہلکا جڑاؤ زیور پہنے ہوئی تھی۔ اونچی ایڑی کے جوتے، بالوں میں کلپ ہاتھ میں گھڑی اور آنکھوں میں سُرمہ سُرخ و سفید رنگ اور معمولی ناک نقشہ دوسری ریشمی فراک جانگیہ اور موزے پہنے تھی، کٹے ہوئے بالوں میں ربن سدھا ہوا تھا اور کانوں میں چھوٹے چھوٹے سدے تھے۔
بیویاں جو منہ کھولے آنکھیں پھاڑے آنے والی بیوی اور اُن کی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھیں اب آپس میں کھُسر پھُسر کرنے لگیں "اے لو! یہ سریلیوں میں ہم کہاں سے گھس آئی"، دوسری بولی "جوان لڑکی کا فیشن تو دیکھو" اور "چھوٹی تو بالکل عیسائی لگتی ہے" حمیلہ خاتون نے تیوری پر بل ڈال کر اُن کی طرف دیکھا، خدا بچائے اس زمانے کے رنگ سے۔ بھلا اس عورت کی کوئی ادا بھی مسلمانوں کی سی ہے کہ مرجانے بھی کیا کیا ہوتا ہے ـــــ قیامت قریب ہے" نسیمہ نے آنے والی بیوی کو غور سے دیکھ کر کہا "آپا میں جانوں یہ ڈپٹی نعیم احمد کی بیوی اور لڑکیاں ہیں

لڑکی کیا رادری میں میری ناک کٹائے گی ۔۔۔ جلدی جا کر دوسرا جوڑا بدل" سمجھ کے اتنے پر بل پڑ گئے ٹھنک کر بولی "کہہ تو رہی ہوں شام کو پہن لوں گی ۔"

محمدی بیگم نے چلا کر کہا "نہیں ابھی پہننا ہو گا۔ گل جبیں جلدی سے جا کر صاحبزادی کا جوڑا بدلوا" سمجھ سہمی ہوئی ساتھ چلی گئی اور جوڑا بدل کر واپس آئی۔ زربفت کا پاجامہ کلیوں کا سُرخ ریشمی مسالے سے لسا ہوا کُرتا اور ویسا ہی بھاری دوپٹہ، ہاتھوں پاؤں، گلے کانوں وغیرہ میں بہت سا زیور اور ناک میں نتھی، پاؤں میں سلیم شاہی جوتی کی جوتی محمدی بیگم دیکھ کر کھل گئیں اور پاس بلا کر پیار کیا۔ ماما ئیں چھوکریاں آ آ کر بلائیں لینے لگیں ایک نے نظر اُتاری دوسری نے پٹھ کر تھوکا سمجھ کچھ اس کی کچھ شرمائی سی ماں کے پاس بیٹھی تھی کہ دری سے تسنیم باہر آئی بارہ سال کی دُبلی پتلی سانولے رنگ کی لڑکی تھی۔ چہرے سے سعید گی اور افسردگی ٹپکتی تھی۔ اُس نے باہر آ کر ممانی کو سلام کیا اور کاموں کی دیکھ بھال کرنے لگی۔

دس بجے کے بعد سے مہمان آنے شروع ہوئے ڈولیوں پر ڈولیاں اور پالکیوں پر پالکیاں اُترنے لگیں۔ کچھ تانگے اِکّے بھی آئے۔ ہر صورت اور ہر لباس کی سیکڑوں عورتیں اور ہر سائز اور ہر عمر کے بچے آ گئے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی گیارہ بجے کے دو ڈولیوں میں نسیمہ خاتون فرح اور عذرا آئیں اور ایک ڈولی میں جمیلہ خاتون اور سیدہ نسیمہ خاتون کا ہی اٹالیس کا آڑا پاجامہ اور سعید چکن کا دوپٹہ کُرتہ پہنے ہوئے تھیں فرح اور عذرا کے سر ساٹن کے پاجامے، ریشمی جھولدار کُرتے اور باریک ململ کے گلابی دوپٹے تھے جن پر تِلّا سا لچکا ٹکا تھا۔ کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں، ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں اور گلے میں چلی سُکڑی سُکڑائی حالت کی طرف خائف نظروں سے دیکھتی، آنکھیں نیچی کر کے ماں کے پاس بیٹھ گئیں۔ سیدہ سعید چکن کا قمیص اور سُرخ ریشمی پاجامہ اور

مکاں پُرانی وضع کا مگر بہت شاندار اور وسیع تھا۔ گھر میں علاوہ محمدی بیگم اُن کی دسیوں نوکرانیوں اور چھوکریوں کے ان کی لڑکی نجمہ اور لڑکا فرحت حسن اور ایک اُن کی سدکی لڑکی تسنیم بھی تھی جس کے ماں اور باپ کا انتقال ہو گیا تھا اور اب وہ ماموں کے پاس رہتی تھی۔

آج اُن کے ہاں بڑی بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کہیں نائی دیگیں صاف کر رہے ہیں اور کھانا پکانے کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ اندر دالانوں میں فرش فروش درست ہو رہا ہے، کورے گھڑے بھرے جا رہے ہیں، چاندی کے بڑے پاندان پر کارچوبی گردی جھٹھائی جا رہی ہے۔ غرض سارے گھر میں ایک ہڑ مچا ہے محمدی بیگم بہت بھاری جسم کی بیوی ہیں کبھی صورت اچھی ہو گی مگر اب تو سارے نقش و نگار گوشت میں چھپ گئے ہیں۔ ایک چھپر کھٹ پر گاؤ تکئے سے ٹیک لگائے، فرشی پاجامہ پُرانی وضع کی محرم کرتی پہنے اور بھاری دوپٹہ اوڑھے سر سے پاؤں تک زیوروں لدی خاصی چوتھی کی دُلہن سی بیٹھی ہیں سروتا ہاتھ میں کھٹا کھٹ چل رہا ہے اور ساتھ ہی چھوکریوں پر زباں بھی تیز کرتی جاتی ہیں اُن کی کڑک دار آواز سارے گھر میں گونج رہی ہے۔

سامنے کے کمرے سے نجمہ باہر نکلی۔ دس سال کی عمر اور اچھی شکل کی لڑکی تھی رنگ بہت گورا تھا مگر ابھی سے ماں کی طرح جسم بھدا معلوم ہوتا تھا محمدی بیگم نے لڑکی پر ایک نظر ڈالی "یہ تم نے کیا پہنا ہے گلابی ساٹن کا پاجامہ اور آبی کرتا دوپٹہ، سبحان اللہ یہ تقریب کے دن ایسے سادے کپڑے!! اے وہ جوڑا پہنو جو آج کے دن کے لئے بنایا گیا ہے۔" نجمہ نے کہا "ماجی اماں بھلا اتنا بھاری جوڑا میں اس گرمی میں کیسے سارے دن پہنے رہوں گی" محمدی بیگم نے غصے سے کہا "ہاں ہاں وہ ولایتی ایبل نہیں اس لئے ناپسند ہے

دوسرا باب

شیخ احسن علی ریٹائرڈ تحصیلدار تھے۔ اپنے زمانے میں ان کو دستِ غیب حاصل تھا خوب کمایا اور خوب خرچ کیا پھر بھی اس وقت پنشن سمیت چار سو روپے ماہوار کی آمدنی تھی پنشن کے بعد سے اکبرپور ہی آ رہے تھے پرانے خیال اور پرانی معاشرت کے دلدادہ ہونے کے باوجود انگریزی حکومت کے انتہائی وفادار اور لڑکوں کو مغربی تعلیم دلانے کے حامی تھے اس لئے نہیں کہ اس سے علم یا عقل میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ کوئی اچھی سرکاری نوکری مل جاتی ہے ان کی بیوی محمدی بیگم مزاج کی بڑی تیز اور میاں پر بہت حاوی تھیں اور تحصیلدار صاحب جنھوں نے اپنی تحصیلداری کے زمانے میں بڑوں بڑوں کے تکلے کے سے بل نکال دیے تھے بیوی کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے تھے۔

اشراف ٹولے سے کچھ فاصلے پر سادات محلہ میں احسن علی کا مکان تھا۔

احسان۔ کچھ تیاری بھی کر رہے ہو یا نہیں

ریاض۔ جی ہاں کر تو رہا ہوں دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

احسان۔ پوری طرح کوشش کرو محنت کرنے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ اس امتحان کی کامیابی پر تمہاری آئندہ ترقی کا دار مدار ہے اگر میٹرک میں اچھے نمبروں میں کامیاب ہو گئے اور کوئی وظیفہ لے لیا تو آئندہ تعلیم میں بہت آسانی ہو جائے گی۔ بیٹا تمھیں ہر وقت اس بات کا دھیان رکھنا چاہیئے کہ تم پر پورے خاندان کی ذمہ داری ہے۔

ریاض نے سر جھکا لیا اور نسیمہ خاتون کی آنکھوں میں جو آنسو بھر آئے تھے انھیں وہ کوشش کر کے پی گئیں۔

جمیلہ۔ بچے اچھے ہیں۔
احسان شکر ہے خدا کا فرح تمھیں صبح سے بہت یاد کر رہی تھی
فرح۔ چچا جان آپ اُسے لے کیوں نہ آئے میرا جی بھی ملنے کو بہت چاہ رہا ہے
احسان اب کل تم لوگ احسن بھائی کے ہاں ان کی بچی کے رشتے میں جاؤ گی
وہ بھی جائے گی وہاں سے اُسے ساتھ لے آنا۔
نسیمہ (دبی زباں سے) لڑکیاں تو شاید نہ جاسکیں۔
احسان کیوں نہ جائیں؟ ــــ ضرور لے جاؤ۔ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے ملیں گی
کھیلیں گی گھر میں گھٹے گھٹے پریشاں ہو جاتی ہیں۔
جمیلہ۔ یہ نیا دستور نکلا ہے کہ کنواری لڑکیاں کنبے برادری میں پھریں۔
احسان مگر احسن بھائی تو قریبی عزیز ہیں کیا آپ دلکشا کو نہ لے جائیں گی؟
جمیلہ۔ جی نہیں میں آپ لوگوں کی طرح فیشن ایبل نہیں ہوں
احسان اس طرح لڑکیوں کو قید کرنا اور کھودے میں پالنا اچھی بات نہیں
آخر فرح عذرا صغرا سبھی تو جائیں گی وہ بھی چلی جائے تو کیا ہرج ہے۔
جمیلہ میں ان کا چاہنا بہت پسند کرتی ہوں مگر بھئی وہ تمھاری اولاد ہے
تمھیں اختیار ہے جہاں چاہے بھیجو جو چاہے کرو میرا کیا بس ہے مگر میری بچی
میرے قبضہ میں ہے اُسے جیسے چاہوں گی رکھوں گی کسی کو دخل دینے کا حق نہیں
احسان۔ (ناگواری سے) میں دخل نہیں دیتا صرف مشورہ دیا تھا آگے آپ مختار ہیں
ریاض نے باہر سے آکر چچا کو سلام کیا انھوں نے گلے سے لگا کر پاس
بٹھا لیا جمیلہ خاتون اپنے گھر چلی گئیں۔
احسان۔ تمھارا امتحان کب سے شروع ہے
ریاض۔ مئی کی پندرہ تاریخ سے۔ مہینہ بھر باقی ہے۔

اگر چچا سے بھی شرم کرے گی تو پھر محبت کس سے کرے گی؟ جمیلہ خاتون جھلا گئیں
"آج کو باپ چچا کے گلے میں باہیں ڈالے گی کل کو"
نسیمہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ جمیلہ خاتون کی بات ختم نہیں ہوئی تھی
کہ محمد احسان اندر آئے اور دونوں کو سلام کیا "آپا اور بھائی آداب عرض
کرتا ہوں"۔ جمیلہ نے ہاتھ سے سلام کا جواب دیا اور نسیمہ نے محبت بھرے
لہجے میں دُعائیں۔ اگرچہ محمد احسان نسیمہ سے کچھ بڑے ہی تھے لیکن بڑی بھاوج
ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ دیور کو اپنے سے چھوٹا سمجھتی تھیں۔ عذرا نے
چچا کے کان میں کہہ دیا تھا کہ خالہ جان احسن چچا کے ہاں جانے سے منع
کر رہی ہیں آپ اماں سے کہہ دیجئے گا کہ ضرور لے جائیں۔ محمد احسان نے
ہنس کر گردن ہلا دی تھی۔ سیدہ باورچی خانے میں کھیل رہی تھی چچا کی آواز
سُن کر دوڑی آئی اور اُن کی گود میں بیٹھ گئی۔ چچا اسے بہت چاہتے تھے
اور سیدہ بھی اُن کے نام کی عاشق تھی۔
نسیمہ۔ کیوں بھائی تم کب آئے؟ کوئی اطلاع تو بھی نہیں۔
احسان آج صبح آیا ہوں دفتر میں دو تین دن کی چھٹی تھی اس لئے آ گیا
کئی دن سے یہاں سے کسی نے خط نہیں لکھا تھا۔ ریاض سے یہ نہیں ہوتا کہ
باقاعدگی سے خط لکھا کرے ۔۔۔۔ کہاں ہے؟
نسیمہ۔ ابھی کچھ دیر ہوئی باہر گیا ہے آتا ہوگا۔
احسان امتحان سر پر آ گیا۔ کچھ تیاری بھی کر رہا ہے۔
نسیمہ۔ ہاں محنت تو بہت کر رہا ہے آگے خدا مالک ہے۔
جمیلہ۔ احسان میاں بہو کیسی ہیں سُنا تھا کچھ جی بُرا ہے۔
احسان۔ جی ہاں ان کی طبیعت صاف نہیں کچھ دنوں سے درد سر کی شکایت رہتی ہے

فرخ حرنہیں حالہ جان کو دُنیا بھر کی لڑکیوں سے کیوں دشمنی ہے ہماری امّاں
ڑی اچھی ہیں اگر وہ بھی حالہ جان جیسی ہوتیں تو ہم کیا کرتے
عذرا۔ بچاری رکیہ کی جان ہر وقت آفت میں کئے رہتی ہیں نہ کہیں آنا نہ جانا
ا۔ بولنا نہ کھیل کود نہ پڑھنا لکھنا بس قرآن پڑھتی رہے یا حدیث کی
ی کی ماں نہ مرتیں تو کیوں ان کے پاس آکر رہتی۔
ں رکیہ سے محبت تو بہت کرتی ہیں۔ ہر وقت اس کی صحت
دُنیا بھر کی اچھی اچھی چیزیں کھلاتی ہیں ـــــ مگر مزاج
ہر ہی ایسا۔
س چچا کے ہاں جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو۔
ہو حالہ جان اماں سے کیا کیا کہہ رہی ہیں۔

اواز آئی "بھائی میں اندر آسکتا ہوں"
"ں ہاں بھائی آؤ نا"
۔۳۴ سال کے ایک صاحب، لمباق، گورا رنگ
سکار، چہرے سے محبت اور شفقت رستی تھی بینائی
دلی کا اظہار کرتی تھی ـــــ ہاتھ میں لکڑی لئے اندر
گریا دُوں اُن کی طرف دوڑیں اور جاکر لپٹ گئیں
گلے سے لگا لیا اور عذرا کو گود میں اٹھائے فرخ کو
چلے حمیلہ خاتون لے حسکیں نظروں سے
ی بے شرمی۔ اتنی بڑی ڈھونگ چچا کی گود میں
متانت سے جواب دیا "چچا ہی کی تو گود ہے ـــ

نسیمہ۔ آپا وہ زمانہ اور تھا۔ یہ بیسویں صدی ہے اس میں یہ پرانی
باتیں نہیں چل سکتیں۔
جمیلہ (ناراضگی سے) ہاں جب تم جیسی مائیں ہوں گی تب تو لڑکیاں جو
بھی کریں تھوڑا ہے۔ غضب خدا کا ماں ہو کر تمھیں یہ خبر نہیں کہ لڑکیوں کی
تربیت کس قدر مشکل کام ہے ایسی آزادی ٹھیک نہیں اس کا نتیجہ اچھا
نہ ہوگا۔ وہ دیکھو فرخ سر کھولے بیٹھی ہے۔ اور پڑھ کیا رہی ہے؟ کوئی نماز
روزے دینیات کی کتاب تو ہوگی نہیں ہوگی کوئی فضول کتاب
فرخ۔ (جلدی سے سر پہ دوپٹہ اوڑھ کر) خالہ جان مرآۃ العروس
پڑھ رہی ہوں
جمیلہ۔ مجھے ان موئی قصے کی کتابوں سے نفرت ہے۔ یہ خراب خراب
قصے پڑھ کر لڑکیاں کس کام کی رہیں گی۔
نسیمہ۔ خراب قصہ نہیں مولوی نذیر احمد کی اصلاحی کتاب ہے لڑکیوں
کے لئے خاص طور پر لکھی گئی ہے (...) بہت مفید اور اچھی اچھی باتیں
بتائی ہیں۔
جمیلہ۔ بس رہنے دو میں سب جانتی ہوں۔ دیکھو میں کہے دیتی ہوں
مجھے یہ پسند نہیں کہ لڑکیاں تقریبوں میں جائیں وہاں سینکڑوں عورتیں
ہوں گی اور لڑکیوں کو دیکھیں گی۔

اس طرف عذرا اور فرخ چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں
عذرا۔ خالہ جان نے تو ناک میں دم کر دیا اماں کو بہکا رہی ہیں کہ تہمینہ کی آئیں
میں نہ لے جائیں۔ رشتے آئیں بیچاری۔

فرح حیرہیں خالہ جان کو دُنیا بھر کی لڑکیوں سے کیوں دشمنی ہے ہماری اماں
بڑی اچھی ہیں اگر وہ بھی خالہ جان جیسی ہوتیں تو ہم کیا کرتے
عذرا۔ بیچاری وکیہ کی ماں ہر وقت آفت میں کیئے رہتی ہیں نہ کہیں آنا نہ جانا
نہ ہنسنا، بولنا نہ کھیل کود نہ پڑھنا لکھنا بس قرآن پڑھتی رہے یا حدیث کی
کتابیں بیچاری کی ماں نہ مرتیں تو کیوں ان کے پاس آکر رہتی۔
فرح۔ خالہ جان وکیہ سے محبت تو بہت کرتی ہیں۔ ہر وقت اس کی صحت
کا خیال رکھتی ہیں۔ دُنیا بھر کی اچھی اچھی چیزیں کھلاتی ہیں ـــــ مگر مزاج
کو کیا کریں وہ تو ہے ہی ایسا۔
عذرا میں تو ضرور داحسن چچا کے ہاں جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو۔
فرح سُن نہیں رہی ہو خالہ جان اماں سے کیا کیا کہہ رہی ہیں۔

دروازے سے آواز آئی "بھابی میں اندر آسکتا ہوں"
نسیمہ نے جلدی سے کہا "ہاں ہاں بھائی آؤ نا"
دروازے سے ۴۲ ۴۳ سال کے ایک صاحب، لمبا قد، گورا رنگ
اونچا ماتھا، موزوں نقش و نگار، چہرے سے محبت اور شفقت ٹپکتی بھی پیشانی
کی بلندی عالی ظرفی اور مزاج دلی کا اظہار کرتی تھی ـــــ ہاتھ میں لکڑی لئے اندر
داخل ہوئے۔ عذرا اور فرح سگے پاؤں اُن کی طرف دوڑیں اور جاکر لپٹ گئیں
محمد احسان نے دونوں بھتیجیوں کو گلے سے لگایا اور عذرا کو گود میں اٹھائے فرح کو
پہلو سے لگائے دالان کی طرف چلے۔ حمیدہ خاتون نے خشمگیں نظروں سے
بہن کو دیکھا "دیکھتی ہو لڑکی کی بے شرمی۔ اتنی بڑی ڈھونگ چچا کی گود میں
سوار ہے" نسیمہ خاتون نے متانت سے جواب دیا "چچا ہی کی تو گود ہے ـــــ

نسیمہ۔ آپا وہ زمانہ اور تھا۔ یہ بیسویں صدی ہے اس میں یہ پُرانی باتیں نہیں چل سکتیں۔
حمیلہ (ناراضگی سے) ہاں جب تم جیسی مائیں ہوں گی سب تو لڑکیاں جو بھی کریں تھوڑا ہے۔ غضب خدا کا ماں ہو کر تمھیں یہ خبر نہیں کہ لڑکیوں کی تربیت کس قدر مشکل کام ہے ایسی آزادی ٹھیک نہیں اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ وہ دیکھو فرخ سر کھولے بیٹھی ہے۔ اور پڑھ کیا رہی ہے؟ کوئی نماز روزے دینیات کی کتاب تو ہوگی نہیں ہوگی کوئی فضول کتاب
فرخ۔ (جلدی سے سر پہ دوپٹہ اوڑھ کر) خالہ جان مراۃ العروس پڑھ رہی ہوں
حمیلہ۔ مجھے ان موئی قصّے کی کتابوں سے نفرت ہے۔ یہ رات سرات قصّے پڑھ کر لڑکیاں کس کام کی رہیں گی۔
نسیمہ۔ جان قصّہ نہیں مولوی نذیر احمد کی اصلاحی کتاب ہے لڑکیوں کے لئے خاص طور پر لکھی گئی ہے (ما نیر) بہت مفید اور اچھی اچھی باتیں بتائی ہیں۔
حمیلہ۔ بس رہنے دو میں سب جانتی ہوں۔ دیکھو میں کہے دیتی ہوں مجھے یہ پسند نہیں کہ لڑکیاں تقریبوں میں جائیں وہاں سیکڑوں عورتیں ہوں گی اور لڑکیوں کو دیکھیں گی

اس طرف عذرا اور فرخ چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں
عذرا۔ خالہ جان نے تو ناک میں دم کر دیا اماں کو بہکا رہی ہیں کہ حمہ کی آئیں میں نہ لے جائیں بڑی آئیں بچاری۔

ملا کی کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ۱۶ ۱۰ ۵ ۱
نسیمہ۔(بات ٹال کر) آپا کل احسن بھائی کے ہاں سے ماس آئی تھی۔ نجمہ کا قرآن ختم ہوا ہے۔ پرسوں اس کی آمین ہے تمہارے ہاں بھی تو بلاوا آیا ہوگا۔
جمیلہ۔ ہاں آیا ہے اللہ صبا رکھے چھوٹی سی عمر میں قرآن ختم کرلیا آج کل لوگوں کو قرآن ہمارکی طرف توجہ کہاں بس اُردو انگریزی پڑھوا دو اسی میں نجات ہے۔
نسیمہ۔ تو تم جاؤ گی آپا
جمیلہ۔ ہاں ضرور جاؤں گی تم نے کچھ اور بھی سُنا انھوں نے ڈکن کو بھی بلایا ہے۔
نسیمہ۔ ہاں میری بچیوں کا بھی بلاوا آیا ہے۔ بچی کی آمین میں بچیوں کو بلانا ہی چاہئے تھا۔
جمیلہ۔ لو اور سنو۔ لڑکیاں کیوں یوں کیسے برادری میں پھرنے لگیں۔
نسیمہ۔ تو یہ آپا کیسی باتیں کرتی ہو۔ بھائی احسن کیا غیر ہیں ابا کے سگے چچا زاد بھائی کے بیٹے ہیں۔ ایسے قریب کے رشتوں میں بھی لڑکیاں نہ جائیں تو پھر کہاں جائیں۔
جمیلہ۔ مجھے پسند نہیں کہ کنبہ برادری میں لڑکیاں پھریں اور سب لوگ نام رکھیں۔
نسیمہ۔ کیسے رادری میں نہ جائیں کہیں اور نہ جائیں آئیں تو کیا گھٹ گھٹ کر مر جائیں اور اتنی چھوٹی سی عمروں سے تو ہرگز بھی پابندی نہیں لگانی چاہیے یہی عمر ہنسنے کھیلنے کی ہے آگے چل کر تو پابندیاں لگی ہی ہیں۔
جمیلہ۔ تمہارے خیالات شہر میں رہ کر بالکل خراب ہوگئے بچوں پر چھوٹی عمر سے سختی نہ کی جائے گی تو بڑی ہو کر وہ کیسے قابو میں آئیں گی کبھی ہم نے تم نے بھی گھر سے باہر قدم نکالا تھا۔

پاس سا کر دیا اور باتیں ہونے لگیں۔
نسیمہ۔ پرسوں سے ماشی گرمی رہ گئی ہے مگر رات کچھ ہلکی تھی۔
جمیلہ۔ ہاں تو گرمی تو اب روز بروز بڑھے گی اور میرے ہاں تو صحن میں ہوا کی رمق بھی نہیں آتی۔
نسیمہ آپا تم اوپر کے کوٹھے پر سویا کرو۔ نیچے تو بڑی گرمی ہوتی ہوگی۔
جمیلہ اوپر کیسے سوؤں۔ جمیل جو اوپر سوتا ہے
نسیمہ اے تو ہرج کیا ہے جمیل تمہارا بچہ ہی تو ہے۔
جمیلہ تم بھی بس بچوں کی سی باتیں کرتی ہو اوّل تو مدار کھے جوان لڑکے کے سامنے سوتے ہوئے مجھے برا معلوم ہوتا ہے پھر دکس کی وجہ سے اور بھی نہیں سو سکتی جوان لڑکی ہے دونوں ایک جگہ کیسے سو سکتے ہیں۔
نسیمہ۔ آپا تمہارے وہموں سے خدا بچائے اوّل تو جمیل خود بچہ ہے سولہ سترہ برس کی عمر بھی کوئی عمر ہے اور پھر دکس تو ابھی پورے گیارہ برس کی بھی نہیں تم اسے جوان لڑکی کہتی ہو۔
جمیلہ۔ جوان نہیں تو کیا ہے۔ عرب میں تو چھ سات برس کی عمر میں لڑکیوں کی شادی ہو جاتی تھی۔ نو برس کی لڑکی پر نماز روزہ فرض ہے کہ نہیں ؟
نسیمہ۔ یہ تو ہندوستان ہے عرب نہیں۔ یہاں تو نو دس کی بچی یہ بھی نہیں جانتی کہ اس کے منہ میں کے دانت ہیں۔
جمیلہ اے واہ کیوں نہیں آج کل کی لڑکیاں ایسی بلّی ٹاٹ ہوتی ہیں کہ خدا بچائے یہ ہمارا تمہارا زمانہ نہیں ہے پھر لڑکی کی ذات ککڑی کی بیل کی طرح پھیلتی ہے دو تین برس میں دیکھنا کہ یہ نو دس برس کی لڑکیاں کہاں سے کہاں پہنچتی ہیں۔ مجھے تو راتوں کو نیند بھی نہیں آتی۔ جوان لڑکی کی

کرنے والی ہے اس سے ہر شریف لڑکی کو بچنا چاہئے۔ خوش قسمتی سے ان کے کوئی لڑکی نہیں تھی صرف ایک لڑکا جمیل تھا۔ ہاں اُن کی سد کی بچی ذکیہ جس کی ماں عرصہ ہوا فوت ہو گئی تھیں، ان کے پاس رہتی تھی۔ حمیلہ خاتون اسے بے حد چاہتی تھیں لیکن باوجود اتنی محبت کے ہر وقت سختی اور نکتہ چینی کرتی رہتی تھیں۔ ذکیہ کی عمر ابھی گیارہ سال ہی کی تھی مگر اس پر کڑی بندشیں لگ چکی تھیں۔ اپنے اصولوں کی سختی اور مزاج کی وجہ سے ان کی ہمیشہ اپنے شوہر سے اَن بَن رہی نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے عاجز آ کر دوسری شادی کر لی اور یہ اپنے لڑکے اور سد کی بچی کو لے کر باپ کے گھر میں چلی آئیں نسیمہ ان سے کئی سال چھوٹی تھیں۔ باوجود مزاجوں اور خیالات کے اختلاف کے دونوں بہنوں میں بہت محبت تھی اور دونوں کو ایک دوسری کی مصیبت اور رنج کا احساس تھا۔ لیکن حمیلہ خاتون کو بہن کے گھر کی ہر بات انوکھی، خلافِ رسم و رواج اور خلافِ مذہب معلوم ہوتی تھی۔ وہ جب آتیں لڑکیوں کو نصیحت کرتی، ٹوکتی اور اعتراض کرتی ہوئی آتی تھیں اور اسی لئے لڑکیاں اُن سے خائف رہتی تھیں نسیمہ کو بہن کا بڑا پاس تھا اور وہ اکثر ان کی بات مان لیتی تھیں لیکن اول تو ان کی طبیعت خود ہی معقول پسند واقع ہوئی تھی پھر انیس سال تعلیم یافتہ روشن خیال شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد ان کے خیالات اور عقائد بہت کچھ بدل گئے تھے اور یہ بات اُن کی بہن کو بہت ناگوار تھی اور اسی لئے وہ اکثر بہن پر ناراض ہوتی رہتی تھیں۔

نسیمہ نے انھیں دیکھا تو کھڑے ہو کر سلام کیا "آپا جان آداب"
حمیلہ خاتون نے دُعا دی اور بہن کے برابر بیٹھ گئیں۔ سیدہ جو خالہ سے بہت مانوس تھی اُن کی گود میں جا بیٹھی اور باتیں سنانے لگی۔ نسیمہ نے

10430
26-4-89

اپنی گڑیا کو قاعدے سے دوپٹہ اڑھانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔ فرح اور عذرا اپنی اپنی کتابیں لے کر صحنچی میں جا بیٹھیں۔

ساڑھے آٹھ بجے کا وقت ہوگا کہ دروازے سے ایک بی بی آتی نظر آئیں کالی چھینٹ کا پاجامہ ڈوریئے کا کرتا اور ہلکے موتیا رنگ کا دوپٹہ گورا رنگ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، بھاری ڈیل، ماتھے پر تین بل، بالوں میں سیاہی کے ساتھ سفیدی جھلکتی ہوئی۔ عمر ۴۵ سال کے لگ بھگ۔

فرح اور عذرا نے ان کو آتے دیکھا تو چپکے سے ایک نے دوسری سے کہا "خالہ جان آرہی ہیں" اور دوپٹے سے سر ڈھک کر جھک کر سلام کیا لیکن چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے آنے سے کچھ خوش نہیں ہوئیں۔ نسیمہ کی بڑی بہن حمیلہ خاتون تھیں، ان کا مزاج بہت تیز تھا اور بڑی نکتہ چیں طبیعت پائی تھی وہ خدا ترس، حد سے گزار اور سخت طبیعت رکھتی تھیں، مذہب کی سختی سے پابند تھیں لیکن خیالات پر قدامت پرستی کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا وہ سمجھتی تھیں کہ ان کی رائے خیالات اور عقیدے ہی سچے اور اصلی ہیں اور سیدھے خدا کی طرف سے ان پر نازل ہوتے ہیں ان کے عقیدے اور رائے سے اختلاف کرنے والا یقیناً جہنمی، کا قرار دے دیں ہے۔ لڑکیوں کے بارے میں ان کا خیال تھا اور نہایت خلوص سے کہ ان پر جتنی زیادہ سے زیادہ سختی ہو سکے کرنی چاہئے اور ہر وقت کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔ ان کا کوئی کام، کوئی بات پرانی روش سے ہٹی ہوئی نہ ہو وہ کہا کرتی تھیں کہ مٹی دات کو کھائے سونے کا نوالہ اور دیکھے شیر کی نگاہ۔ کنواری لڑکیوں کا سنبھالنا بڑا مشکل کام ہے۔ تعلیم بھی بس اتنی ملنی چاہیئے قرآن پڑھ لیں اور مذہبی کتابیں پڑھ لیں موجودہ زمانے کی تعلیم تباہ، برباد اور لامذہب

فرخ ایسی بڑی کہاں ہوں۔ اور تب تو آپ کتنی سیر کو جاتی تھیں!
آپ تو اتنی ہی بڑی تھیں جتنی اب ہیں۔

نسیمہ۔ وہ تو پردیس تھا نا۔ یہ اپنا شہر ہے یہاں لوگ باہر نکلنے
کو معیوب سمجھتے ہیں۔

ندرا دھپ سے اتر آئی اور پیچھے سے بھائی جان کی آنکھیں بند کرلیں
ریاض نے ہنس کر اس کے ہاتھ پکڑ لئے اور بولے۔ سوائے ندرا کے
اور کون ہو سکتا ہے۔ ندرا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور دونوں باہیں ریاض
کے گلے میں ڈال کر لٹک گئی "آج چھٹی کے دن آپ باہر چل دیئے اور
میرا سبق رہ گیا!"

نسیمہ۔ تم خود آج دیر کر کے اٹھی ہو۔

ریاض لاؤ کتاب میں ابھی پڑھائے دیتا ہوں۔

نسیمہ۔ نہیں میاں پہلے ناشتہ کرو پھر پڑھانا اسے تو ہر بات کی جلدی
پڑی رہتی ہے۔ جاؤ اپنی بڑی بی سے ٹکیاں لے آؤ۔ اور فرخ تم چوکی پہ
دسترخوان بچھا کر چائے کی پیالیاں لگا لو۔

سب نے مل کر دودھ، گھی کی ٹکیوں اور پنیر کا ناشتہ کیا۔ ریاض
اور نسیمہ نے چائے بھی پی۔ ناشتے کے بعد فرخ اور ندرا نے سب کے
بستر تہہ کر کے ... میں رکھے جس نے پلنگ اور کھانے اور سامنے
... کر ... ندرا کو پڑھایا پھر ... کتابیں لے کر اوپر
... بیٹھے تو ایک ... سے ... پلنگ ... کہاں ...
... سب ... کو ... کو ...
... کے گھٹنے کے ... تھی

موٹے ہونٹ، لمبی ستواں خوبصورت ناک، کتابی چہرہ گول اور خوبصورت سر سیاہ بال اور بڑی بڑی آنکھیں، ترکی ٹوپی، ٹھوڑی سیروانی اور لٹھے کا سفید پاجامہ پہنے ہوئے۔ اس نے ہنستے ہوئے ماں کو سلام کیا۔ ہنستے ہوئے خوبصورت دانتوں کی رتاشی بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ نسیمہ خاتون نے بہت سی دعاؤں کے بعد کہا ریاض میاں سویرے سویرے کہاں سدھار گئے تھے۔"

ریاض آج صبح ہی سے اس لئے دریاؤں تک ٹہلنے چلا گیا تھا راستے میں فرحت مل گئے ان سے باتوں میں دیر ہو گئی۔ یہ کہتے ہوئے ریاض نے سیدہ کو گود میں اٹھا لیا اور پیار کرنے لگے۔ فرح اندر سے آئی اور قریب سے دوپٹہ اوڑھ کر جھک کر بھائی کو سلام کیا۔" بھائی جان آپ کہاں چلے گئے تھے "

ریاض میں ذرا ٹہلنے چلا گیا تھا۔ روز تو اسکول جانے کی جلدی ہوتی ہے ٹہلنا ہو نہیں سکتا

فرح۔ بھائی جان اس وقت باہر بڑا اچھا معلوم ہوتا ہوگا

ریاض۔ ہاں اس وقت باہر سیر کرنے سے بڑی فرحت ہوتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور ہرے بھرے کھیتوں کا منظر، لہراتی ہوئی ندی، بہتا ہوا پانی بہت دلکش منظر ہوتا ہے

فرح۔ صبح کے وقت میرا بھی جی باہر سیر کو جانے کو چاہتا ہے۔ مگر خالہ جان کے ڈر سے کچھ نہیں کہتی ــــ" اے لو ح بیٹیاں کیوں باہر جانے لگیں؟ حالانکہ جب ابا جان زندہ تھے تو ہم سب منہ اندھیرے اُٹھ کر روز سیر کرنے جاتے تھے۔ ہے نا اماں؟

نسیمہ۔ اس وقت تم چھوٹی سی تھیں، اب ماشاء اللہ بڑی ہو گئی ہو۔

کے دل میں جو نہ صرف اپنے بچوں اور عزیزوں بلکہ ہر کس و ناکس کی خدمت کے لئے ہر وقت کمربستہ اور تیار رہتی ہے، درد فراق کی دبی ہوئی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے جو انھیں گھن کی طرح کھائے جاتی ہے اس کے دُبلے پتلے کمزور جسم کے اندر ایسا مضبوط اور مستحکم ارادہ تھا (اور پھر اس زمانے کے شرفا کے رسم و رواج کے مطابق شوہر کے رنج و غم کا اظہار کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا) کہ کوئی اُن کے غم پنہاں کا اندازہ نہ کرسکتا تھا صرف محمد احسان جو بھاوج کی طبیعت اور مزاج شناس تھے جانتے تھے کہ اس ملنس اور ہمدرد ہستی کے دل کی گہرائیوں میں کتنا رنج و غم پنہاں ہے۔ انھیں ہمیشہ بھاوج کی صحت کی فکر رہتی اور اُن کے لئے طاقت کی دوائیں لاتے اور غذا کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔

نسیمہ خاتون نماز کے بعد کچھ دیر وظیفہ پڑھتی رہیں، پھر سجدۂ شکر ادا کیا اور صحن میں سوئی ہوئی عورت کو آواز دی "نصیبن اے نصیبن، جلدی اٹھو نماز کا وقت نکلا جارہا ہے" گرتھا نے اطمینان سے آنکھیں کھولیں منہ ہی منہ میں کلمہ پڑھا دو چار انگڑائیاں لیں، سر کھجایا پیٹ کے بل ٹھیک کئے، بیٹی کے پتے پیک تھوکی اور ایک مٹی کا لوٹا اٹھا کر پاخانے کی طرف چل دیں۔

نسیمہ خاتون ہاتھ میں تسبیح لئے ایک پلنگڑی کے پاس آئیں جس پر ایک لڑکی منہ لپیٹے سو رہی تھی انھوں نے بازو ہلا کر کہا "فرح بیٹی اٹھو دیکھو کتنا دن چڑھ گیا اور تم اب تک پڑی سو رہی ہو" فرح نے کسمسا کر کروٹ بدل لی اور تکیہ منھ پر رکھ کر پھر سو گئی۔ نسیمہ نے تکیہ منہ سے ہٹا کر کہا "فرح یہ کیا کاہلی ہے نماز کا وقت اتنا کم رہ گیا اور تم پڑی سو رہی ہو" فرح نے آنکھیں کھولیں

کلمہ پڑھا اور ماں کو سلام کرکے اُٹھ بیٹھی۔ فرخ کی عمر دس گیارہ سال کی تھی بڑی بڑی سرمئی آنکھیں چھوٹا سا دہن، سُرخ ہونٹ، سیاہی مائل بھورے بال گورا رنگ، گالوں پر سیب کی سی سُرخی، بھرا بھرا ڈیل اور معمول سے کچھ چھوٹا قد۔

فرخ کے اُٹھتے ہی دوسرے پلنگ سے عذرا گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اس کی عمر آٹھ نو سال کی ہوگی۔ حاضر اسا قد۔ چھریرا جسم کھلتا ہوا سانولا رنگ پتلی سی موزوں ناک، سیاہ اور چمکدار آنکھیں جن سے ذہانت اور شوخی ٹپک رہی تھی، لمبی لمبی سیاہ پلکیں، سیاہ گھونگریالے بال، کتابی چہرہ لمبی گردن، معمولی موٹے ہونٹ اس کی صورت نسیمہ خاتون سے بہت ملتی تھی۔ کھڑے ہو کر ماں کو سلام کیا اور بغیر جواب کا انتظار کئے غسل خانے میں گھس گئی اور ذرا دیر میں وضو کر آ نماز پڑھنے لگی۔ فرخ ابھی دانت مانجھ کر بھی فارغ نہ ہوئی تھی کہ یہ نماز ختم کرکے اوپر جانے لگی ماں نے پوچھا "اوپر کیوں جا رہی ہو" اُس نے پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا "اماں ابھی آتی ہوں ذرا ٹہل آؤں" اور اوپر جا کر بڑی بڑی چھتوں پر ٹہلنے لگی۔

نسیمہ نے اپنے پلنگ پر سوئی ہوئی بچی کو اُٹھایا اور اُس کا منہ دھلانے لگیں چار سال کی بچی مشکل سے تین سال کی معلوم ہوتی تھی۔ سعیدہ پھیکی رنگت بھورے بال بھوری آنکھیں، چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیر، ٹھوڑی اور گالوں میں سہے سہے خوبصورت گڈھے دیکھنے میں بہت کمزور معلوم ہوتی تھی۔۔۔

نسیمہ خاتون منہ دھلاتی جاتی تھیں اور سعیدہ کو کلمہ اور الحمد یاد کراتی جاتی تھیں دالان کے دروازے سے پندرہ سولہ سال کی عمر کا ایک لڑکا اندر داخل ہوا۔ لمبا قد چھریرا مگر مضبوط جسم، خوبصورت گندمی رنگ بڑا سا اور بچا ما تھا، ذرا اُبھرا دہن، اور

کے دل میں جو نہ صرف اپنے بچوں اور عزیزوں بلکہ ہر کس و ناکس کی خدمت
کے لئے ہر وقت کمربستہ اور تیار رہتی ہے، دردِ فراق کی دبی ہوئی آگ
اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے جو انھیں گھن کی طرح کھائے جاتی ہے اُن کے
دُبلے پتلے کمزور جسم کے اندر ایسا مضبوط اور مستحکم ارادہ تھا (اور پھر اس زمانے
کے شرفا کے رسم و رواج کے مطابق شوہر کے رنج و غم کا اظہار کرنا بھی معیوب
سمجھا جاتا تھا) کہ کوئی اُن کے غم پنہاں کا اندازہ نہ کرسکتا تھا صرف محمد احسان
خواجہ کی طبیعت اور مزاج شناس سمجھے جاتے تھے کہ اس مطمئن اور خندہ رو
ہستی کے دل کی گہرائیوں میں کتنا رنج و غم پنہاں ہے۔ انھیں ہمیشہ خواجہ کی
صحت کی فکر رہتی اور اُن کے لئے طاقت کی دوائیں لاتے اور غذا کی
طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔

نسیمہ خاتون نماز کے بعد کچھ دیر وظیفہ پڑھتی رہیں، پھر سجدۂ شکر ادا کیا
اور صحن میں سوئی ہوئی عورت کو آواز دی "نعیمن اے نعیمن، جلدی اُٹھو نماز
کا وقت نکلا جا رہا ہے" بڑھیا نے اطمینان سے آنکھیں کھولیں، منہ ہی منہ میں
کلمہ پڑھا دو چار انگڑائیاں لیں، سر کھجایا سینے کے بل ٹھیک کئے، بیٹی کے
پیچھے پیک تھوکی اور ایک مدقلی لوٹا اٹھا کر پاخانے کی طرف چل دیں۔
نسیمہ خاتون ہاتھ میں تسبیح لئے ایک پلنگڑی کے پاس آئیں جس پر ایک لڑکی
منہ لپیٹے سو رہی تھی۔ انھوں نے بازو ہلا کر کہا "فرح بیٹی اُٹھو دیکھو کتنا دن
چڑھ گیا اور تم اب تک پڑی سو رہی ہو" فرح نے کسمسا کر کروٹ بدل لی اور
تکیہ منہ پر رکھ کر پھر سو گئی نسیمہ نے تکیہ منہ سے ہٹا کر کہا "فرح یہ کیا کاہلی ہے
نماز کا وقت اتنا کم رہ گیا اور تم پڑی سو رہی ہو" فرح نے آنکھیں کھولیں

کہ مرحوم کی لڑکیوں کے اسکول کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔

نسیمہ خاتوں کی بڑی بہن جمیلہ خاتوں بھی دو سال سے اپنے شوہر اور سسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر یہیں اُن کے مکان کے برابر والے مکان میں جو ان دونوں کے والد کا تھا، آکر رہنے لگی تھیں محمد احسان سہارن پور میں نوکر تھے مگر اُن کے بیوی بچے وطن ہی میں رہتے تھے اور وہ اکثر آتے جاتے رہتے اور بھی بہت سے عزیز اقارب تھے اس لئے نسیمہ خاتوں کو تنہائی کی کوئی شکایت یہاں نہ تھی۔

محمد احسان نے خرچ کے لئے ایک معقول رقم بھاوج کو دینی چاہی مگر انھوں نے خوش اسلوبی سے انکار کر دیا انھوں نے دیور کو یقین دلایا کہ فی الحال موجودہ آمدنی بالکل کافی ہے جب بیاہ شادی یا تعلیم کا بڑا خرچ آکر پڑے گا تو تمہارے سوا اور کون کرنے والا ہے، بھاوج کے سامنے احسان کی ایک نہ چلی اور انھیں مجبوراً ماں لینا پڑا اور نسیمہ خاتوں اسی قلیل آمدنی میں کل خرچ چلانے لگیں جنگ کی وجہ سے اشیاء کی گرانی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اچھے اچھے پیسے والے لوگوں کو خرچ پورا کرنا مشکل نظر آتا تھا نہ کہ اتنی کم آمدنی میں چار بچوں اور دو نوکروں کا خرچ اُٹھانا۔ بچے ناز و نعم کے پلے ہوئے تھے اور ماں کو یہ گوارا نہ تھا کہ بچوں کے دل پہ میل آئے اور اس پر ماں کا سادہ دل اور مزاج دل جو کسی کو تکلیف مانگنے میں نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کسبے برادری میں تقریبوں کے موقع پر دینا دلانا۔ سیکڑوں اخراجات تھے جن کو نہ جانے وہ کس کس طرح پورا کرتی تھیں۔

نسیمہ خاتوں نے تین سال کا یہ کٹھن زمانہ کسی نہ کسی طرح گزار دیا تھا یوں دیکھنے میں کسی کو اندازہ بھی نہ ہوتا تھا کہ اس ہنس مکھ اور مستعد عورت

سے حاسر ہوں نسیمہ خاتون پراں کی دلداری اور سچی محبت کا بہت اثر ہوا اور انھیں محسوس ہوا کہ میں دُنیا میں تنہا نہیں بلکہ میری سرپرستی کے لئے ایک محبت کرنے والا بھائی موجود ہے جو ہر مشکل میں مدد کرے گا فوری صدمے کا اثر گزرنے کے بعد انھوں نے سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس طرح جان دینے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ موت اختیاری چیز نہیں صحت خراب ہوگئی تو بچوں کا کیا ہوگا اب سے بچوں کی پرورش، تربیت، تعلیم، دلداری سب ان کے ذمہ ہے، اب ان کو صرف ماں ہی نہیں باپ بھی بننا پڑے گا خدا کی طرف سے یہ کڑی آزمائش اُن پر ڈالی گئی ہے اور اس آزمائش میں پورا اُترنا اُن کا فرض ہے ——— وہ جانتی تھیں کہ بے باپ کے بچے اگر ماں سمجھداری سے کام لے تو خراب اور برباد نہیں ہوتے لیکن بے ماں کے بچے خصوصاً جن کے سر پر باپ بھی موجود نہ ہو، تباہ ہو جاتے ہیں ان کو نہ صرف تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں بلکہ صحیح تعلیم و تربیت بھی نہیں ہوسکتی اور اکثر ان کی ساری زندگی خراب ہو جاتی ہے ——— وہ غریب جانتی تھیں کہ بچوں والی بیوہ کے لئے ——— مرنا بھی ——— مشکل ہے۔

صحت ٹھیک ہونے پر انھوں نے دلور کی مدد سے دیکھ بھال کی کہ اُن کے شوہر کتنی جائداد وغیرہ چھوڑ گئے ہیں مہینے بھر کے جھگڑے بکھیڑے کے بعد معلوم ہوا کہ پچاس ساٹھ روپے مہینے کی جائداد، ایک مکان اور کچھ اناج کی زمین یہ ہے کل سرمایہ نسیمہ خاتون کا دو تین ہزار کا زیور اس کے علاوہ تھا انھوں نے احسان کے مشورے سے پردیس کا رہنا ترک کر دیا اور بچوں کو لے کر اکبر پور آ گئیں۔ ریاض کو قصبے کے ہائی اسکول میں داخل کر دیا جو اُن کے شوہر کی ان تھک کوششوں سے قائم ہوا تھا ——— افسوس

ناقابلِ برداشت تھی اگر وہ مذہب کی اس قدر پرستار اور خدا پر سچا عقیدہ نہ رکھتیں تو کوئی عجب نہ تھا کہ اس سانحۂ عظیم کے وقت خودکشی کر لیتیں۔ کیونکہ بیوگی کی بھیانک اور بیچارگی کے تصور سے اُن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔
کچھ دن تک اُن کی حالت بہت خراب رہی کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا اور بالکل صاحبِ فراش ہو گئیں اور اسی حالت میں بچی پیدا ہوئی، جو ماں کی کمزوری اور صدمے کی وجہ سے بہت کمزور اور نحیف تھی۔ اس بیماری مایوسی اور صدمے کی حالت میں ان کے دیور محمد احسان نے اُن کی ہر طرح خدمت اور مدد کی اور جہاں تک ہو سکا ان میں حوصلہ اور ہمت پیدا کی محمد احسان کو ان کے بڑے بھائی محسن نے چھوٹی سی عمر سے اپنے پاس رکھا اور پڑھایا لکھایا تھا اور بیٹے کی طرح چاہتے تھے اور احسان بھی بھائی کو باپ کی جگہ سمجھتے تھے۔ دیور بھاوج بچپن سے ایک ساتھ پلے بڑھے تھے اور دونوں میں سگے بہن بھائی سے زیادہ محبت اور یکجہتی تھی۔ احسان بھاوج کو ماں کی جگہ سمجھتے اور چھوٹی ہونے کے باوجود انتہائی عزت اور احترام کرتے تھے، نسیمہ خاتون احسان کو حقیقی بھائی سمجھتیں اور بیٹوں کی سی شفقت سے پیش آتیں۔ اس سخت وقت میں احسان نے وہی کیا جو انھیں کرنا چاہئے تھا۔ بھتیجے بھتیجیوں کی دیکھ بھال اور خرچ کی پوری ذمہ داری خود اٹھائی اور بیماری میں بھاوج کی دن رات ایسی خدمت کی کہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات۔ ان کی ہر طرح تسلی تشفی کرتے اور سمجھاتے کہ خدا کی مصلحت کو سمجھنا اور اس کے کارخانے میں دخل دینا انسان کا کام نہیں اور باپ کے بعد ماں کی ذمہ داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے انھوں نے بھاوج کو یہ یقین دلایا کہ میں ہر قسم کی مدد اور خدمت کو دل و جان

حد سے زیادہ کرلتے تھے اکثر ساری ساری رات کام میں گزار دیتے۔ آرام لیا جاتے ہی نہ تھے ——— نسیمہ خاتون اور محمد احسان (محسن علی کے چھوٹے بھائی) ان کو اکثر اس طرف متوجہ کرتے مگر انھوں نے کبھی پروا نہ کی ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا۔ وہ کہتے تھے انسان کا کام ہے اپنے مقصد کے لئے جان توڑ محنت کرنا۔ اس کی ذات تو بہت معمولی چیز ہے در اصل وہ اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ نتیجہ وہی ہوا جو قدرت کا قانون ہے ——— بے اعتدالی خواہ اچھے سے اچھے مقصد کے لئے کی جائے، خواہ بُرے کاموں میں۔ جسمانی طور پر اس کا تقریباً ایک ہی سا اثر پڑتا ہے ——— ۱۹۱۴ء میں جس دن جنگ عظیم شروع ہوئی اسی دن اس خوش نصیب خاندان پر بھی غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ——— محسن علی کے دماغ پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ چند گھنٹے کے اندر بیتالیس سال کی عمر میں جواں بیوی، ننھے ننھے بچوں، بدنصیب خاندان اور کم نصیب قوم سب سے منھ موڑ کر دنیا سے سدھار گئے۔ چھوٹی بچی سیدہ باپ کے انتقال کے دو مہینے بعد پیدا ہوئی۔

شوہر کی وفات سے نسیمہ خاتون پر جو کچھ گزری اس کو صرف وہ عورت ہی سمجھ سکتی ہے جس نے اُنہی کی طرح اٹھارہ انیس سال ایک ہم ذات ہم مزاج جان نثار محبوب شوہر کے ساتھ آرام اور خوشی کے ساتھ بسر کئے ہوں اور پھر اس سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جائے ان کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انھیں باغ جنت کی ایک جھلک دکھا کر تپتے ہوئے صحرا میں تن تنہا چھوڑ دیا گیا ہے اگرچہ وہ بڑی باحوصلہ سمجھ دار اور مستقل مزاج عورت تھیں مگر ایسے بے مثل صفات والے عاشق زار شوہر کی جُدائی اُن کے لئے

ان کی خوش قسمتی کی تکمیل ہوگئی۔ ریاض عباس کی غیر معمولی ذہانت ذرح کی پیاری صورت اور عذرا کی تیزی پر ماں باپ کیا غیر بھی فدا تھے ______

محسن علی کی آمدنی محدود تھی لیکن نسیمہ خاتون کے سلیقے کی وجہ سے خاصی آسائش سے گزر ہوتی تھی۔ دونوں میاں بیوی اپنے لئے کفایت شعار مگر دوسروں کی مدد کرنے میں بے حد فیاض تھے اور اُن کی آمدنی کا آدھا حصہ اپنوں، غیروں، محتاجوں اور غریبوں کی مدد میں صرف ہوتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ان دونوں کو آئندہ کی فکر بھی رہتی تھی اور محسن علی ہر سال تھوڑا بہت پس انداز کر کے کچھ جائداد خرید لیتے تھے ______ وہ اس غیر معمولی دماغ اور بے مثل قابلیت کے انسان تھے کہ اگر روپیہ کمانے پر آتے تو اس کے ڈھیر لگا سکتے تھے مگر انھیں روپیہ سے ہمیشہ ایک کراہت سی رہی ______ وہ کہتے تھے کہ بس اتنا کمانا چاہیئے کہ معمولی حیثیت سے گُزر ہو سکے اور تھوڑا بہت پس انداز ہو جائے تاکہ بچوں کی تعلیم کے وقت رُکاوٹ نہ پڑے۔ ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ روپیہ کبھی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے باہر کے اخراجات کا روپیہ منشی کے پاس رہتا اور گھر کی ضروریات کا نسیمہ خاتون کے پاس وہ خود کبھی روپے کو نہیں چھوتے تھے ______

اکثر دونوں میاں بیوی مستقبل کے منصوبے بنایا کرتے کہ بچوں کی اس طرح سے تربیت کریں گے، اتنی تعلیم دیں گے، شادی کے وقت فلاں فلاں بات کا لحاظ رکھیں گے ______

لیکن انسان کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے دیکھنے میں محسن علی بہت قوی اور مضبوط جوان تھے لیکن ان کی ایک کمزوری یہ تھی کہ صحت کی طرف سے ہمیشہ لاپروا رہے اور طرہ یہ کہ محنت اور کام

اس کا موروں قد، چھریرا جسم، زردی مائل گندمی رنگ، پتلی ستواں ناک، بڑی سی پیشانی اور بڑی بڑی متین آنکھیں جن میں وسعتِ قلب اور رحم دلی کی جھلک کے ساتھ ساتھ حزن و ملال کی ہلکی سی لہر بھی موجزن تھی، ایک عجیب دل کش تصویر پیش کرتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صبح صادق مجسم ہو کر حاجت اصلاح کی عبادت میں محو ہے۔

محسن علی گڑھ کے ابتدائی دَور کے ان بہترین اور مایۂ ناز طالب علموں میں تھے جن پر نہ صرف مادرِ کالج بلکہ قوم ہمیشہ فخر کرے گی۔ انھوں نے بی اے کی ڈگری اس وقت لی جب مسلمانوں میں انگریزی تعلیم بہت معیوب سمجھی جاتی تھی ــــــ علم کی پیاس کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں سچی مذہبی لگن اور قومی درد بھی موجود تھا ــــــ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے وکالت شروع کی لیکن ان کا اصول یہ رہا کہ تھوڑا سا وقت فکرِ معاش میں صرف کر کے باقی تمام وقت اور اپنی قابلیت اور صلاحیت قوم کی خدمت، سماج کی اصلاح اور تعلیم کو رواج دینے کی کوشش میں صرف کرتے تھے۔

ان کی شادی اپنی چچا زاد بہن بسیمہ خاتون سے ہوئی تھی جو زمانہ کے دستور کے خلاف اچھی خاصی پڑھی لکھی تھیں اور اس کے ساتھ ہی بہت سمجھ دار، رحم دل، نیک طبیعت اور نہایت فراخ دل بھی تھیں۔ طبیعت کی یکسانی اور ہم خیالی نے ان دونوں کی اُنسیت کو بہت جلد قلبی محبت میں تبدیل کر دیا ــــــ سارے خاندان میں ان دونوں کی محبت اور خوش نصیبی ضرب المثل تھی ــــ بچوں کی پیدائش کے بعد

نسیمہ خاتون جانماز پر دراز ٹیڑھی سجدے میں پڑی سو رہی تھیں
اُن کی آنکھیں بند تھیں لیکن ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی ــــــ
کہ کوّے کی بے ہنگم آواز سے چونک کر انھوں نے آنکھیں کھول دیں ــــــ
صبح صادق کی روشنی نے رات کی سیاہی کو معلوب کر لیا تھا ــــــ تاریکی
رفتہ رفتہ معدوم ہوتی جا رہی تھی اور ہلکی، سنہری، پاکیزہ، لطیف روشنی
دُنیا پر اپنا تسلط جما چکی تھی ــــــ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز
فضا میں گونج رہی تھی ــــــ دُور سے کسی مُرغ کے بانگ دینے کی آواز
آ رہی تھی اور منڈیر پر ایک کوّا میٹھا کائیں کائیں کر رہا تھا ــــــ

نسیمہ خاتون نے چاروں طرف ایک اُچٹتی نظر ڈالی ــــــ صحن میں
بڑی بی کروٹیں بدل رہی تھیں، عذرا اور فرح اور سیدہ میٹھی نیند میں مدہوش
تھیں ــــــ ریاض کا پلنگ خالی پڑا تھا ــــــ صحن کی تھی سی کیاری
میں ہوتیا کے پھول صبح کی ہلکی ہوا سے آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے ــــــ
نسیمہ خاتون نے متحسسانہ نظریں ادھر اُدھر ڈالیں اور پھر یک لخت اُن کا
چمکتا ہوا چہرہ ماند پڑ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے ــــــ آہ یہ سب
خواب تھا؟ کیسا اچھا، شیریں، پُرمسرت خواب۔ اور حقیقت؟ تلخ جاں گزا
حقیقت یہ ہے کہ اُن کا بے مثل اور محبوب شوہر چار سال ہوئے اُن سے
بچھڑ چکا ہے ــــــ اُنھوں نے اپنے سفید دوپٹے کے پلو سے آنکھیں
پونچھیں، ایک آہ سرد کے ساتھ لیٹنے سے اُٹھ بیٹھیں اور وضو کر کے نماز فجر کی
نیت باندھ لی۔

پھیلتی ہوئی نو کی بڑھتی ہوئی روشنی نے اس چہل سالہ خاتون کو دیکھا
جو سفید بے داغ کپڑوں میں ملبوس جانماز پر نظریں جمائے محوِ عبادت تھی

دیکھوں بھی یا نہیں۔"
"کیسی بڈھوں کی سی باتیں کرتی ہو۔"
اور دونوں ہنس پڑتے۔

"فرح کے ابّا دیکھنا فرخ نے گڑیا کیسے سلیقے سے سجائی ہے۔"
"کیوں نہ ہو آخر کس ماں کی بیٹی ہے۔"
"ریاض کی ماں دیکھو ہماری بیٹی کیسا فر فر قاعدہ پڑھتی ہے۔"
"یہ تمہاری عذرا ! بڑی شیطان ہے سارے دن شرارت کرتی ہے میری فرح بڑی نیک ہے۔"
"واہ ہماری بیٹی بڑی ذہین اور تیز ہے ——— ریاض کی ماں میں چاہتا ہوں کہ اپنی بچیوں کو خوب پڑھاؤں تم نہ کہیں اڑ کا وٹ ڈالنا۔"
"شاستریوں میں پڑھایا جاتا ہے یہ بھی پڑھ لیں گی۔"
"یعنی اپنی ماں جیسا ٹوٹا پھوٹا لکھنا پڑھنا ؟ نہیں صاحب انھیں تو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ملے گی ——— میری بچیاں قدرت سے اعلیٰ دماغ لے کر آئی ہیں۔ تم دیکھنا وہ پڑھ لکھ کر عورتوں کے لئے نمونہ بنیں گی۔"
"اپنے منھ سے اپنے بچوں کی تعریف بھلا کیا اچھی لگتی ہے۔"
"کیوں اس میں ہرج کیا ہے ——— میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ انشاءاللہ اکبر پور میں لڑکیوں کا اسکول کھولوں۔"
"انشاءاللہ"

ں عدے میں پڑی سو رہی تھیں
کش مسکراہٹ کھیل رہی تھی ـــــ
لوں نے آنکھیں کھول دیں ـــــ
ں کو معلوم کر لیا تھا ـــــ تاریکی
ل سنہری، پاکیزہ، لطیف روشنی
ـــــ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز
سی مرغ کے بانگ دینے کی آواز
کائیں کر رہا تھا ـــــ
ک اچٹتی نظر ڈالی ـــــ صحن میں
رح اور سیدہ میٹھی نیند میں مدہوش
تھا ـــــ صحن کی ننھی منی کیاری
تہ آہستہ جھوم رہے تھے ـــــ
ھر ڈالیں اور پھر یک لخت اُن کا
دھر آئے ـــــ آہ یہ سب
ـ خواب۔ اور حقیقت؟ تلخ جاں گرا
ب شوہر چار سال ہوئے اِن سے
معید دوپٹے کے پلو سے آنکھیں
اٹھ بیٹھیں اور وضو کر کے جا نماز کی

ہے اس چہل سالہ ماتوں کو دیکھا
یہ نظریں ہٹانے کو عادت تھی۔

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھائے دعا میں محو ہے وہ کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا مانگتی رہی کبھی کبھی لال ٹین کی ہلکی روشنی میں اس کے گالوں پر دو موتی چمک اُٹھتے اس کے بعد اس نے اپنا سر سجدے میں جھکا دیا اور بہت دیر تک نہ اُٹھایا ——— وہ ایک دوسری دنیا میں پہنچ گئی تھی۔

وہ عروسی جوڑا پہنے بیٹھی ہے۔ ایک خوش رو وجیہہ نوجوان مُسکراتا ہوا آتا ہے وہ شرم سے سمٹ جاتی ہے ——— وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہتا ہے۔ نسیم یہ ہماری زندگی کا زرّیں لمحہ ہے۔ تم میری شریکِ حیات ——— دنیا کی حور ——— انسانی صورت میں فرشتہ!

وہ فخر اور شرم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آنکھیں جُھکائے اپنے نوزائیدہ بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ اس کا شوہر اُنگلی سے بچے کا گال چھو کر مسکراتے ہوئے کہتا ہے "نسیم اس کا نام ریاض رکھیں؟" "ہاں بہت پیارا نام ہے ———"

دہلی میں ایک چھوٹے سے خوب صورت مکان میں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے اُس کے پاس بہت سی عورتیں اپنا دکھ درد بیان کرنے اور اس سے مدد لینے آتی ہیں اور وہ حتی الامکان سب کی مدد کرتی ہے۔ شوہر باہر قومی، ملکی اور سماجی کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ کئی کئی دن اس کی صورت نہیں دیکھ سکتی اور بے چین ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اس کا مُسکراتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے تو وہ ساری

شکایت اور تکلیف بھول جاتی ہے۔ دونوں کا چہرہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی اور محبت کے جذبات سے سُرخ ہو جاتا ہے

"ریاض کی ماں ــــــــــ ریاض کی تعلیم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

"بھلا تمہارے سامنے میں کیا رائے دے سکتی ہوں"

"واہ تمہاری رائے بڑی صاف ہوتی ہے"

میں تو اُسے علی گڑھ کالج میں پڑھاؤں گی تاکہ وہ بھی بڑا ہو کر تمہارا سا بنے"

"خیر میں تو کیا ہوں۔ لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے بچے کو بہت اعلےٰ تعلیم دلاؤں ــــــ میرا ارادہ ہے کہ اسے یورپ بھیجوں گا تاکہ وہاں اپنی تعلیم کی تکمیل کر سکے"

"اے ہے ولایت بھیجو گے؟ اتنی دُور"

"تم بھی جاہل عورتوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ تعلیمی ترقی کے لئے دُور اور نزدیک کا کیا سوال"

"بھلا میں کیسے اتنے دن اپنے بچے کے بغیر رہ سکوں گی"

"تو پھر اسے اعلیٰ تعلیم کیسے دلاؤ گی"

(ہنس کر) اللہ تمہیں اور اُسے سلامت رکھے ــــ وہ وقت تو آنے دو ــــ ابھی تو خیر سے قاعدہ پڑھنا سیکھا ہے میں کیا جب تک زندہ بیٹھی رہوں گی ــــ جہاں چاہے بھیجنا"

"کیوں۔ زندہ رہو گی"

"اے میں سدا کی بیمار کمزور نہ جانے ان بچوں کی جوانی

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھائے دعا میں محو ہے وہ کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا مانگتی رہی کبھی کبھی لال ٹین کی ہلکی روشنی میں اس کے گالوں پر دو موتی چمک اُٹھتے اس کے بعد اس نے ایسا سر سجدے میں جھکا دیا اور بہت دیر تک نہ اُٹھایا ——— وہ ایک دوسری دنیا میں پہنچ گئی تھی۔

وہ عروسی جوڑا پہنے بیٹھی ہے۔ ایک خوش رو وجیہہ نوجوان مُسکراتا ہوا آتا ہے وہ مترنم سے سمٹ جاتی ہے ——— وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہتا ہے نسیم یہ ہماری زندگی کا ترین لمحہ ہے۔ تم میری شریک حیات ——— دنیا کی حور ——— انسانی صورت میں فرشتہ!

وہ فخر اور ترنم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آنکھیں جھکائے اپنے نوزائیدہ بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ اس کا شوہر اُنگلی سے بچے کا گال چھو کر مسکراتے ہوئے کہتا ہے "نسیم اس کا نام ریاض رکھیں؟" "ہاں بہت پیارا نام ہے ———"

دہلی میں ایک چھوٹے سے خوب صورت مکاں میں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے اُس کے پاس بہت سی عورتیں اپنا دُکھ درد بیان کرنے اور اس سے مدد لینے آتی ہیں اور وہ حتی الامکان سب کی مدد کرتی ہے۔ شوہر باہر قومی، ملکی اور سماجی کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ کئی کئی دن اس کی صورت نہیں دیکھ سکتی اور بے چین ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اس کا مُسکراتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے تو وہ ساری

پہلا باب

قصبہ اکبرپور کے محلے اشراف ٹولے میں اس وقت رات کا سناٹا مسلط ہے ——— ہاں ایک گلی میں جس کے سامنے ایک بڑا سا مقفل پھاٹک اور ادھر اُدھر متوسط درجے کی ڈیوڑھیاں ہیں ——— ایک بڈھا اپنے پلنگ پر پڑا کھانس رہا ہے ——— داہنی طرف کی ڈیوڑھی کے اندر داخل ہو تو دو بڑی بڑی ڈیوڑھیوں کے بعد ایک مربع صحن اور پختہ چبوترا نظر آتا ہے ——— صحن میں ایک بُڑھیا کے خراٹوں کی آواز اس کی گہری نیند کا اعلان کر رہی ہے چبوترے پر کئی بستر لگے ہیں جن پر کچھ لوگ سو رہے ہیں سارے گھر میں خاموشی طاری ہے۔ البتہ چبوترے پر بچھے ہوئے لکڑی کے تخت پر کوئی نماز پڑھ رہا ہے لالٹین کی روشنی سے اتنا پتہ چلتا ہے یہ تہجد گزار انسان کوئی دُبلی پتلی عورت ہے نہایت خشوع اور خضوع سے

سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۲۲ء تک

اپنی پیاری امّاں

(مشتاق فاطمہ مرحومہ اہلیہ خواجہ غلام الثقلین مرحوم)

کے نام

جن کی

زندگی ان تمام قدروں کی روشنی سے منور تھی جو شریف
ہندوستانی مسلمان عورت کے لیے باعثِ افتخار رہی ہیں۔

جن کی

ہمدردی اور ایثار کی بدولت ان بہت سے لوگوں کی زندگیاں بن
گئیں جن کو ان کی محبت اور صحبت سے مستفید ہونے کا موقع نصیب ہوا۔

صالحہ عابد حسین
عابد ولا، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ ۱۱

ایڈیشن	اگست ۱۹۸۷ء
طباعت	لکشمی پریس، نئی دہلی
سرورق	رزاق ارشد
قیمت	پچاس روپے

زیر اہتمام
پریم گوپال متل

ناشر موڈرن پبلشنگ ہاؤس،
۹، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۲ ۱۱

عَذرا

صَالحہ عابد حُسین

موڈرن پبلشنگ ہاؤس
۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج
نئی دہلی-۲ ۱۱

AZRA (NOVEL)
BY SALIHA ABID HUSSAIN Rs.50/-

عذرا

صالحہ عابد حسین